اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان دہلی ۲

اردو میں

فن سوانح نگاری

کا

ارتقا

ذخیرہ محمد وقار مجددی
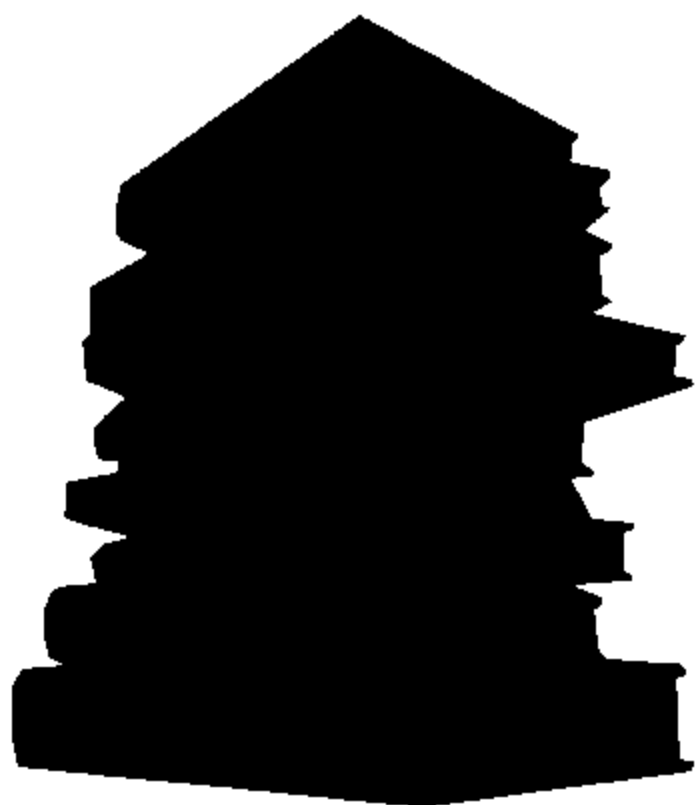
از

آنسہ الطاف فاطمہ ایم۔ اے

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

130/60

پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۷۴ء

کتابت حبیب الرحمٰن

قیمت ۲۰/- روپے

(نیو لیتھو آرٹ پریس)

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

Marfat.com

فہرست مضامین

Marfat.com

دوسرا باب
اردو سوانح نگاری حالی سے پہلے

تیسرا باب
حالؔی اور اُن کا فن سوانح نگاری

چوتھا باب
شبلؔی اور اُنکا فن سوانح نگاری

پانچواں باب
عہدِ سرسید کے دوسرے اہم سوانح نگار

چھٹا باب
اردو سوانح نگاری — حالؔی و شبلؔی کے بعد

ساتواں باب
آپ بیتیاں

Marfat.com

پہلا باب

۱۔ فن سوانح نگاری اور اس کی مختصر سرگذشت

۲۔ مغرب میں فن سوانح نگاری کا ارتقار

۳۔ مشرق میں فن سوانح نگاری کا تصور اور اس کی مختلف شاخیں۔

Marfat.com

مقدمہ

اردو میں سوانح عمریاں اور اس فن کی مختلف اصناف کثرت سے لکھی گئی ہیں۔ لیکن اس فن کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ میں نے جس وقت اپنے مقالے کے لئے اس موضوع کو منتخب کیا تو مجھ کو اس امر کا علم نہ تھا کہ اس موضوع یعنی "اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا" پر کوئی باضابطہ کام اب تک ہوا ہی نہیں۔ بہر حال لاعلمی بھی اچھی چیز ہے۔ اگر مجھ کو اس موضوع کی وسعت کا اور اس کے بارے میں خاطر خواہ تنقیدی مواد کے فقدان کا علم ہوتا تو شاید اس موضوع میں کشش محسوس کرنے کے باوجود اس کے انتخاب کی ہمت نہ ہوتی۔

جب مجھے اس موضوع پر کام کرنے کی اجازت مل گئی تو مجھ کو احساس ہوا کہ یہ بہت لمبا اور محنت طلب موضوع ہے اور جس کسی نے بھی میرے موضوع کا نام سنا مجھے ہمدردانہ مشورہ دیا کہ یہ بہت سا کام ہے ایک بار پھر غور کر لو لیکن مجھے نہ جانے کیوں شروع سے اپنی لیاقت سے زیادہ اپنے محترم استاد ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی رہنمائی پر کامل یقین ہو گیا تھا اور

میں نے اس بارے میں غور کرنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی۔

محنت اور وقت طلب کون سا کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ میرا یہ کام بھی خاصہ لمبا اور محنت طلب تھا۔ سب سے زیادہ یہ کہ اس میں ہاتھ ڈالنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس میں خاصہ الجھاؤ ہے۔ تاریخ تذکرہ سوانح کی کتابیں کسی خاص ترتیب میں نہیں۔ ہر جگہ خواہ فہرست میں دیکھ لیجئے خواہ الماریاں کہیں جگہ سلسلہ سے نہیں ملیں گی۔ حالانکہ سوانح نگاری کی بعض اصناف مثلاً مناقب تذکرے یادگار وغیرہ کے ماتحت بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور سیرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح) تو بذات خود ایک وسیع اور جداگانہ موضوع ہے جس پر باقاعدہ ایک جداگانہ مقالہ تیار ہو سکتا ہے۔ باقاعدہ کام شروع کرنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے مجھے اردو کی ان تمام کتب کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا جو اس فن سے تعلق رکھتی تھیں۔ جن میں یہ عناصر پائے جاتے تھے اور اس کام نے مجھے جتنا پریشان کیا پورے مقالے نے نہیں کیا۔ سارا سارا دن بیٹھ کر یہ فہرست نقل کی اور تیار کی۔ یونیورسٹی لائبریری اور پبلک لائبریری کی فہرستوں سے مجھے کافی مدد ملی۔ لیکن مجھے کامل یقین ہے، کہ اب بھی بے شمار کتابیں نقل ہونے سے رہ گئی ہوں گی۔ اس کام میں دماغ سے تو کام لینا تھا۔ نہیں لیا۔ بس قلم چلتا رہتا تھا۔ اس لئے برابر الجھن ہوتی رہتی تھی کہ کاغذ اور وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بہر حال فہرست تیار ہوئی

Marfat.com

اور ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کے بموجب ان کو سوانح نگاری کی مختلف اصناف کے ماتحت ترتیب دیا اور جونہی فہرست مرتب ہوگئی اور اس کو غور سے دیکھا تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کے ضبط و ترتیب میں آنے ہی موضوع کی گتھیاں خودبخود کھل گئیں اچھے لکھنے والے خودبخود الگ نظر آنے لگے۔ سوانح عمری کی مختلف اصناف کا واضح تصور بھی ہو گیا اور مختلف دور بھی نظر آنے لگے اور کام شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی انتہائی معروفیتوں کے باوجود میری رہنمائی فرمائی ان کی شفقت کا شکریہ ادا کرنا میرے نزدیک گستاخی ہے اسی طرح میں اپنے محترم پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی، جنھوں نے مجھے فہرست مخطوطات اردو کا اپنا ذاتی نسخہ ایسے وقت میں دیکھنے کے لئے دیا جب وہ مجھے تلاش کے باوجود کہیں نہیں مل رہا تھا اور چند مفید مشورے بھی دئے۔

مجھے افسوس ہے کہ بعض مصنفین جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کی تصانیف باوجود تلاش کرنے کے مجھے نہ مل سکیں اور ان پر اظہار رائے نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ مجھے اس موضوع پر حالی اور شبلی کی سوانح نگاریوں کے علاوہ کسی دوسرے مصنف کی بابت نقادوں اور اہل قلم حضرات کی آراء نہ مل سکیں۔ اس لئے مجھے یہ اپنا حق معلوم ہوا کہ خود اپنے تاثرات اور رائے کو آزادانہ استعمال کروں۔

Marfat.com

مجھے اس امر کا احساس ہے اور اس کا اعتراف بھی ہے کہ بعض مواقع پر اس مقالے میں بے ربطی اور انتشار بھی نظر آتا ہے۔ اکثر کتب کے حوالے دیتے وقت صفحات کے نمبر بھی نہیں دے سکی ہوں اور میں اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکی۔ جس کا سبب یہ ہے کہ میں اس دوران میں سخت پریشان۔ ذہنی انتشار اور عدیم الفرصتی کا شکار رہی اور مجھ کو ایک ایسے صدمۂ عظیم سے دوچار ہونا پڑا جس کا ذکر بھی میرے لئے محال ہے۔ یہ موضوع انتہائی دلچسپ اور توجہ طلب تھا کہ اس کو ختم کرتے وقت مجھکو خیال آرہا ہے کہ کاش مجھے سکون قلب اور فرصت میسر ہوتی اور میں نے اس کو خاطر خواہ طور پر انجام دیا ہوتا بہرحال جو کچھ ہو گیا ہے اسی پر تعجب ہے۔ آخر میں مجھے رضیہ جہاں آرا صاحبہ لکچرر اسلامیہ کالج فار ویمن کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے اپنے قیمتی مقالے شبلی کی سیرت نگاری سے استفادہ اٹھانے کا موقع دیا میں یونیورسٹی لائبریری کے شعبۂ اردو کے لائبریرین صاحب اور اپنے اورنٹیل کالج کے لائبریرین صاحب کی مشکور ہوں جنھیں میں نے اس سلسلہ میں بہت پریشان کیا ہے

Marfat.com
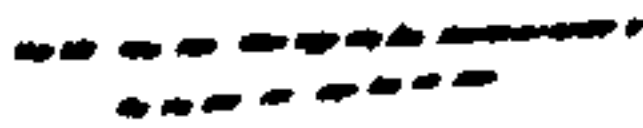
جاڑے کی طویل اور پُر سوز راتوں میں نانی اماں یا دادی اماں کی سنائی ہوئی کہانی میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے کہ مصائب اور اچانک حادثات کا شکار شاہزادہ مایوسی کی حالت میں جوگ لے کر کسی سنسان جنگل میں درخت تلے رات گزارتا ہے اور درخت پر بیٹھی ہوئی مینا طوطے سے بات کرنے کی فرمائش کرتی ہے اور طوطا پوچھتا ہے آپ بیتی کہوں یا جگ بیتی؟ تو مینا ٹھنڈا سانس لے کر کہتی ہے آپ بیتی تو روز کی ہے جگ بیتی کہو تو رات کٹے ، اور جگ بیتی میں مایوس و دلگیر شاہزادہ اپنے لئے ایک نیا راستہ ایک نئی منزل پالیتا ہے ۔ اور از سرِ نو مصائب کا مقابلہ کرنے پہ آمادہ ہو جاتا ہے ۔ بالکل اسی طرح زندگی کی موجوں میں گھرا ہوا انسان بعض وقت دوسروں کی داستانِ حیات سے اپنے اندر روحِ عمل کو بیدار کر لیتا ہے ۔

Marfat.com

[illegible] تجربوں سے فائدہ اٹھانا اور دلچسپی لینا انسان کا فطری جذبہ ہے کسی
کی کامرانیوں اور ناکامیوں کی سرگزشت بڑی ہی دلچسپ معلوم ہوتی ہے
انسان خواہ کتنا ہی مشغول ہو لیکن دوسروں کے بارے میں کچھ جاننے
کا جذبہ اس کے اندر ہمیشہ کروٹیں لیتا ہی رہتا ہے۔ ہمیں جس قدر اپنی
ذات سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اسی قدر دوسرے کے حالات جاننے کے
مشتاق ہوتے ہیں ان کی زندگیوں کے سربستہ رازوں کو کریدتے ہیں
اور ان انکشافات کی روشنی میں اپنی راہوں کا تعین کرتے ہیں دوسروں
کی کمزوریاں اور خامیاں دریافت کر کے ایک تسکین سی محسوس کرتے
ہیں ہم ان کے کارناموں کو مشعل راہ بناتے ہیں۔ ان راہوں پر بے دھڑک
گامزن ہوجاتے ہیں جن کے ذریعہ انھوں نے کامیابی کی منزلیں طے
کی تھیں ان کی لغزشوں کی کٹھن ڈگر پہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے
گزرتے ہیں اور ان کے دکھ سکھ میں اپنے درد کا مداوا ڈھونڈتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ انسان کو یاد رفتگان ہمیشہ سے عزیز رہی ہے
اپنے بزرگوں اور اگلوں کے کارنامے کو جمع کرنے اور یاد رکھنے کا دستور
آج سے نہیں قدیم الایام سے چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ جب انسان
پڑھنے اور لکھنے کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔ اس وقت بھی اپنے اچھوں
اور دوسروں کے بڑوں کے داستانیں سینوں میں محفوظ کرتی جاتی
تھیں اور انسان اپنے خاندانوں اور قبیلوں کے قابل ذکر کارناموں
کو لوک گیتوں اور قصے کہانیوں کی شکل میں نسلاً بعد نسلاً سینہ بہ سینہ

Marfat.com

سوچتا چلا گیا۔ رجزیہ اشعار، مرثیہ اور قصائد اسی سلسلے کی ترقی یافتہ کڑیاں ہیں۔ لوک گیتوں اور قصہ گوئی کے بعد تحریری سوانح عمریاں ظہور میں آئیں۔

جب انسان نے تحریر کو ذریعۂ اظہار کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا ہوگا تو سب سے پہلے انہی خاص جذبات کی ترجمانی کی ضرورت پیش آئی ہوگی جو اسے عزیز تر ہوں گے اور یہ اس کے عزیز و اقربا کی یاد اپنے قابلِ ذکر مشاہیر اور ان کے خاص خاص کارناموں کی یاد کو محفوظ کر لینے کی خواہش ہی ہوگی چنانچہ اس وقت کے تاریخی ماخذ پتھر اور مٹی کی سلوں پر کندہ نقوش جو اکثر ناقابل فہم ہیں ان کے متعلق۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی افراد کے حالات اور کارنامے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ قابل یقین چیز بھوج پتر اور اہرام مصری ہیں۔ مصر اور مشرق وسطیٰ کے بادشاہوں کی قبروں اور تابوتوں میں سے ایسی سلیں اور بھوج پتر برآمد ہوئے ہیں جن پر ان کے حالات زندگی لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اہرام مصر کی اندرونی دیواروں پر جو عبارات کندہ ہیں وہی سوانح نگاری کے ابتدائی نمونے کہے جا سکتے ہیں

دراصل باضابطہ سوانح عمریاں لکھنے کا رواج سب سے پہلے یہودیوں کے یہاں ملتا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے قدماء کے حالات زندگی جمع کئے۔ ان کے بعد اہل روما میں رواج ہوا اور جدید تحقیق کے مطابق سب سے پہلی سوانح عمری دوسری صدی

Marfat.com

عیسوی میں پلوٹارک نے لکھی۔ یہ ہر لحاظ سے بہترین اور بلند پایہ ہے۔

عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں ان کے بزرگوں۔ مذہبی رہنماؤں اور شہیدوں کے حالات ملتے ہیں یہ حالات یادگاری حیثیت کے ہیں حالات قدرے تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اسلئے ابتدائی نمونوں میں اہم ہیں مذہبی سوانح عمریاں دیومالاؤں اور آسمانی کتابوں سے متاثر معلوم ہوتی ہیں اور جوں جوں انسان پر مذہبیت کا غلبہ ہوتا گیا وہ مذہبی رہنماؤں اور بزرگوں کے حالات لکھتا گیا۔ جوش عقیدت اور محبت میں وہ صاحب سیرت کو انسانی اوصاف سے زیادہ الٰہی اور ربانی قوتوں کا مظہر بنا کر پیش کرتے تھے۔ اس قسم کے حالات عموماً قدیم معبدوں اور صحیفوں میں درج کر کے محفوظ کر دیئے جاتے تھے۔ ممکن ہے یہ رجحان آسمانی کتب کے ذریعہ پیدا ہوا ہو آسمانی کتب میں فلسفہ اخلاق کے علاوہ قوموں اور افراد کے حالات بھی بیان کئے جاتے تھے یہانتک کہ جدید ترین آسمانی کتاب قران مجید میں بھی شخصی حالات اور کردار واضح اور روشن طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور ان شخصی قصوں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ مثلاً حضرت یوسف کا قصہ اس طرح شروع کیا گیا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

Marfat.com

پھر ان کرداروں کی سیرتوں پر ان کے حالاتِ زندگی کا بڑا اثر دکھایا گیا ہے۔ حضرت عیسٰی کی زندگی شروع ہی سے مظلوم نظر آتی ہے۔ وہ ایک خاموش، مقدس اور بےکس ماں کے بچے کی صورت میں آتے ہیں جس کو دنیا والے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان حالات ہی میں ان کے دردمند اور صلح جو مزاج کی نشوونما ہوتی ہے۔ حضرت موسٰی کا مقابلہ بطن مادر ہی سے فرعون جیسے بادشاہ سے ہوتا ہے۔ پھر وہ شاہانہ آغوش میں پرورش پاتے ہیں۔ اور ویسے ہی پر جلال اور غضبناک زود اشتعال ہٹ سکتے تھے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ شخصی سیرت اور کردار کا اتنا واضح تصور ان آسمانی کتب سے ہی لیا گیا ہو۔

اس طرح رفتہ رفتہ انسانی حالات اور کارناموں کے محفوظ کرنے کی یہ فطری خواہش تدریجی اور ارتقائی مراحل طے کرتی رہی اور ایک فن کی شکل اختیار کرتی رہی۔ اس کی ضرورت ہر ملک اور ہر قوم کو ہمیشہ محسوس ہوتی رہی ہے۔ اور یہ ہر جگہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ اور موجودہ زمانے میں ہر قوم و ملک میں اس کا ایک عام تصور متعین ہو گیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنف کا کہنا ہے کہ یہ تاریخ سے جدا صنف ادب ہے۔ یہ آرٹ ہے۔ سائنس نہیں ہے علاوہ وہی سوانح نگار کامیاب فنکار کہے جا سکتے ہیں۔ جن کی تصنیف ہر مزاج اور زمانے کے

Marfat.com

لوگوں کے لئے باعث تفریح و مسرت ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو سوانح نگار ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ فی زمانہ جبکہ دماغوں کی تخلیقی قوت کم ہوتی جارہی ہے۔ اس صنف ادب کو بجائے فن کے سائنس میں شمار کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے اور سوانح نگاری کے سائنس کا شعبہ کہنے والے بزعم خود اس کی بڑی عزت افزائی کرتے ہیں۔ دراصل یہ فن ہے جس میں سائنس کا بڑا لطیف اور نازک امتزاج ہے اس کا راستہ تلوار کی دھار سے تیز اور باریک ہے ذراسی لغزش اس کو فن کے پائے سے گرادیتی ہے سوانح نگار کو بڑی کٹھن راہوں اور صبرآزما پابندیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہہ کر ادب میں بلند مقام نہیں حاصل کرسکتا کہ اس تصنیف میں کوئی خاص جدید یا اچھوتا پہلو ہے۔ اس کے لئے جانبدارانہ اور روادارانہ مصوری اور عکاسی کا کوئی موقع نہیں۔ وہ شاعر، ناول نگار نقاش اور مصوری طرح آزاد نہیں ہوتا۔ اس کو اپنے طرز نگارش میں سچائی اور دیانت داری کا بڑا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ طریق اظہار میں اس کو اجازت ہے کہ خود اپنی شخصیت اور انفرادیت کو شامل کرلے اور یہ اس کی اسلوب پر منحصر ہے۔

تفصیلات کے انتخاب میں بھی سوانح نگار کو دوسرے فنکاروں سے زیادہ حسن نظر اور سلیقہ کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ لکھنے والا کثیر المطالعہ اور وسیع المعلومات ہو۔ لیکن اس کا فرض ہے کہ وہ

Marfat.com

ناظرین کو مواد اور تفصیلات سے پریشان خاطر نہ کر دے البتہ...
اس کا اپنا فرض ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات اور معمولی سے معمولی
واقعہ کا علم رکھے۔ مبادا کوئی ایسا اہم واقعہ چھوٹ جائے جس کا اثر
براہ راست ہیرو کے کردار اور حالات پر پڑا ہو اور لکھنے والا اس
کو نظر انداز کر دے ایک سمجھدار فنکار انہی تفصیلات کے طومار میں
سے چند انتخابات کرتا ہے اور پھر حسب ضرورت واقعات لے کر
خاکہ تیار کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں Aspect of Biography
کے مصنف Maurois کا خیال ہے۔ ا

"سوانح نگاری میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ ہم جانتے
ہیں وہ جوں کا توں پیش کر دیں اس طرح ہر شخص کی سوانح
عمری اس کے ایام حیات کی طرح طویل ہو جائے گی"

بعض وقت سوانح نگار حالات اور واقعات کے انہی پہلوؤں
کا انتخاب کر لیتا ہے جو ا ٢ کی اپنی نظر میں مستحسن اور مرغوب ہوتے
ہیں یہ طریقہ غلط ہے اس طرح سے سوانح عمری اور ہیرو کی حیثیت ایک
معمول کی سی رہ جاتی ہے۔ اور لکھنے والے کا مطیع اور محکوم ہو کر
رہ جاتا ہے۔

حالات کی کاٹ چھانٹ میں بڑی احتیاط سے کام لیا جائے
اور زندگی کے بعض پہلوؤں کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے
مثلاً اس کے سراپا اور دکھاوے کی تفصیلات اس کا لب و لہجہ

Marfat.com

اس کا طرز کلام بہت ضروری چیزیں ہیں جو اس کے مزاج اور کردار پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اپنے واقف کاروں اور کرداروں کی نشست و برخاست حرکات و سکنات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اس کے متعلق رائے قائم کرنے میں کوتاہی نہ ہو یہ سب اس لئے ضروری ہے کہ وہ شخصیت جس کو مصنف اپنے کاغذوں اور مسودات کے پردہ پہ پیش کر رہا ہے۔ وہ ایک غیر مرئی شے بن کر رہ جاتی ہے وہ ہم کو نظر نہیں آتی اور وہ اپنی زندہ اور محسوس شخصیت کے اظہار سے قاصر ہوتی ہے۔ البتہ ہم اس کو الفاظ کے مکالموں تقریر و تحریر اور کاغذات کی بدلیوں کے پیچھے سے جھانکتا ہوا دیکھتے ہیں۔

غرض سوانح نگاری کسی فرد واحد کی شخصیت کو منظر عام پر اس طرح لانے کا نام ہے کہ اس کی فطرت اور سیرت کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے اس میں لکھنے والا اپنے ذاتی جذبات کو شامل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ ہیرو کے محاسن اور معائب کو پیش کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں اور لکھنے والے میں یہ جرأت موجود نہ ہو تو بقول جانسن ایسے موضوع کو چھوڑ دینا چاہئے۔

"When it is painful to tell the truth the story must not be told." بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی شخص کی زندگی کے ان واقعات کو منظر عام پر لانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے۔ جن کی شخص مذکور نے اپنی زندگی میں سختی سے

Marfat.com

پردہ داری کی ہو کسی شخص کے ذاتی محبت ناموں کی اس کے مرنے کے بعد تشہیر کرنا کیوں کر جائز اور مستحسن ہو سکتی ہے جبکہ وہ اپنی زندگی میں انھیں کسی کو دکھانا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق مسٹر لیسلی اسٹیفن Leslie Stephen نے

Studies of a Biographer میں یوں لکھا ہے۔

The pulication of the Brownings-correspondence naturally calls attention to troublesome question in the case of literary morality

اور پھر اس کا جواب بھی خود ہی دیتا ہے وہ کہتے ہیں "ایک نامعلوم خواہش اس شخص کے مزید حالات جاننے پر اکساتی رہی ہے جو ہماری دنیائے تخیل میں ہلچل مچا دیتا ہے۔ اور جس کے ہاتھوں میں قوموں اور نسلوں کے فکر و ذہن کی باگیں ہوتی ہیں۔"

اور واقعہ بھی یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جتنا بڑا آدمی ہوگا اتنا ہی وہ اس کی فطرت کے ایسے پہلوؤں کو دیکھنے کے لئے بے چین رہے گی جو اس بڑے آدمی کو عام انسانی سطح پر لاتے ہیں۔

دراصل کسی کے اچھے یا برے اعمال کا محاسبہ کرنا اس کی پردہ داری کرنا سوانح نگار یا سیرت نگار کا فرض نہیں اس کو تو دیانت داری اور غیر جانب داری سے معلومات اور واقعات کو سلیقہ مندی اور علمی انداز میں پیش کرنا چاہئے جو مطالعہ یا مشاہدے کے ذریعہ بطور امانت اسکے ہاتھ لگے اور ذہن میں محفوظ ہیں اس معاملے میں دیانت داری اور

Marfat.com

صاف گوئی اس حد تک ضروری سمجھی جاتی ہے کہ اس کا احترام ان لوگوں کو بھی کرنا پڑتا ہے جو خود اپنی سوانح عمری لکھتے ہیں۔ ایک اچھا آپ بیتی لکھنے والا جانتا ہے کہ جو اعمال اور افعال خود اس سے سرزد ہو چکے ہیں ان کا تعلق اس کی ذات سے صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ وہ اس کے نام اور ذات سے منسوب ہیں اور اب وہ دوسروں کی امانت ہیں۔ کیونکہ دوسروں کو ان سے سبق لینا ہوتا ہے چنانچہ ایک مخلص اور فنی نظر رکھنے والا شخص کی طرح بلا خوف وخطر اپنا نامہ اعمال یہ کہہ کر پیش کر دیتا ہے کہ۔ Jhon Dunton

, My very soul may nepea here be Seen
Both what I was and what I should have
been dissected Thus, I stand a living
martyr grown come read my errors s re som

اور اسی انداز کی سوانح نگاری یا سیرت نگاری سے سائنس اور آرٹ کا حسین امتزاج پیدا ہوتا ہے بہت ممکن تھا کہ راستبازی اور دیانت داری کی اتنی کڑی پابندی سے سوانح نگاری واقعات اور حالات کا ایک خشک اور بے کیف تسلسل بن کر رہ جاتی ہے اگر اس میں مصنف کو اظہار شخصیت اور اسلوب کی اجازت نہ ہوتی لیکن دوسرے علمی موضوعات کی طرح سوانح نگاری میں بھی مصنف کو پوری پوری آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور اسلوب کا اظہار کرتا

Marfat.com

رہے۔ اس ذریعہ اظہار کے جواز کے لئے Marilu O S نے بڑا دلچسپ اور قابل اعتنا نکتہ نکالا ہے کہ جب سوانح نگاری میں آرٹ کے وجود اور عنصر کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تو پھر اس کو ذریعہ اظہار بنانا آسان اور جائز ہے وہ کہتے ہیں۔

"فن کار کے لئے اس کے فن پارے کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لئے ایک ذریعہ نجات بن جاتا ہے۔ دنوں اور برسوں کے ڈھکے چھپے خیالات اور جذبات اور جو فنکار کے روح و ذہن میں موجزن ہوتے ہیں نکاس کا رستہ پاتے ہیں اور اس طرح وہ ایک ایسے بار عظیم سے سبکدوش ہو جاتا ہے جو اس کے قلب و ذہن کو کچلتا ہوتا ہے۔"

درحقیقت ہم ایسی کتابوں کو جو جذبات کی اس رو میں بہہ کر لکھی جاتی ہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف نے اس کے ذریعہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہا ہے ایسی صورت میں فن پارہ تحلیل نفسی اور ایک قسم کا اقرار و اعتراف بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چارلس ڈکسن نے مصائب اور افکار کے ہجوم کو جس نے تمام عمر اس کو پژمردہ اور کمزور رکھا تھا تاریخینکا میرید تھ اور Harry Richmon نے Merudz h

130/60

Evan Harrengton کے اوراق میں جا بجا اس نوع کے اعترافات کرکے اپنے جذبات کے اُبلتے ہوئے دھارے کے بہ جانے کے لئے راہ بنا دی ہے۔ اسی طرح بچپن کی معصوم تکالیف اور بغیر کسی کی رہنمائی کے طالب علمی اور نوجوانی کی منزلیں طے کرتے وقت کی پیچیدہ الجھنوں کو عصمت چغتائی نے ٹیڑھی لکیر میں آشکار کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا اور ... غم و غصہ کا غبار نکالا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذکورہ مصنفوں نے ان تصانیف میں محض اپنی ہی زندگی قلم بند کی ہے۔ بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک ایسے موضوع کا انتخاب کر لیا جس میں ان کو اپنے جذبات اور جذبات کے اظہار کا بھی موقع مل جائے۔

دیکھنا یہ ہے کہ بعض اوقات ایک سوانح نگار حقیقی اور کردار کے ذریعہ وہ موقع کیوں نہیں حاصل کر سکتا جو ناول نگار حاصل کر لیتا ہے اور کیوں ہمیں بائرن کی سوانح حیات سے وہ تاثر حاصل ہوتا جو Evan Harrington سے یا ٹیڑھی لکیر کے مطالعے سے ہوتا ہے بات یہ ہے کہ ایسے ناول نگار کرداروں کو تخلیق کرتے وقت انہیں زندگی کے حقیقی کرداروں کے جذبے سمو دیتے ہیں سوانح عمری کے ذریعہ اپنے دل کا غبار نکالنے کی مثال Mariqus نے خود اپنی تصنیف اور تجربے سے دی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ جو وقت اس نے شیلے کی سوانح عمری لکھی ہے تو یہ اسکی نوجوانی اور شباب کے ان ولولوں کا زمانہ تھا جنھوں نے شیلے کے نظریات اور شخصیت کو ڈھالا تھا اسکے علاوہ اسکے فلسفیانہ اندھیا دہ خیالات اور نظریات ، شیلے ، اور اسکے ہمدم و ہمراز Hogg سے بہت تھا

رکھتے تھے۔ پھر اس نے شیلے کی ایک مختصر سوانح حیات کا مطالعہ کیا جس میں اس کو ہر قدم پر شیلے کے جذبات خود اپنے محسوسات سے ہم آہنگ ہوتے نظر آئے۔ اس کو شیلے سے ایک جذباتی مانوسیت اور یگانگت محسوس ہوئی اور مصنف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس وقت شیلے کی سوانح حیات لکھ کر اس کے نظریات اور خیالات کی تبلیغ و تشہیر کرکے خود اس کو ذہنی آسودگی نصیب ہوئی۔

پہلے اس نے شیلے کی داستان حیات اور ہیزلٹ Hazi اور میری May سے اس کے تعلقات کو مربوط کرکے ناول مرتب کی لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوا اور مصنف کے اندر جو شیلے کروٹیں لے رہا تھا وہ اسی طرح بے چین و مضطرب رہا۔ رفتہ رفتہ اس نے ان تمام حالات اور مراسلات کا جائزہ لیا جس سے اس کے مزاج اور شخصیت پر روشنی پڑتی تھی اور اس کو ذریعۂ اظہار مل ہی گیا۔ اگرچہ یہ کتاب ہر صورت سے مکمل اور جامع نہ تھی تاہم مصنف نے اس کو لکھتے وقت مسرت اور جذبے کی شدت کو محسوس کیا جو اس تصنیف میں جا بجا جھلکتی ہے یہی اظہار تاثیر اور جذبہ ہے۔ جسے ایک سوانح نگار کام میں لاکر اپنی تصنیف کو دلکش تر بنا سکتا ہے۔

لیکن ایک بات کا ہونا بہت ضروری ہے کہ موضوع اور مواد کی سطح پر جذبہ اور احساس اتنا واضح اور گہرا ہو کہ اس سے تاثیر میں

Marfat.com

شدت پیدا ہو جائے اس میں احساس کی وہ ہمامی ہو جو شدید جذبے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگ اس بارے میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ٹھوس حقائق ہمارے سامنے موجود ہیں تو پھر بے سبب جذباتیت سے فائدہ لیکن دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ انسان کو انسان ہی کے جذبات اور خیالات کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں M. Poul Valery کی تمہید میں جو انھوں نے

Introduction a la Methode de leonardo devinci

میں لکھی ہے ایک جگہ یہ کہہ کر ان تمام سوانح نگاروں کی وکالت اور تائید کی ہے جن میں ذرا بھی جذبے اور تاثر سے کام لیا گیا ہے۔

"ایک انسان کے تفکر کو ہم اپنے تفکر کے ذریعے جانچتے اور پرکھتے ہیں ہم اپنے خیالات کے آئینہ میں دوسروں کے تفکر کو بناتے سنوارتے ہیں۔"

بظاہر یہ بات صاف ہو گئی کہ ناول نگار کی طرح سوانح نگار کو بھی اظہار جذبہ کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن یہی وہ منزل اور راستہ ہے جس کو ہم تلوار کی دھار سے زیادہ باریک اور تیز کہتے ہیں جذبہ کو پیش کرنے کا نیا نیا سا شگفتہ انداز سوانح عمری کو ناول سے علیحدہ کرتا ہے۔

Marfat.com

ناول اور سوانح نگاری کا بیّن فرق اس وقت محسوس ہوتا ہے
جب کہ لکھنے والا یہ غور کرتا ہے کہ آیا وہ کسی شخصیت کو پوری طرح
پیش بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس وقت اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ
وہ ایسا کرنے سے قاصر ہے جونہی وہ اس خیال کو پکڑنے اور گرفت
میں لینے کی کوشش کرتا ہے وہ پھسل پڑتا ہے۔ اور فوراً دو صورتیں
اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی ایک تو اس کا ظاہری اور علمی وجود جو کہ
شہادتوں اور دوسرے ذرائع سے منکشف ہو جاتا ہے کہ موضوع
یا صاحب سیرت فلاں فلاں جگہ گیا اور فلاں فلاں وقت میں اس
عورت سے ملا اور ایسے ایسے کام کئے۔ دوسری طرف اس کا باطنی
اور ذہنی وجود۔ اور اس کی زندگی کا یہی پہلو ہے جو سوانح نگار
کی گرفت سے بار بار نکل پڑتا ہے اور ناول نگار بآسانی اس
کا احاطہ کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کو یہ آسانی ہوتی ہے کہ اپنے ہیرو کے
ایک فعل کو بجنسہٖ پیش کرنے کے بعد بھی اس فعل کے ارتکاب
کے وقت اس کے جذبات اور احساسات کو بھی پیش کر سکتا ہے
اور اس نازک مرحلے کا اندازہ کر کے بتا سکتا ہے جس کے تحت
ہیرو سے وہ فعل سرزد ہوا ہے۔ ان حالات اور واقعات کو
اپنے نظریہ کی کسوٹی پر رکھ کر اس کے فعل کی مدحت یا مذمت میں
ناظر کو اپنا ہم خیال بنا لیتا ہے maraios نے اس کی مثال
یوں دی ہے کہ بالفرض میدان جنگ میں ایک سپاہی جس کو

Marfat.com

آگے بڑھ کر حملہ کرنا تھا بجائے آگے بڑھنے کے کسی جگہ چھپا ہوا ملتا ہے۔ اور اس کا افسر اس کو اس حال میں دیکھ لیتا ہے تو وہ اس کو بزدل اور فرض ناشناس سمجھتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد یہ بات اس کے سوانح نگار کو معلوم ہوتی ہے تو وہ اس کی سوانح عمری میں محض یہ واقعہ درج کر دیتا ہے کیونکہ شاہدہ اتنی ہی اجازت دیتا ہے اور اس کا شمار تاریخ میں کم ہمت سپاہیوں میں ہوتا ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ سپاہی کے نقطۂ نظر سے اس کا سبب کچھ اور ہو۔ کیا تعجب کہ وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا ارادہ ہی رکھتا ہو۔ لیکن اس کی قوت نے جواب دے دیا ہو۔ اس طرح ناول نگار ایک طرف تو افسر کے جذبات کو ظاہر کرنے کا مجاز ہوگا دوسری طرف سپاہی کی مجبوری کی وضاحت بھی کر سکتا ہے۔ اور بقول رومن فرینڈز

(Roman Farandez)

رہم ناظر اور کردار کی غلطیوں کے درمیان توازن
قائم کر سکتے ہیں کیونکہ کردار کم و بیش اپنے احساسات
کا فریب خوردہ ہوتا ہے اور ناظر اس کی حرکات اور
سکنات سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے دیکھنے والا
سوچتا ہے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ اس کی مصلحت کے
قرین تھا یا منافی بہرحال میں نے وہی دیکھا جو اس نے کیا"
اور یہی جملہ یعنی بہرحال میں نے وہی دیکھا جو اس نے کیا

سوانح نگار کا حصہ ہے وہ اپنے ہیرو سے کتنی ہی عقیدت یا نفرت

Marfat.com

کیوں نہ رکھتا ہو مگر اس کو کہنا وہی پڑے گا جو اس نے دیکھا اور یہ عقلی امکانات اور دلائل پیش کرنا اس کا کام نہیں۔

سوال یہ ہے کہ فنِ سوانح نگاری کی یہ ٹکنیک اور پابندیاں کس طرح رفتہ رفتہ وضع ہوئیں اور عائد کی گئیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ازمنۂ قدیم بلکہ عہد بربریت سے انسانی زندگی کے حالات اور کارنامے محفوظ کرنے کا رواج چلا آرہا ہے۔ اسی طرح اس کے اصل اصولوں اور ٹکنیک میں بھی تجربوں اور وقت کے لحاظ سے برابر تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ جوں جوں یہ فن ارتقائی مراحل طے کرتا گیا۔ اس میں فنی اور سائنٹفک پہلو پیدا ہوتے گئے۔ لیکن اس کی اتنی واضح صنف جدید زمانے کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ایڈمنڈ گوس

Encyclopedia Brittanica کے صفحہ ۵۹۳ پر اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: "فن سوانح نگاری اور تاریخ نویسی کا فرق جدید زمانے کی ایجاد ہے اس سے قبل اس کو ادب میں مستقل اور جداگانہ حیثیت حاصل نہیں تھی یہاں تک پلوٹارک بھی اس کے متعلق فیصلہ نہ کرسکا تھا کہ یہ تاریخ سے جدا صنف ادب ہے۔"

دراصل مغرب میں باقاعدہ طور پر سب سے پہلے پلوٹارک نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اشخاص کی اخلاقی سیرت اور شخصی کردار کو قلم بند کرنا چاہیئے۔ سوانح عمری کی شکل میں پہلی تصنیف Xwnophon کی Memoirs of Secrates لی ہے۔ پہلی صدی

کے آخر میں پلوٹارک نے دنیائے ادب میں Parallel lives پیش کی جس میں چالیس یونانیوں اور رومیوں کے حالات زندگی پیش کئے گئے ہیں۔ پلوٹارک Taatus اور Sueton ies کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں بہت صحیح اصولوں پر مبنی ہیں یہ ہیئت کے اعتبار سے اور کردار کو آئیڈیل نہ بنا کر پیش کرنے کی اچھی مثالیں ہیں Merklongaker نے مذکورہ سوانح نگاروں کے متعلق کہا ہے۔

"ان سے بڑھ کر سوانح نگاری کا فرض کم ادا کیا گیا ہے لیکن عہد الزبتھ کے مصنفوں کو اس میں کوئی قابل تقلید بات نظر نہ آئی۔"

اگرچہ انگریزی ادب میں سوانح نگاری کا وجود اواخر عہد ہنری ہشتم ملتا ہے لیکن اس کا کوئی مستقل اور واضح تصور اٹھارویں صدی تک نہیں ملتا اس سے قبل کی سوانح نگاری میں مختلف... رجحانات اور نظریات ملتے ہیں۔ جن کا مختصر جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان نظریات اور رجحانات سے متعلق ایک حلقہ وہ ہے جس کے نمائندہ مصنفین ولیم روپر۔ جارج کیونڈش ناس سپراٹ اور جان ڈرائیڈن ہیں۔ اس حلقہ کے لکھنے والوں کا نظریہ فن قدیم اور جدید نظریہ سوانح نگاری سے مختلف تھا ان کا انداز مدحیہ

Marfat.com

ہوتا تھا یہ اپنے موضوع اور ہیرو سے بہت زیادہ وفاداری اور جانب داری کا سلوک کرتے تھے۔ یہ حلقہ سنجیدہ پردہ داری ہی کا قائل نہ تھا بلکہ مصلحت اور نظریات کا شکار ہو کر بے جا پردہ پوشی کرتے تھے اس حلقے کی اہم ترین تصنیف ولیم روپر کی لکھی ہوئی سر ٹامس مور کی سوانح حیات ہے۔ اگرچہ یہ کتاب سترہویں صدی یعنی ۱۶۲۶ء میں طبع ہوئی لیکن ۱۵۴۸ء میں لکھی گئی تھی۔ ولیم روپر نے اپنے خسر کی یہ سوانح عمری بڑے جذباتی انداز میں لکھی ہے۔ اگرچہ مصنف کو حسن اتفاق سے اپنے ہیرو کے ساتھ زندگی کے سولہ سال گزارنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سر ٹامس مور کا مطالعہ اس خیال سے کیا ہی نہیں کہ اس کو اپنی سوانح نگاری کا موضوع بنائے گا۔ بلکہ وہ اس کو اپنے قابل احترام خسر کی ہی حیثیت سے دیکھتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی یہ کتاب تشنہ ہے۔ اس سے زیادہ ٹھوس معلومات اور تفصیلات دوسرے مصنفین نے ٹامس مور کے بارے میں بہم پہنچائی ہیں۔ روپر کی تصنیف اور بیان کے مطابق ٹامس مور نیکی، رحم اور شرافت کا مجسمہ نظر آتا ہے اور ان تمام کمزوریوں کا نام و نشان بھی نہیں ملتا جن کا ذکر اس کے بعض ہمعصروں نے کیا ہے۔

جارج کیونڈش اس حلقہ کا ایک مصنف ہے اس نے کارڈینل کی سوانح حیات لکھے ہیں۔ اور ولیم روپر کی طرح وہ بھی

Marfat.com

اس تمام مواد اور موقعے جو اسے وولنزے کی چار سالہ ملازمت میں حاصل ہوا تھا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ جس کی وجہ سے اس کا وہی موضوع سے وفاداری اور چشم پوشی کا نظریہ تھا۔ دراصل کیونڈش کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے آقا کے خلاف پھیلائے ہوئے مسموم خیالات اور واقعات کا ازالہ کرے جو دوسرے سوانح نگاروں اور مخالفین نے پھیلا رکھے تھے۔ وہ ایک دلکش اسلوب کا مالک تھا۔ لیکن وولنزے کی باریکیاں اور پیچیدگیاں پیش کرنے سے قاصر رہا۔

Grevillle Fulke اور بشپ اسپریٹ ہی اسی خیال اور نظریئے کے قائل تھے Fulke کی تصنیف سر فلپ سڈنی کی سوانح عمری کا مقصد سوانح نگاری سے زیادہ اس کی خدمت میں ہدیۂ تحسین و عقیدت پیش کرنا تھا۔ اسی طرح بشپ اسپریٹ نے ادب میں جو مقام حاصل کیا تھا وہ اس کی سوانح نگاری کے کمال کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس کی شستہ اور دلنواز زبان اس کے تخیل پرجوش محبانہ خلوص کے طفیل تھا۔ غرض سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک سوانح نگاری کا عام رجحان یہی تھا۔ اگرچہ اس صدی کے نصف تک وہ واقعات جو حالات زندگی کے تحت لکھے جاتے تھے۔ فن سوانح نگاری کے حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن عرصہ تک اس کا رجحان مدحیہ و توصیف نگاری ہی کی طرف رہا۔ باوجود اس کے کہ اسی صدی میں

Marfat.com

اخلاقی جرأت کو بڑی اہمیت دی جا رہی تھی۔ اور فن سے مخلصانہ برتاؤ کیا جا رہا تھا۔ لیکن سوانح نگاری کا رشتہ مدحیہ وصف نگاری سے منقطع نہ ہو سکا تھا۔ لیکن یہ رجحان کلی طور پر حاوی نہ تھا۔ اسی صدی میں ڈرائی ڈن اور اس سے بھی کچھ پہلے فرانس بیکن نے سوانح نگاری کے صحیح مقصد اور ادبی امکانات کو محسوس کیا اور اس پر غور کیا۔ قسام ازل نے اس فن کے حدود کا نقد و تبصرہ اور اس فن اور تاریخ میں امتیاز جان ڈرائی ڈن کے حصے میں رکھی تھی۔ اور اس سلسلے میں اس کا نقد و تبصرہ اس عہد کی تنقید کی صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔

ڈرائی ڈن نے اس فن کی بڑی وضاحت اور صراحت کی ہے اس نے اس میں نئے اور دلچسپ امکانات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سوانح نگاری یا مخصوص زندگیوں کی تاریخ اگرچہ موضوع کے لحاظ سے مختصر اور محض خاکہ ہوتی ہے پھر بھی اسنائل کے لحاظ سے یہ بہت وسیع ہے اس کا اسٹائل موقع و محل کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اس میں سادگی بیان اور سپاٹ پن کے بھی مواقع ہوتے ہیں۔ اور حسب ضرورت تاریخ کی سنجیدگی اور برتری کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔ ڈرائی ڈن نے سوانح نگاری اور تاریخ کا فرق اس طرح بیان کیا ہے۔

• تاریخ میں بڑے اور عظیم واقعات ہی پیش کرنے کی

Marfat.com

اجازت ہوتی ہے اور ہم صرف مملکت اور سیاست کے ایوان اور فلک بوس کاخِ حکومت ہی کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن سوانح نگار افراد کے بھی گھروندوں میں بھی جھانک سکتا ہے۔ وہ یہاں اس روپ میں نظر آئینگے انکے دکھ درد کھاؤ برتاؤ اور گفتگو کا جائزہ لیا جاسکتا ہے یہاں ہم سی ہلو اور لارے نبیس وہ ملدما کو ساحل سمندر پر گھومتے اور سیپیاں چنتے دیکھتے ہیں اور آگسٹس کو لڑکوں کے ساتھ پتھروں پر گد کے لگاتے دیکھتے ہیں۔ زندگی کا تصنع اور خول ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور ہم اس حیوان ناطق کو اسی عریاں حالت میں پاتے ہیں جو اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔“

ڈرائی ڈن کے بیان نے اس غلط فہمی کو بھی دور کر دیا ہے جو فرانس بیکن کے طریق عمل سے پیدا ہو چکی تھی۔ بیکن عہد ہنری کا مورخ تھا اور اس کی مورخانہ حیثیت بھی زیادہ قابل قبول ہے۔ تاہم وہ تاریخ میں شخصی کردار کی عکاسی کا بھی قائل تھا۔ اس نے تاریخ کے ضمن میں ہنری ہشتم کی شخصیت کی جو عکاسی کی ہے وہ اگرچہ جغرافیائی اور تفصیلی نہیں تاہم اس کے کردار پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی ہے۔ اس طرح تاریخ اور سوانح عمری خلط ملط ہو گئی۔ لیکن جان ڈرائی ڈن نے تاریخ اور سوانح کے درمیان حد فاصل کھینچ دی ہے۔

سترھویں صدی یا عہد الزبتھ کی ان سوانح عمریوں سے عہد جارج کے مصنفین بہت کم متاثر ہوئے اور اٹھارویں صدی کے لکھنے اور پڑھنے والے نے بخوبی اندازہ کر لیا کہ وہ سوانح نگاری کے معیار پر پوری نہیں اترتیں ان سوانح عمریوں کے متعلق Longaker نے کہا ہے۔

Marfat.com

r oldys. Mason. Jhonson and others -
regarded Them as models to be avoided,
and as a lesson in what not to do.

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ تصور اس صدی سے
قطعی مستور اور غیر متاثر ہے سپین نے اپنی Life and letters
of Grey جو انگریزی سوانح نگاری میں ایک سنگ میل کی
حیثیت رکھتی ہے۔ سترھویں صدی کے آئزک والٹن ہی سے متاثر ہو کر
لکھی ۱۶۶۰ء میں ہی میں والٹن نے سوانح نگاری کے سلسلہ میں خطوط
کی اہمیت اور ادبی حیثیت کو محسوس کیا اور یہ اس کا خیال تھا کہ خطوط
ادبی شخصیت کے انکشاف کا بہترین وسیلہ ہیں لیکن اس کے مزاج میں
نرمی اور چشم پوشی تھی اور اس کی نظر میں انہی خطوط کو آلہ کار بنانا مستحسن
تھا۔ جن کے ذریعہ صاحب سیرت کے مزاج کے اچھے اور دلنشین
پہلو اجاگر ہو سکیں۔

بہر حال مین نے اس تصور سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہ
بات تسلیم کر لی گئی کہ کسی کے حالات زندگی اور کردار کا مرقع تیار کرنے
میں بے تکلف دوستوں کے وہ نجی خطوط جو بغرض اشاعت تحریر نہ
کئے گئے ہوں بے حد کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرز کی تقلید
کا بہترین نمونہ بوسول کی
Life of Dr. Jhonson ہے جو دنیائے ادب کی

Marfat.com

دلچسپ ترین سوانح عمری خیال کی جاتی ہے۔ جو ۱۷۹۱ء میں شائع ہوئی اور بڑی جامع سوانح عمری خیال کی جاتی ہے۔ لیکن برسوں نے یہ سوانح عمری شدتِ احترام اور جذبۂ عقیدت سے اس درجہ مغلوب ہو کر لکھی تھی۔ کہ کارلائل کو اس کے متعلق کہنا پڑا

"Boswell was inspired only by love and the recognition and the vision which love con hehd"

بہرحال برسول کی یہ تصنیف اس درجہ مقبول ہوئی کہ انیسویں صدی کے بیشتر سوانح نگاروں نے اس کو نمونہ بنایا اور کارلائل نے اس پر نکتہ چینی کر کے نئے امکانات اور رجحانات کا راستہ کھول دیا جن میں سے ایک جدید رجحان علم النفس ہے جس کے زیرِ اثر سوانح عمری سیرت نگاری بن گئی۔ جدید تذکرہ نگار کا کام محض اپنے ممدوح کے حالات پر روشنی ڈالنا ہی نہیں۔ بلکہ اس کی شخصیت کو بے نقاب کرنا اور اس کی ذہنی پیچیدگیوں اور ارتقار کا سراغ بھی لگانا ہے۔

دوسرا انقلاب لٹن اسٹریچی کی نگارشات نے پیدا کیا۔ اس نے ان ضخیم سوانح عمریوں کے خلاف آواز اٹھائی جن میں بغیر کسی مرکزی تخیل کے ممدوح کے جملہ حالات کا انبار لگا دیا جاتا تھا۔ اور جو نہ تو قاری کی دلچسپی کا سامان بن سکتی تھیں۔ نہ ہی ان میں صاحبِ تذکرہ کی شخصیت کی عکاسی ہو سکتی تھی۔ لٹن اسٹریچی سیرت نگاری کو ایک

Marfat.com

ایسا آئینہ بنایا چاہتا تھا جس میں پہلا اور روشن عکس صاحب تذکرہ کا ہو اور دوسرے تمام ضمنی واقعات پس منظر کے طور پر اس طرح جھانکتے نظر آئیں گویا شخصیت ان میں سے ابھر کر سامنے آ کھڑی ہو۔

اٹھارھویں صدی نے سوانح نگاری میں خطوط اور آپ بیتی کی اہمیت اور مقام کو متعین اور مستحکم کر دیا۔ ۱۷۲۰ء میں CTUll نے جو لندن کے پڑھے لکھے عوام کے مطالبات اور رجحانات سے بخوبی واقف تھا۔ اور اسے خطوط کی کرامات کا بھی علم تھا۔ تمام نیک نام اور بدنام زمانہ ممتاز شخصیتوں کے خطوط فراہم کئے۔ اس نے بڑی کوشش اور کاوش سے Pope swift Congrave, Jhondry اور وغیرہ کے خطوط جمع کر کے شائع کئے جنھیں عوام نے ذوق شوق سے پڑھا Longaker English Biography of 18th Century میں خطوط کے متعلق کہتا ہے۔

"علم الرجال کے لئے بھی خطوط سے زیادہ بہتر اور کوئی راستہ نہیں۔ خطوط کے ذریعہ انسانی فطرت کی ان سرحدوں میں بے دھڑک داخل ہو سکتے ہیں جن میں سوانح عمری اور آپ بیتی کو اذن باریابی نہیں ملتا۔"

خطوط کی طرح روزنامچوں کا بھی صحیح استعمال اٹھارھویں صدی میں شروع ہوا اگرچہ اس سے قبل Pepys اور Evelyn کے روزنامچے اس بات کے شاہد ہیں کہ اس سے قبل یہ رجحان موجود

Marfat.com

تھا۔ روزناموں کا ادبی سرمایہ بہرحال رومانیت اور ماورائیت کے لئے موزوں نہ تھا۔ اس میں مندرجہ تجربات اور نظریات کسی طرح زندگی کو خیالی اور تصوراتی انداز پر پیش کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ اور بقول Longaker کے

"ایک دیانت داری سے لکھے ہوئے روزنامچے میں
بڑے سے بڑا انانیت پسند بھی گوشت کا انسان رہ
جاتا ہے۔"

روزنامچے میں مصنف نہ صرف اپنی روزمرہ مصروفیات کا انکشاف کرتا ہے۔ بلکہ اپنی انفرادی شخصیت کی سچی تصویر بھی دکھا دیتا ہے۔

Paynne نے Remark on ArchBishopLand میں لکھا ہے۔

"An exact diary is a window into The
heart That maketh it"

روزناموں اور خطوط کے علاوہ آپ بیتیوں کا وجود بھی سترھویں صدی میں موجود تھا۔ لیکن اس کا انداز بھی وہی ماورائی اور رومانی تھا۔ مصنف اپنے متعلقین اور خود اپنے کردار کو ایسا آئیڈیل بنا کر پیش کرتا تھا کہ دنیا ان کو بہترین اور یکتا شخصیت مان سکے۔

"Marchoiness of new اور Margaret Cavandish
Castle"

Marfat.com

کی خود نوشت سوانح عمریاں سترھویں صدی کے مخصوص طرز کی مثالیں ہیں ۔ لیکن رفتہ رفتہ آپ بیتیاں لکھنے والے روز بروز حق بات کہنے میں نڈر اور بے باک ہوتے گئے ۔ ان کی جراَتِ اظہار برابر ارتقائی مراحل طے کرتی رہی ۔ یہاں تک کہ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں خود نوشت سوانح عمریوں کو غلط بیانی اور تصنع واقعات سے مکمل نجات مل گئی ۔

اٹھارھویں صدی کا یہ انقلاب اتفاقاً نہیں آیا نہ اس کے لئے تجدید انقلاب کے کسی نئے عمل کی ضرورت تھی جبکہ سترھویں صدی کے نصف آخر ہی کے نمونوں پر موجودہ سوانح نگاری کی بنیاد رکھی گئی ۔ اور جس طرح ناول نویسی وقت اور زمانے کے ساتھ اپنا چولا بدلتی رہی تھی ۔ اور مذاق عامہ کے ساتھ ساتھ خود کو ڈھال رہی تھی ۔ بالکل اسی طرح سوانح نگاری بھی وقت کے تقاضوں کے دوش بدوش چل رہی تھی ۔

البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ مذاق عامہ اور مصنفین کا رجحان اتنی جلد جلد کیسے آگے بڑھ رہا تھا ۔ دراصل چارلس دوم کے عہد میں انگلستان نے فرانس کو اپنا پیش رو نہ صرف زندگی کے بعض پہلوؤں میں بلکہ ادب کو قبول کیا اور ادب میں اس کی تقلید کو قابل فخر سمجھا جس کی صراحت Longaker نے یوں کی ہے ۔

"The Pranch spirit became more than a brilliant veener on British Institutions,

Marfat.com

It had a perceptible influence on the English mind"

لوئی چہاردہم کے عہد میں فرانس کا نظریہ ادب جس نے انگلستان کے مصنفین پر اتنا زبردست اثر ڈالا حسب ذیل ہے۔

۱۔ ان کو مستقبل اور ماضی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بلکہ انسانی تجربے کی حقیقتوں اور حال سے سروکار تھا۔

۲۔ موہوم تخیل ناقابل قبول تھا۔

۳۔ ادب کی مساعی میں مواد کی ہیئت اور حقیقت ہی سے سروکار رکھا جاتا تھا۔

۴۔ زندگی کے سبق آموز پہلوؤں سے بلاواسطہ تعلق نہ تھا۔ ہر پہلو کو آنکھ کھول کر اور آنکھوں پر سے ہر قسم کے پردے اٹھا کر دیکھا جاتا تھا۔

۵۔ شاہ و گدا میں یکساں انسانی خاصہ اور فطرت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔

۶۔ وہ زندگی پر طنزیہ مسکرانے کے عادی نہ تھے بلکہ زندگی کے حقائق کا دلچسپی اور ہمدردی سے مشاہدہ کرنے کے قائل تھے۔

۷۔ ان کا نظریہ مادی اور دنیاوی تھا زندگی کے ممکن اور ٹھوس پہلوؤں پر نظر رکھتے تھے۔ انگلستان میں اس نئی روح کے اثرات کا نتیجہ سریع اور یقینی تھا۔ یہاں تک کہ مذہبی رہنماؤں نے مذہب

Marfat.com

کو ماورائیت سے نیچے اتار کر سماوی کی بجائے اس کو ارضی حیثیت دی ہے۔

عقل و فہم کو ادب میں اولین درجہ دیا گیا۔ فنون کی تمام صورتوں میں عینیت اور یقین اور حقائق پر ایمان کو ہی اہم ترین مقصد قرار دیا گیا اس صدی کے نصف اول کے اختتام سے قبل ہی کوڈفرے تھورن ہل بارلس جروکس نے انسانے پیش کئے ایسے نہیں جیسا انہیں ہمارے خیال میں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ ایسے جیسے کہ وہ تھے۔ فن تعبیر نے بھی سادہ اور صاف لائحہ اختیار کر لی تھی۔ اور اس میں کلاسزم کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اسی طرح ادب کی مختلف اصناف نے ثابت کر دیا تھا کہ انسان کا مطالعہ انسان ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے حقیقت اور جمالیات ایک دوسرے کے مترادف الفاظ ہو گئے تھے۔ تنگ و تاریک جھونپڑے میں رہنے والے انسانوں کی تشبیہ یا مصوری محلوں میں بسنے والی نرم و نازک دوشیزہ سے زیادہ دلکش اور حسین سمجھی جانے لگی۔ لہلہاتے ہوئے کھیت تاریخی واقعات سے زیادہ قابل اعتنا ہو گئے۔

اس بڑھتی ہوئی حقیقت پسندی میں سوانح نگاری کا نیا اور مستحکم تصور بھی بروئے کار آیا۔ ایسے وقت میں جب کہ ہر صنف ادب میں یہی کوشش کی جا رہی تھی کہ سچائی اور حقیقت کو جگہ دی جائے اور زندگی سے قریب تر اور حقیقی کردار پیش کئے جا رہے تھے تو پھر

Marfat.com

سوانح نگار کیوں نہ شاعروں۔ بادشاہوں اور سپاہیوں کو اپنے تصنیفات میں اسی دنیا کے باسی دکھاتا۔ زندہ اور متحرک جن میں عیوب اور محاسن کا سنگم ہوتا ہے۔

حقیقت پسندی اور راست نگاری کی اس رد کو قہوہ خانوں نے بہت زیادہ تقویت پہنچائی۔ یہ قہوہ خانے اس دور کی زندگی اور تمدن کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہاں سے ہم دور و نزدیک پھیلی ہوئی اور ہر آن نئی کروٹیں لیتی ہوئی زندگی کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ ان قہوہ خانوں میں ہر گوشہ اور طبقے سے لوگ آکر جمع ہوتے۔ یہ ہر مزاج اور ہر مذاق کے انسان ہوتے تھے۔ سنجیدہ علمی باتوں سے لے کر بے پر کی خبریں تک اڑائی جاتیں۔ ہر کس وناکس پہ بے دھڑک خیال آرائیاں اور نکتہ چینیاں کی جاتیں۔ بڑے بڑے اعیان سلطنت کی مخالفت کے باوجود قہوہ خانے اپنا کام کرتے رہے اور بڑے بڑے آدمیوں کو عام انسانوں کی صفوں میں لا لاکر کھڑا کرتے رہے۔ حقیقت پسندی کی اس ایک تحریک نے ڈائریوں خود نوشت سوانح عمریوں۔ مطبوعہ خطوط کتابت اعترافات کیرکٹر اسکیچ اور ناولوں کو واضح اور ادبی شکلوں میں تسلیم کیا اور ان میں اضافہ نے فن سوانح نگاری سے مفروضہ اخلاقی اقدار اور رومانیت کو نکال باہر کیا

یہ ہے انگریزی فن سوانح نگاری کے ارتقائی منازل کی مختصر داستان جو اس نے تقریباً تین سو سال میں طے کیے عجیب بات ہے کہ اردو زبان جس کی پوری زندگی ہی تقریباً اتنی ہے جتنی انگریزی سوانح نگاری کے

۵ Confessions

Marfat.com

ارتقار کا زمانہ اپنی تمام اصناف ادب میں سب سے زیادہ مغرب کی تاریخ اور سوانح نگاری ہی سے متاثر ہوئی ہے۔ کیوں اور کس طرح یہ آئندہ ابواب میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ فی الحال صرف یہ دیکھنا ہے کہ ہماری زبان جو فارسی اور عربی سے مربوط ہے ان زبانوں کی سوانح نگاری سے کس درجہ متاثر ہوئی۔ اور خود ان زبانوں میں اس صنف ادب کا کیا حال تھا

قبل اس کے کہ عربی زبان کے فن سوانح نگاری کا جائزہ لیا جائے یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں اگرچہ عربی اصناف سوانح نگاری کی طرز پر تذکرے اور یادگاریں وغیرہ لکھی گئیں۔ لیکن عربوں کی تحقیق و تدقیق کو اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب اپنی کتاب

"The spirit and Substance of Urdu Prose under the influence of Sir Saiyed Ahmad Khan"

میں فرماتے ہیں کہ • Unfortunately

"Unfortunately the critical methods of investigating truth and the ideal of presenting true portraits which the Arabs knew were rarely adopted by the writers of Persian & Urdu."

اس امر کی وضاحت کے بعد کہ اردو سے قریب تر زبان فارسی کی فن

Confessions ك

Marfat.com

سوانح نگاری نے عربوں کی سوانح نگاریوں سے کوئی خاص تاثر قبول نہیں کیا تفصیلات میں جانا بے کار ہے۔ صرف اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ عربی ادب میں اس صنف ادب کا بیش قیمت اور گراں قدر سرمایہ موجود ہے جس کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے لکھا ہے۔

"یہ سوانح عمریاں نہ صرف مواد کے اعتبار سے اہم اور دلچسپ ہیں بلکہ فنی لحاظ سے بھی حسین و دلکش ہیں۔"

عربی زبان کی زیادہ قابل اعتماد سوانح عمریاں وہ ہیں جو سیرت رسول پر لکھنے والوں کے انداز سے متاثر ہوئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگار ایک طرف تو تفصیلی جزئیات قلم بند کرتے تھے دوسری طرف روایتوں کی صحت کا بڑا خیال رکھتے تھے اس سلسلہ میں خود راوی کے حالات اور کردار کا بھی جائزہ لیتے تھے۔ ان کے علاوہ خلفاء وزراء سفیروں اور فوجی افسروں کے حالات بھی لکھے گئے ہیں لیکن ان سب کی بنا محض روایت پر ہے۔ کسی شاعر یا ادیب کی کوئی معیاری سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ تاہم عربی سوانح عمریوں میں اعلیٰ سوانح عمری کے بہت سے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک عنصر نجی جزئیات کی فراہمی ہے۔ جن میں سے امور خانہ ذہن رکھنے والے عموماً گریز کرتے تھے یہاں بھی سیرت رسول کے انداز نے بڑا فائدہ پہنچایا۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے عام حالات اور امور اندرون خانہ کی زندگی کی ہر ہر بات کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس سے وہ حجاب تو دور ہو جاتا ہے جو عظیم

Marfat.com

شخصیتوں کی خلوت اور جلوت کے درمیان پڑا رہتا ہے۔ تقریباً چار صدیوں تک سوانح عمری کا یہ تصور عربی ادب پر چھایا رہا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سلطانی اور ملوکیت کے اثر سے انسان کی زندگی کے دو دائرے مقرر ہوتے گئے جلوت اور خلوت اسی طرح عام انسان اور بادشاہ دو الگ قسم کی مخلوق قرار پائیں اس لئے "انسان" اور انسانیت سوانح عمری کے موضوع سے خارج ہوتے گئے۔ فارسی بھی اسی سے متاثر ہوئی۔ قدیم عربی۔ فارسی سوانحی ادب میں اہل علم و ادب کو بڑی جگہ حاصل ہوئی۔ ان کے تذکروں اور سوانح عمریوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اسی طرح اولیاء و صلحاء کے مناقب کا سرمایہ بھی کچھ کم نہیں۔ عربی میں ان سے الگ بھی کئی شاخیں ہیں مثلاً مجانین کے تذکرے، ظرفا بخلا۔ اندھے عالموں کے تذکرے اسی طرح زندگی کی نگارگی بہت سی اور صورتوں میں بھی منعکس ہوئی۔ ان میں افراد کی زندگیاں بھی ہیں اور طبقات کی سوانح عمریاں بھی (جو لازماً مختصر تھیں) مگر فارسی میں یہ ذخیرے موجود نہیں۔ قدیم ادب میں سوانح عمریوں کی کئی صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے

سیرت — یہ حضرت رسول اکرمؐ کی حیات پاک کا ایک خاص نصاب ہے جو حدیث کے طریقے سے مرتب ہوتا ہے (عربی زبان میں اس کی بہترین مثالیں ملتی ہیں) بعد میں سیرت پر عام سوانح عمریاں بھی لکھی گئیں۔

Marfat.com

مغازی یہ بھی حیات پاک کا ایک رخ ہے۔ اس میں آپؐ کے غزوات اور جنگوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔

طبقات یہ تذکرہ کے قسم کی تدوین تھی۔ جس میں زمانی مکانی بنیادوں پر مختلف طبقات کے تذکرے درج ہوتے تھے۔

معجم اس میں طبقات کے مختصر حالات حروف تہجی کی قید سے درج کئے جاتے تھے۔

مناقب اولیار یا دوسرے اعاظم رجال کی سوانح عمریاں مدحیہ انداز میں۔

ملفوظات و اقوال کے نام سے بعض اوقات اولیار یا دوسرے بڑے لوگوں کی زندگی کے بعض رخ پیش کر دیئے جاتے تھے۔

یادگار سوانح عمری کا مدحیہ انداز

حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے میں افراد سے زیادہ مصنفوں کی جماعتوں یا طبقوں کی سوانح نگاری کی طرف توجہ ہوتی۔ افراد کی سوانح عمریاں کم ہیں اور جو ہیں ناقص ہیں۔ البتہ طبقوں اور گروہوں کے سوانح بہت ملتے ہیں ان میں سب سے زیادہ تذکروں کو فروغ ہوا۔ یہ تذکرے صرف شاعروں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اس صنف میں سلاطین امرا، علمار، اولیار، صفیار، اور اس طرح کے دوسرے طبقے بھی شامل ہیں۔

Marfat.com

افراد کی سوانح عمریوں میں یادگاری خصوصیات غالب ہوتی تھیں۔ اور سوانح عمری لکھنے کا ہی مقصد یہ ہوتا تھا کہ کسی خاص شخص کی تعریف کی جائے۔ حالی کے زمانے میں اصلاحی مقصد پیش نظر تھا۔ مگر حالی سے قبل اصلاحی مقصد بھی مدنظر نہ ہوتا تھا۔ یا منقبت یا پھر یادگار۔ اس سے زیادہ سوانح عمری سے کچھ مطلوب نہ تھا۔

تذکروں میں۔ جو سوانح نگاری کے صرف ایک پہلو اور ایک نوع کی نمائندگی کرتے ہیں، اچھی سوانح عمریوں کے ایک دو عناصر ضرور ملتے ہیں بعض اوقات ان میں زندگی کے اچھے اچھے مرقعے تیار ہو جاتے تھے۔ اور ہم ان کے ذریعے بڑی بڑی شخصیتوں کے ظاہر و باطن سے اچھی واقفیت بہم پہونچا سکتے ہیں۔ مگر تذکرے بہرحال تذکرے ہیں۔ سوانح عمریاں نہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

قدیم سوانحی ادب کا نقطۂ نظر سراپا تاریخی تھا۔ سوانح عمری کا مورخانہ رنگ ہماری ادبیات میں عرصے تک غالب رہا ہے۔ اس میں قدرتاً صداقت اور حقیقت کی تلاش ہوتی تھی۔ مگر صرف نمایاں واقعات کی تلاش تک محدود تھی۔ جذبات اور بشری تفصیلات کی جستجو ان سوانح نگاروں کے پیش نظر نہ تھی۔ مورخانہ سوانح عمریوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر قدیم سوانح میں خیالی اور عقیدتی عناصر کی بھرمار ہے جن میں نہ واقعات ہیں نہ صداقت کی کوئی جستجو ہے ان میں عام قصے روایتیں کہانیاں

Marfat.com

ملفوظات و اقوال سب کچھ ہے مگر حیات کی ہوبہو تصویر کہیں بھی نہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہہ دینا شاید غلط نہ ہوگا کہ مغرب کی طرح حقیقی بیوگرافی مشرق میں بھی بہت دیر سے نمودار ہوئی اور شاید یہ بھی غلط نہیں کہ اس کا فروغ مغربی ادب کے زیر اثر ہی ہوا ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

اردو سوانح نگاری حالی سے پہلے

کسی زبان کا ادب اور اس کی اصناف کا فنکارانہ اور صناعانہ ارتقار بہت کچھ بلکہ تمام تر اس کے گرد و پیش اور ماحول پر منحصر ہوتا ہے۔ کسی سماج میں جتنے صحت مند عناصر پائے جائیں گے اتنی ہی صحت مند اور بنی سنواری اصناف ادب کی بھی تخلیق ہوگی۔ ماحول اور اقتصادی حالات جس قدر پرسکون مگر زندہ اور متحرک ہوں گے اسی قدر سلجھا ہوا اور جمالیاتی ادب ظہور پذیر ہوگا۔ لیکن جب زندگی میں انتشار ہوتا ہے۔ اس کے ارتقار اور معیاروں میں جمود اور پستی کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں تو یہ انتشار سب سے پہلے ادب میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ ادب کی جڑیں سماج ہی میں پیوست ہوتی ہیں۔ اور سماج ہی کے ذہن۔

Marfat.com

اس کی آبیاری کرتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ دنیا کی سب سے کم سن زبان اردو جس کا موجودہ ادبی ارتقار اپنے سن و سال کے اعتبار سے ایک معجزے سے کم نہیں کہا جاسکتا کچھ ایسے ہی ناسازگار حالات میں وجود میں آئی اور پروان چڑھتی رہی جو کسی زندہ ادب کے تنزل اور ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی اس قدر کم عرصہ میں حیرت انگیز ترقی کے باوجود اس کی بعض اصناف بہت پسماندہ نظر آتی ہیں۔ اور اس نے اس دور میں بھی وہ خاطر خواہ ترقی نہ کی جو زندہ زبانوں کا حصہ ہے۔ ان پسماندہ اصناف میں سیرت نگاری اور سوانح نگاری بھی ہے۔ اور یہ شاید اس جدت و ترقی کے دور میں بھی ہمارے ادب کا بہت کمزور پہلو ہے۔ اردو کو اگرچہ عربی کے توسط سے سیرت نگاری کا بڑا اچھا میدان ملا تھا کیونکہ اہل عرب اس فن میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔ اور مشرق میں علم الرجال کی مختلف صورتیں اور شاخیں موجود تھیں۔ مثلاً سیرت مغازی، طبقات، تذکرہ۔ حیات۔ مناقب۔ تراجم۔ یادگار اقوال۔ ملفوظات وغیرہ وغیرہ پھر سیرت ایک خاص معنی میں بڑی ہی ترقی یافتہ اور تحقیقی شعبہ بن گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے اس سلسلہ میں بڑی توجہ اور تحقیق سے کام لیا۔ نہ صرف رسول مقبولؐ کی سوانح حیات اور واقعات کے سلسلہ میں چھان بین کی گئی۔ بلکہ راویان احادیث اور صاحب سوانح کے حالات زندگی خاندان

Marfat.com

علمیت۔ کردار اور پیشہ کے بارے میں بھی بڑی چھان بین سے کام لیا گیا۔ اور صداقت اور سچائی تک پہنچنے کے لیے حقیقی کوشش عمل میں آئی۔ جس کی بنا روایت و درایت۔ جرح و تعدیل پر رکھی گئی لیکن ساتھ ہی سیرت کے ساتھ چند خصوصیات بھی وابستہ ہو گئیں۔ چونکہ عام طور پر سیرت سے مراد محض رسول اکرمؐ کے سوانح حیات ہی لیے گئے اور آپ کی ذات کو خطا اور تقصیر سے مبرا ٹھہرایا گیا ہے۔ پیغمبر خصوصاً نبی آخر الزماں انسانی اوصاف کا مکمل ترین نمونہ مانے گئے ہیں اور ان سیرت نگاری لازماً انسانی فطرت کا ایک ہی پہلو پیش کرتی ہے۔ یعنی حسن سیرت اور حسن عمل۔ بہرحال ہمارے مورخوں اور سوانح نگاروں کا محبوب اور پسندیدہ موضوع سیرت نگاری رہا ہے۔ لیکن ہمارے قدیم سیرت نگاروں نے سیرت اور سوانح کے فنی پہلوؤں پر کبھی توجہ نہیں دی۔ جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہماری پوری تہذیب اور تمدن کی طرح ہماری زبان نے بھی فارسی ادب کی ریزہ چینی کی ہے۔ اور فارسی کی تخیل آفرینی اس واقعیت کی متحمل نہ ہو سکی۔ جو فن سوانح نگاری کی اولین شرط ہے اور اہل اردو نے جب فارسی کی تقلید کی اور پیروی کو لازم ٹھہرایا تو یہی کی طرح دوسری اصناف ادب اعلیٰ درجہ کی شاعری اور انشاء پردازی کی طرف تو توجہ دی۔ لیکن اس فن کو قطعی ناقابل اعتنا سمجھا اور یکسر نظر انداز کر دیا۔ البتہ جب تک فارسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا تھا اور اپنی ہی اپج اور صلاحیتوں سے کام لے رہے تھے۔ اس وقت اس

Marfat.com

نمی گئی بلکہ ایسے نمونے بن جاتے ہیں ۔جن کی بنیادوں پر متاخرین چاہتے تو فلک بوس عمارتیں تعمیر کر سکتے تھے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اردو کی نظم و نثر دونوں ہی کے سلسلے میں دکن کو اولیت کا فخر حاصل ہے ۔لیکن ہماری حیرت اور تعجب کی انتہا نہیں رہتی ۔جب ہم دیکھتے ہیں کہ کردار نگاری اور سوانح نگاری اور سوانح کے اولین نقوش بھی دکن ہی میں ڈالے گئے سترھویں صدی عیسوی میں گولکنڈہ اور بیجاپور کی دکنی ریاستوں کی زیر سرپرستی اردو ادب کے اولین لیکن اعلیٰ اور پختہ نقوش ڈالے گئے ۔قلی قطب شاہ ۔وجہی ۔نصرتی ۔غواصی اور ابن نشاطی کے نام اردو ادب میں اس لئے فراموش نہیں کئے جا سکتے کہ انھوں نے مختلف اصناف ادب پر قلم اٹھا کر اس نومولود لیکن ہونہار زبان کے وسیع اور لامحدود امکانات کی طرف اشارہ کیا ۔ہم دیکھتے ہیں کہ نصرتی کو شخصیت نگاری سے ایک خاص دلچسپی اور گہرا لگاؤ ہے ۔اور وہ اس فن پر خاصی قدرت بھی رکھتا ہے اس نے اپنے باپ کے مزاج اور عادات و خصائل کا بڑا دلچسپ اور واضح نقشہ کھینچا ہے اور چند ابیات میں اپنے باپ کے پیشے عقائد اور عادات کا بڑا مجمل بیان یوں دیا ہے ۔

جو تھا منج پدر یک شجاعت آب قدیم یک سلحدار جم رکاب
اوشہ کام پر زندگانی سنے کمر بستہ تھا جا لنثا نی منے
بن جائے جنم ایک نائیک کام ایسی زندگی میں کیا خوب کام
نظر دھر کے منج تربیت میں سدا رکھیا تیں منج ا لیستے کر جدا

Marfat.com

سکھ مجے تھے جانے دن لس منے   بھرے لے بزرگاں کے مجلس منے

مندرجہ بالا ابیات سے ظاہر ہوتا ہے ۔

۱ ۔ نصرتی کے باپ دادا مسلمان سپاہی تھے ۔

۲ ۔ خواجہ بندہ نواز کے دل سے معتقد تھے ۔

۳ ۔ اس کا باپ شاہی فوج میں سلحہ داری کے عہدہ پر مامور تھا ۔

علاوہ ازیں نصرتی ان چند قدیم شاعروں میں سے ہے جنہوں نے اپنی زندگی کے کچھ حالات چھوڑے ہیں ۔ گلشن عشق میں عنوان جب حال خود کے تحت اس نے صاف صاف اپنے باپ کے اوصاف و عادات اپنے بچپن کی تعلیم و تربیت اور ذوق شاعری سے لگاؤ کا حال قلم بند کیا ہے اسی نے اسی مثنوی میں اپنی جوانی شہزادہ علی سے قریب اور یگانگت کا حال بیان کیا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ اپنے مذہبی عقائد اور ان پر پابندی ۔ اپنے دوستوں کے نام سب کی تفصیل دی ہے ۔ اس سے بھی بڑھ کر اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کیا ہے ۔ اور یہ بھی فخر کیا ہے باوجود اپنے گناہوں کے مذہبی فرائض کی ادائیگی سے غافل نہیں رہا ۔ اسی طرح اس کے ان افکار اور قصائد سے چند نتائج اور بھی اخذ کئے گئے ہیں جو خالصتہً اس کی نجی اور خانگی زندگی سے متعلق ہیں ۔ ہم پر باآسانی اس امر کا انکشاف ہوجاتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اس کی دربار ی زندگی شاندار تھی ۔ لیکن وہ اپنی خانگی زندگی سے مطمئن نہ تھا ۔ مثلاً اس کے کلام سے ان چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے ۔

Marfat.com

۲۔ اس کا لڑکا بے حد شریر تھا۔ اکثر بھاگ جایا کرتا تھا۔ اور اپنے باپ کی چیزیں بیچ دیتا تھا۔

۲۔ اس کا مکان مختصر اور غیر آرام دہ تھا۔ جس میں بارش کے زمانے میں سخت وقت کا سامنا ہوتا تھا۔ اور بہت کم سامان تھا مکان ٹپکنے اور گرنے کا بیان میر صاحب کے گھر کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔

۳۔ اس کے ہمسائے ادنیٰ درجہ کے اوباش لوگ تھے جو ہمیشہ فساد برپا رکھتے تھے اور اس کو سکون نہیں ملتا تھا۔

غرض کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کس طرح ایک قادر الکلام اور باکمال شاعر چھوٹی چھوٹی بے حقیقت باتوں سے اسی طرح متاثر ہے جس طرح دوسرے عام لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے دل کی دنیا میں بھی دکھ اور سکھ کی وہی دھوپ چھاؤں ہے جو اور لوگوں کو بے چین اور کبھی مسرور کرتی رہتی ہے

اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دکنی تاجدار کے پسندیدہ اور منہ چڑھے شاعر کو بھی اپنے بدطینت ہمسایوں کی بدولت چین نہیں ملتا اس کے پہلو میں بھی ایک باپ کا دل دھڑک رہا ہے جو اپنے بیٹے کی بے اعتنائیوں اور بداعمالیوں پر چیخ اٹھتا ہے۔ تو ہمیں ایک انجانی مسرت اور نامعلوم سا اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے کی دنیا میں سانس لینے والا یہ شاعر ایک مکمل اور جیتے

Marfat.com

جاگتے انسان کی تشکل میں ہمارے بہت نزدیک گھڑا ہے بنصرتی کی شخصیت نگاری اور سوانح نگاری کا اس سے بھی واضح اور مکمل نقش علی نامہ میں ملتا ہے۔ اس میں نصرتی نے اپنے مخدوم اور محسن علی عادل شاہ ثانی کے حالات و سوانح قلم بند کئے ہیں۔

علی نامہ کا انداز تقریباً وہی ہے جو زمنہ قدیم میں رومیوں اور یونانیوں کا تھا۔ یا سترھویں صدی کے انگریزی ادب میں سوانح نگاری کا تصور تھا یعنی مورخانہ اور باورچی عجب اتفاق ہے کہ علی نامہ بھی سترھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا۔ اور اس میں وہی روح عصر پائی جاتی ہے نصرتی نے اس منظوم سوانح عمری میں تاریخی پس منظر کو بڑی خوبی اور سلیقہ سے پیش کیا ہے۔ اور حالات کے ضمن میں دکن کے پورے ماحول سیاسی حالات سازشوں کی گرم بازاری کا نقشہ اس چابک دستی سے کھینچا ہے کہ قاری کے ذہن میں وہ پورا پس منظر آجاتا ہے۔ جس میں علی عادل شاہ کو ان تمام مشکلات کا سامنا اور مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ جو شیواجی کی سرکشی اور فتنہ انگیزی زمین داروں کی بغاوت اور مغلوں کے پے درپے حملوں کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ لیکن باوجود اس مورخانہ اور خارجی انداز کے ہم اس کو علی عادل شاہ کی مکمل سوانح عمری کہہ سکتے ہیں۔ اس میں سوانح نگار نے کہیں بھی تاریخی صداقت اور ترتیب سے تجاوز نہیں کیا۔ صداقت اور تخیل کے تانے بانے سے صاحب سوانح کو ایک زندہ اور جاذب شخصیت بنادیا ہے۔ علی عادل شاہ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں میں بڑی خوبی سے

Marfat.com

روشنی ڈالی ہے۔ اپنی شجاعت تدبیر اور دور اندیشوں کے ساتھ وہ ایک محبوب اور دلنواز شخصیت معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے جستہ جستہ اشعار ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اشعار اپنے مصنف کے سوانح نگارانہ رجحان کی شہادت دیتے ہیں۔ واقفیت۔ تاریخی صداقت۔ شخصیت کے بارے میں محاکمہ کرتے وقت غیر جانب دار اور غیر جذباتی رہنا یہ سب ایک کامیاب سوانح نگار کے اوصاف ہیں۔

نصرتی کے علاوہ دکنی مخطوطات میں ایک اور سوانحی انداز کی مثنوی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ مثنوی "فتوحات نامہ" ہے اس کا مصنف روی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم میں بھی ہے۔ یہ مخطوطہ بلوم ہارٹ کی کیٹیلاگ مرتب ہونے کے بعد میوزیم میں داخل ہوا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کی جا سکتی۔ یورپ کی کسی دوسری کیٹیلاگ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۰۹۶ھ ہے جس کا ذکر مصنف نے بھی کیا ہے

اتھے سو اگیارا اکیلی اس پو نو ہو ختم یو نسخہ نغز یو

سید حسین شاہ ذوقی عہد اورنگ زیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو اپنی شاعری پر ناز ہے۔ خود کو نصرتی سے بلند مرتبہ اور اپنی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے سحبان اور حسان ہند تصور کرتے ہیں چنانچہ "فتوحات نامے" میں ایک جگہ نصرتی کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنا مرتبہ جتاتے ہیں کہ

اتھا نصرتی ہر چہ دکھنی میں فرد ہوئے مثنوی سوں میری زرد

Marfat.com

اس مثنوی کی نہ تو تفصیلات ملتی ہیں اور نہ وہ اشعار ہاشمی صاحب نے درج کئے ہیں۔ جو خاص غوث اعظم کے حالات وکرامات سے تعلق رکھتے تھے اس کے بارے میں بس یہی معلوم ہو سکا ہے کہ اس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات زندگی اور کرامات بیان کی گئی ہیں۔ اس مثنوی میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کی ابتدا حمد و نعت سے نہیں ہوئی۔ بسم اللہ کے بعد ہی مدح شیخ ہے اور اس کے بعد مختلف عنوانات اور حکایات کے تحت بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی کہ اس میں کس درجہ سوانحی عناصر پائے جاتے ہیں۔

دراصل گلشن عشق۔ علی نامہ۔ یا غوث نامہ کو سوانح یا سیرت نگاری سے منسوب کرنا نہ صرف خوش فہمی ہے بلکہ فاش غلطی ہے البتہ ان سے اتنا اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ اردو کے ابتدائی دور میں کس درجہ سوانح نگاری کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گیارھویں صدی ہجری یا سترھویں صدی عیسوی میں اردو زبان اس قابل ہو چکی تھی کہ وہ شخصیت نگاری اور سوانح نگاری کے جستہ جستہ مثنویوں اور منظوم صورتوں میں کیا ہے۔ بارھویں صدی ہجری میں بھی دکن میں ہم کو زیادہ ترتیب یافتہ تصور اور عناصر ملتے ہیں ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اپنی مرتبہ تذکرہ اردو مخطوطات " میں۔ باقاعدہ تاریخ و سیرت و مناقب کے عنوان سے ان مخطوطات کی فہرست

Marfat.com

درج کی ہے۔ جن میں کچھ تو حالات و مناقب رسول کریمؐ سے متعلق ہیں۔ اور کچھ آل و اصحاب ہی سے ہیں ان کے علاوہ محبوب سبحانی اور دوسرے بزرگان دین کے حالات اور پھر سلاطین و امرار کے حالات و واقعات بھی ہیں جن میں قصائد اور ہجویہ نظموں کو بھی شامل کیا ہے۔

مذکورہ فہرست میں درج کی ہوئی کتابوں میں مولود نامہ عبدالملک سنہ تصنیف کے لحاظ سے قدیم ترین کتاب معلوم ہوتی ہے یہ ۱۰۰۹ ہجری میں لکھی گئی ہے۔ زبان پر گجراتی کا اثر نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے سیرت نگاری میں احادیث اور اقوال کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا ہے۔ اور انہی کی مدد سے یہ مولود نامہ تیار کیا ہے۔ کہتے ہیں

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں آثار
سن کر اسے کچھ خبر کر جو تجھ دیا پروردگار

اس کے علاوہ دریا نامی ایک مصنف کے دو وفات نامہ سرور کائناتؐ بھی ملتے ہیں۔ دونوں کا سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ ہے۔ ایک وفات نامہ سرور کائناتؐ ۱۵۱۵ ابیات پر مشتمل ایک مثنوی ہے جس کا مصنف امالی ہے اور سنہ تصنیف ۱۱۴۰ ہجری ہے

حضور رسول کریمؐ کے سراپا اخلاق و عادات کے اوپر ایک رسالہ شمائل نبیؐ ۱۱۵۰ ہجری میں عبدالحمید ترین نے پشتو کے ایک مصنف اخوند رو بزانی کے رسالے سے ترجمہ کیا ہے۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں ایک اور ناقص الطرفین مثنوی کا ذکر ہے جس کا مصنف اور سنہ تصنیف کا علم نہ ہو سکا البتہ کاغذ اور کتابت کے لحاظ سے قیاس کیا گیا ہے کہ ۱۲۵۰ھ ہجری سے قبل کا نسخہ ہے۔ اس حضرتؐ کے ابتدائی حالات زندگی اور دائی حلیمہ کا آپؐ پر پروانہ وار نثار ہونا مذکور ہے۔ اور معجزہ شق صدر تک حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کی زبان سادہ اور دلنشین ہے اور اس مثنوی کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی اور آج بھی جبکہ بادی دنیا کے بڑے بڑے بارونق شہروں کی کشادہ اور خاموش سڑکوں۔ آرام دہ کوٹھیوں اور مکانوں کے رہنے والے اس کے نام ونشان سے بھی واقف نہیں۔ پیلے پیلے کاغذ پر چھپا ہوا قصہ۔ دائی حلیمہ شہر کے پسماندہ علاقوں کی تنگ و تاریک گلیوں کے چھوٹے چھوٹے شکستہ گھروں میں بسنے والی بھولی بھالی اور معصوم عقیدت رکھنے والی بڑی بوڑھیوں کے جزدانوں میں مختلف دعاؤں اور میلادوں کی کتابوں کے درمیان چھپا رکھا ہوتا ہے۔ اور فرصت کے اوقات میں یہ سادہ لوح بڑی بوڑھیاں مل مل کر بڑی سادہ اور پُردرد لے میں پڑھتی ہیں۔

گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار — جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کر بیٹھتی ہے ساختہ شور — چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور

اور پھر اپنے میلے اور زرد دوپٹوں میں حسن عقیدت کے جھلملاتے آنسوؤں کو جذب کرتے کرتے اس اختتام پر آپہنچی ہیں۔

Marfat.com

جان جائے میرا جانی بچ جائے　　وہ میرا یوسف ثانی بچ جائے
گھر سے پیکے سلامت جاؤں　　آمنہ کی میں امانت پاؤں

اس دور کی ان دکھنی مثنویوں کے علاوہ جن میں کہ سوانح نگارانہ عناصر پائے جاتے ہیں اور اسی نوع کی دوسری مثنویوں کے علاوہ اردو ادب میں خصوصاً شمالی ہند میں اس انداز کی نظم ونثر کا کوئی نمونہ نہیں ملتا اور اس میدان میں یکسر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ اسی جرم و خطا پر اردو ادب کو اس کے بعض نقادوں نے ہدف ملامت بنایا ہے اور یہ اعتراض اور تاسف بالکل صحیح ہے کہ ہمارے قدیم ادب میں شاعری اور شاعری میں بھی غزل کے علاوہ کسی دوسری صنف ادب میں کوئی ایسا تخلیقی کارنامہ نہیں ملتا جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکیں۔ لیکن اگر بہ نظر غور اور انصاف دیکھا جائے تو اس میں نہ تو ہماری زبان کی تقصیر ہے نہ ایک حد تک شاعروں اور ادیبوں کی خطا ہے۔ بلکہ ایک خاص ماحول اور سیاسی ابتری کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک معلوم ہوا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دکنی دور کے بعد اردو کو کبھی سازگار سیاسی فضا نصیب نہیں ہو سکی۔ دکن میں قطب شاہی عہد اور اس کے کچھ بعد کا زمانہ ہی ایسا زمانہ ہے جس میں ہمیں اردو ادب و شعر میں حقیقی سکون اور مسرت کے آثار ملتے ہیں۔ اور اس کے بعد سے لے کر عالمگیر کے زمانے تک گم کم اور عالمگیر کے بعد سے تو عام ابتری اور افراتفری کا زمانہ ہے جو نومولود اردو شعر و ادب کو ملتا ہے۔ ایک

Marfat.com

طرف تو سیاسی ابتری تھی ۔ دوسری طرف انحطاط پذیر عیش و عشرت روز بروز نحوست سے قریب تر لے جا رہی تھی ۔ یہاں تک کہ محمد شاہ رنگیلے کی فاقہ مستیاں رنگ لائیں اور ۱۷۳۹ عیسوی ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہی حملہ ہوا ۔ ملک کی بساطِ سیاست ہر آن الٹی جاتی اور بچھائی جاتی تھی دو شخصوں کی خاطر چند ہزار انسان لڑتے ایک فاتح ہو جاتا ۔ دوسرا مفتوح بظاہر کہانی ختم ہو جاتی لیکن درحقیقت لاکھوں کہانیاں ادھوری رہ جاتیں اس شکست و فتح کو بے گانہ انسان دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ۔ ان کا کاروانِ حیات بار بار لٹ جاتا ۔ ان کے نصب العین اُن کے آدرش کہیں دور جا چھپتے اور زندگی ان سے بار بار روٹھ جاتی وہ زندگی کو منانے مناتے تھک جاتے ۔ محض جینے کے خاطر جیتے اور کچھ سوچنے سے بھی ڈرتے ۔ حساس اور باشعور دماغ اور ذہن پیدا ہونے ہی رہتے ہیں وہ پیدا ہوتے رہے ۔ لیکن اس کا مداوا ان کے بس کی بات نہ تھی ۔ سچ پوچھیے تو مصائب و آلام نے اس خلش کی نوعیت کو سمجھنے کی بھی صلاحیت چھین لی تھی ۔ چنانچہ وہ اس بے سکونی اور اضطراب کو محض وردِ عشق کا نام دے کر اسی کا اظہار کرتے ۔ ان کو صرف ہجر و فراق کی بیتابیوں کے اظہار ہی میں سکون ملتا ۔ حساس اور گہرے شعور کا مالک زندگی کی حقیقتوں سے ڈرا اور سہما ہوا ۔

محض شاعر ہی بن سکتا تھا ۔ جو عشق کے پر سوز اور گداز واردات قلبیہ کی آڑ لے کر مسائل تصوف کے دامن میں پناہ ڈھونڈھ لیتا ہی

Marfat.com

زندگی کی تعزیت کرتا تھا۔ چنانچہ اردو کے اہل قلم اور باشعور شخصیتیں ایک سوگوار فضا اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹکریں مارتی رہیں ادب اور زندگی کا چشمہ سوکھتا گیا اور غزل پھولتی پھلتی رہی کیونکہ غزل کا خاص موضوع عشق و محبت کے جذبات کی سرگرمی اور لپک ہے یا پھر تصوف اس دور میں میر کی سوگوار آہ سنائی دیتی ہے۔ میر درد کا تصوف ملتا ہے سودا کی مسکراہٹوں میں بھی آنسو جھانکتے ہوئے ہیں۔ اور ان کے قصائد کے شگفتہ انداز کے باوجود ان کے شہر آشوب میں اس گہرے اور بے پناہ درد کا احساس ملتا ہے جو آگے چل کر ان کا چڑچڑا پن بن گیا۔ اسی طرح ہم ۱۷۵۷ء میں پہونچتے ہیں انگریزوں کے قدم پلاسی کا معرکہ سر کر کے بنگال میں جم جاتے ہیں اور شاہ عالم سے بہار کا صوبہ خرید کر الہ آباد سے بنگال و آسام تک اپنی حکومت کی توسیع کر لیتے ہیں غرض اس تھا۔ ان حالات اور شام و سحر میں انتشار ایسا رچا ہوا تھا کہ اس کے اندر کسی منظم اور سنجیدہ ادب کا پھولنا پھلنا ممکن ہی نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک دور اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس دور کے معیار اور آدرش ٹوٹ رہے تھے۔ اور کون نہیں جانتا جب کوئی منفی شے وجود مثبت کی شکل اختیار کرتی ہے تو تخلیق عمل میں آتی ہے۔ اور ہر چیز اس نئے جسم کا استقبال کرنے کے لئے کوئی ہدیہ اور نذرانہ پیش کرتی ہے۔ مگر جب وجود مثبت کی نفی ہوتی ہے تو ایک جمود اور سکوت کی کیفیت ہوتی ہے۔ ہر چیز کسی بات کی منتظر اور ٹھہری ہوئی نظر

Marfat.com

آتی ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں سوانح نگاری جیسی سنجیدہ اور منظم صنف ادب کی باقاعدہ تلاش سعی لاحاصل معلوم ہوتی ہے جس کے لئے مصنف کا انتشار ذہنی۔ نفرت یا شدت کم رقابتی کا حکم رکھتا ہے۔ البتہ اس دور میں ہمیں چند غیر شعوری کوشش ضرور ملتی ہیں۔ اور شمالی ہند میں بھی یہ غیر شعوری کوششیں منظوم خصوصاً جن میں سے ایک غیر شعوری کوشش مرثیہ نگاری ہے۔ شہدائے کربلا کے مرثیوں میں جو ان کی بلندی کردار عزم و استقلال اور حوصلہ مندی نیک مقاصد ان کے مشن کی عظمت پر بڑے فنکارانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر ان کے مصائب اور ہر نوع کے رنج و الم کی جذبات نگاری۔ اگرچہ کسی شعوری تخصیت اور سیرت نگاری سے منسوب نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ شہید اعظم اور ان کے رفقار کے حضور میں پیش کئے ہوئے ان نذرانہ ہائے عقیدت و محبت میں سیرت اور کردار کے زبردست اور غیر فانی عناصر موجود ہیں۔ میر انیس نے مرثیہ کو ایک عظیم اور مقبول ترین صنف بنا دیا اور ان کے بعد اس کے موضوع کو زیادہ وسعت دی گئی غالب چکبست و حالی نے بڑے معرکے کے مرثیے لکھے ہیں۔ جن میں سیرت نگاری حقیقت پسندی اور نفسیاتی اثر انگیزی زیادہ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ کیونکہ شہدائے کربلا کے مراثی میں وزن اور بحر عقیدت اور حصول ثواب کے پیش نظر شخصیت نگاری کو زیادہ حقیقی بنانے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح مختلف ادبائے کرام کے طریق ہائے

Marfat.com

حاجت امداد اللہ کے اور اعادہ وظائف کے ذکر میں ضمنی طور پر ان کی زندگی اور طور و طریقہ کا بھی بیان ہے اور اسی طرح انہی کتابوں میں سیرت نگاری کی اولین بنیادیں مل جاتی ہیں اور اس طرح ہمارے لکھنے والے غیر شعوری طور پر سوانح نگاری کی داغ بیل ڈالتے جا رہے تھے اور سیرت اور شخصیت نگاری کا وہ بیج جو ابتدا ہی سے اردو کے بنجر زمین میں ڈال دیا گیا۔ اب آہستہ آہستہ اس میں انکھوا پھوٹ رہا تھا۔ بلکہ اب وہ برگ و بار لا رہا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شمالی ہند میں تذکروں کا ایک سلسلہ ہے جس سے ہم اردو شعراء کے نام ان کے کلام اور ان کے مذاق شعری کا ایک خفیف سا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مشہور فرنچ مستشرق گارساں دتاسی نے اپنے ایک خطبہ میں ان تذکروں پر جہاں تک اس کی معلومات نے ساتھ دیا ہے۔ تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

> ۔ اہل ایران اور ان کے تتبع میں ہندی مسلمان سوانح (خاص کر ہم عصر لوگوں کے سوانح) لکھنے کے بہت شوقین تھے۔

۔ اور جیسا کہ ہمارے ہاں کا حال ہے ان میں صرف تاریخ وفات مفقود نظر آتی ہے۔ لیکن یہ تذکرے تجارتی مفاد کے ادب کا اہم جزو ہیں۔ ان تذکروں میں مشہور مولفین اور دوستوں کی مدح

Marfat.com

سرائی دل کھول کے کی جاتی ہے اور اس حیلے سے انھیں اپنی فصاحت اور بلاغت اور انشار پردازی دکھانے کا خوب موقع ملتا ہے اور عمدہ اشعار انتخاب کر کے اپنے ذوق سلیم کا اظہار کرتے ہیں۔

(خطبات گارساں دتاسی صفحہ ۵۵)

۲۔ گارساں دتاسی کے اس بیان کی روشنی میں یہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان تذکروں کے لکھنے کا مقصد سوانح نگاری نہ تھا بلکہ لکھنے والوں کے پیش نظر دو باتیں تھیں اول تو اپنی فصاحت اور بلاغت دکھانے اور انشا پردازی کا اظہار دوئم یہ کہ شعرار اپنی بیاضیں رکھتے تھے جن میں ہمعصر شعرار کے نمونہ ہائے کلام کے ساتھ ساتھ اپنی رائے اور پسند کا اظہار بھی کر دیتے تھے اور اس ضمن میں کبھی کبھی ایک آدھ سطر یا چند الفاظ شاعر کی ذات کے متعلق بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تذکرہ نگاروں کے پیش نظر محض اپنی ذاتی یادداشت اور اپنی خوش وقتی تھی ان کو نہ تو اس شاعر کی ذات سے دلچسپی تھی جس کے شعر ان کو اس درجہ محظوظ کرتے تھے کہ وہ ان کو محفوظ کئے بغیر نہ رہ سکے نہ آئندہ کسی دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرنے کا خیال تھا۔ انھوں نے انسانی شخصیت اور سیرت کو قطعاً قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے اور بعض اوقات تو اس معاملے میں بڑے بخل سے کام لیا ہے۔ مثلاً مصحفی، عشقی مرادآبادی کے متعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہنا چاہتے کہ "عشقی مرادآبادی فقیر داہل دیدہ

Marfat.com

[illegible] فرو گذاشت ، اسی طرح میر صاحب اپنی نکات ۔
الشعرار میں جو کہ دراصل سیرت نگاری کے لحاظ سے اس دور کا
اہم ترین تذکرہ ہے ۔ اور اس میں پیش کئے ہوئے نقشے مختصر
ہونے کے باوجود مکمل ترین ہیں اور بعض شعرار کے حالات کے
بیان کے ساتھ ساتھ ماحول پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ اس طرح شخصیت
نگاری میں جان ڈال دی ہے ۔ اس معاملے میں بعض وقت بے
پروا اور بے نیاز سے ہو جاتے ہیں ۔ اگرچہ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ
صاحب ۔

"نکات کا شاندار ترین وصف اس کی سیرت نگاری ہے "

۴ ۔ پھر بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آزاد کے متعلق " ہم عمر و لی
بود و بسیار مصفا حرف می سازد " سے زیادہ کچھ اور کہنا مناسب نہیں
سمجھتے تو میر صاحب سے ایک شکایت سی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ
انسانی زندگی کو اتنا ناقابل اعتنا کیوں سمجھتے تھے ۔ انھوں نے آخر
افرنشس اینڈرسن کی طرح کیوں نہ سوچا کہ ۔

" ہر انسان کی زندگی پریوں کی ایک کہانی ہے جو
خداوند نے خود لکھی ہے ۔"

لیکن جونہی ہمیں ان کے ناساز گار حالات کا خیال آتا ہے
تو ہم سوچتے ہیں کہ وہ اس سنو وائٹ اور سنڈریلا کی جدا گانہ
دنیا تخلیق کرنے والے تخیل پرست رومانی کی طرح کیسے فراموش

Marfat.com

کر سکتے تھے کہ اس دنیا میں بہت دکھ ہیں بڑی تکلیفیں ہیں اور انسان اور زندگی دونوں بھول جانے کی چیزیں ہیں۔ فارسی تذکروں کی یہ اچھی خاصی کثیر تعداد ہی اردو تذکرہ نگاری کی پیش روٹھہری اور اسی وجہ سے ان کا ذکر لازمی اور ضروری ہے اور بقول کلیم الدین احمد صاحب کے اس تبصرے کے باوجود۔

"غرض یہ حالات مختصر ہوں یا مفصل۔ تذکرہ نویسوں میں یہ قدرت نہیں کہ ان واقعات کو اس طرح بیان کریں کہ شاعر کی تصویر میں جان پڑ جائے۔"

۴۔ یہ تذکرے اہم اور قابل توجہ ہیں۔ ان میں بعض اوقات شعراء کے کلام پر بڑی اچھی تنقیدوں کے علاوہ اکثر شخصیتوں کا حسن موجود ہے اشاروں ہی اشاروں میں بڑی بڑی تفاصیل ظاہر کر دی ہیں۔ اور پوری شخصیت پیش کر دی ہے۔ جب ہم ان تذکروں کو Mark Longaker کے الفاظ کی روشنی میں جانچتے ہیں تو اور بھی کم اعتراض کا موقع رہ جاتا ہے Longaker نے English Biography in the 18th Century میں لکھتا ہے۔

"تذکرہ رجال میں مصنف کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اشخاص کی زندگی اور واقعات ایسے پر معنی ایجاز و اختصار سے بیان کرے جس سے ان اشخاص کی پوری

Marfat.com

...ن میں جھ جاتے ...

...یا اور اختصار اس وجہ سے اور بھی گوارا ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سوانح نگاری کے عناصر کے ...اتے بیاگرافیکل ڈکشنری اور قاموس اور تراجم کا ایک موہوم ...سا تصور ملتا ہے اور مذکورہ اصناف میں سوانح نگاری کے ...کس جو کہ فرد کے پھیلے ہوئے حالات پر مشتمل ہوتی ہے۔ زیادہ تفصیل ...عیب میں شمار کیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ...تذکرے زیادہ قابل اعتراض نہیں ہیں ان سے چند فائدے بھی ہوئے ...ان تذکروں کے وجود نے یہ احساس دلایا کہ امراء و سلاطین کے علاوہ ...ادبی شخصیتوں کے نام اور حالات بھی محفوظ کرنے کی چیز ہوتے ...ہیں۔ اور اسی شوق نے بتدریج ان کی نجی اور گھریلو زندگی میں بھی ...سوانح کا شوق دلایا۔ اور بقول شجاع احمد زیبا صاحب

"اگر یہ تذکرے نہ لکھے گئے ہوتے تو نہ معلوم آب حیات جیسی تصنیف کو عالم وجود میں آنے میں کتنا عرصہ لگتا۔"

...ان فارسی تذکروں کے علاوہ گارساں دتاسی کی تحقیق کے ...مطابق چھ اردو تذکرے بھی ہیں جن کو اس نے ہندوستانی زبان ...کے تذکرے لکھا ہے سب سے پہلا تذکرہ گلشن ہند۔ مرزا علی لطف ...کا لکھا ہوا ہے۔ (۲) دیوان جہاں بینی نرائن جہاں کا ہے۔ مگر اس ...کو تذکرہ نہیں کہا جا سکتا۔ (۳) چار گلشن امام بخش صہبائی کا۔

Marfat.com

(۴) انتخاب دواوین جس میں شعراء کے مختصر حالات درج ہیں۔ دہ (
صحف ابراہیم۔ سراپا سخن۔ محسن لکھنوی۔ طبقات الشعراء مولوی کریم الدین
اور مسٹر ایف فیلن۔ ان تذکروں کو بھی اسی فارسی نہج پہ چلایا گیا ہے
اور یہ عام طور پہ تین اجزاء پہ مشتمل ہوتے ہیں۔

۱۔ شاعر کے مختصر حالات

۲۔ تبصرہ کلام

۳۔ انتخاب۔

۷۔ مرزا علی لطف کا تذکرہ گلشن ہند اپنی نوعیت کے اعتبار سے
کافی اہم ہے۔ اس کی تکنیک اور فن دوسرے تذکروں کی بہ نسبت
زیادہ پھیلے ہوئے اور واضح ہیں۔ اگرچہ مرزا علی لطف نے اس کو
گلزار ابراہیم۔ علی ابراہیم خاں کے تذکرے شعرائے ہند سے جان
گلکرائسٹ کی فرمائش پر ترجمہ کیا ہے لیکن اس کو محض ترجمہ کہنا ناانصا
ہے۔ مرزا صاحب نے اس کو ذاتی معلومات واقفیت اور چھان بین
سے مرصع کر کے بڑا جاذب اور بیش قیمت بنا دیا ہے ان کے بیانات
مستند اور مبنی بر حقیقت ہیں۔ البتہ ان کے یہاں قلبی تعلق اور لگاؤ
یا دوری اور بیگانگی کے آثار ملتے ہیں۔ مثلاً حاتم کا ذکر محض چند
سطروں ہی میں کر کے ختم کر دیا ہے۔ اور بیش اشعار کا نمونہ دیا ہے
۸۔ ابوالحسن تاناشاہ کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور ایسے پیرائے
کیا ہے کہ اس کے عادات و اطوار اور مشاغل سے اچھی خاصی واقفیت

Marfat.com

...ملتا ہے۔ اسی طرح شیر علی افسوس کا ذکر کرتے وقت وہ اپنے جذبات کو فراموش نہ کر سکے البتہ اس لگاؤ اور تعلق میں سچائی کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ اور مرزا صاحب کی اس سچائی اور حلیمی نے ...ن جانئی سن کی یہ شرط کہ "انسان اور دیوتا میں سچائی اور حلیمی ...ی قدر مشترک ہے" پوری کردی ہے۔ انھوں نے آصف الدولہ ...ی دل کھول کر تعریف کرنے کے باوجود یہ کہنا مناسب سمجھا کہ۔

"افسوس ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی
نائبوں کے ہاتھ میں احکامات ملک کا سرانجام رکھا آپ
سیر و شکار سے کام رکھا"

۹۔ غرض کہ ان کے اس نوع کی شخصیت نگاری اور تصویر کشی سے ان کے موضوعات کی زندگی کے مختلف راستے ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اس طرح پہلی مرتبہ اردو میں ہم کو سوانح نگاری کے موضوع کے ساتھ جذبات اور خلوص کا خوشگوار امتزاج نظر آتا ہے۔

۱۰۔ گلزار ابراہیم اور مرزا علی لطف کے مترجمہ گلشن ہند کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اردو تذکرہ نگاری بھی بالواسطہ انہی رجحانات کو قبول کر رہی تھی۔ جو فورٹ ولیم کالج میں انگریزوں کی سرپرستی میں اردو پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ اور دوسری اصناف ادب کے علاوہ اردو کی نوخیز تذکرہ نگاری کی بنا بھی اب تحقیق

Marfat.com

اور تفصیل پر رکھی جا رہی تھی۔ اور ان نقائص کی اصلاح کی طرف بھی خاص توجہ دی جا رہی تھی۔ جو قدیم تذکروں میں بڑی طرح کھٹکتے ہیں یعنی بے جا اختصار جانب داری نفرت یا عقیدت کے جذبہ سے بیانات و تبدرات کو اب دور کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی

اب ہمیں تذکروں کی تین اقسام نظر آتی ہیں یعنی (۱) وہ تذکرے جو تحقیقی اور تاریخی رجحان کے ماتحت لکھے گئے۔ (۲) زبان اُردو کی امکانی تحقیق سے متعلق تذکرے جن میں علاوہ لسانیاتی تحقیق کے مختلف ادوار میں مختلف اصناف سخن کی ترقی کے اسباب اور فن تذکرہ نویسی کی تنقید کا زور دیا ہے (۳) وہ تذکرے جن کو ادبی تاریخ کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے اور جس کے رجحانات کی آئینہ دار مولانا محمد حسین آزاد کی آب حیات ہے۔

۱۔ گلزار ابراہیم یا گلشن ہند کا رجحان تاریخی اور تحقیقی ہے۔ جس کی چند بڑی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شعرائے مذکور کی تاریخ وفات کا تعین اور حالات زندگی

۲۔ خط و کتابت کے ذریعہ واقعات زندگی کی فراہمی۔

۳۔ معاصرین کے حالات میں ان کے خطوط کے اقتباسات

۴۔ کلام کے مفصل نمونے۔

۱۲۔ تذکرے نویسی کی دوسری قسم کے متعلق مولوی کریم الدین صاحب کا "طبقات الشعراء" ہے۔ جس میں انھوں نے لسانیاتی

Marfat.com

اور تنقید و تبصرہ پر زیادہ زور دیا ہے اور اس لئے یہ تذکرے ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں

ابھی ہمارے اردو تذکرے ان نئے رجحانات سے دوچار ہو ہی رہے تھے اور ان تجربات کو بہت ڈر ڈر کر آزما رہے تھے۔ کہ اچانک اردو کے مایہ ناز انشاپرداز محمد حسین آزاد کے قلم نے اس گومگو اور ہچکچاہٹ کا فیصلہ کر دیا اور ۱۸۸۰ء عیسوی میں ان کی زبردست تصنیف آب حیات شائع ہوئی جس نے اعلان کر دیا کہ رجحانات اور عناصر اب امر مسلمہ اور مستقل طرز بن چکے ہیں ۔آب حیات نے تذکرہ نگاری کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی ۔ اردو ادب کی اس تصنیف کا جدید نسل آج تک بڑی گرم جوشی سے استقبال کرتی ہے ۔ یہ کتاب اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں کے لئے اپنے انداز اور پائے کے لحاظ سے نئی چیز تھی ۔ اس کی نثر کی سادگی چھوٹے چھوٹے فقرے لطیف رنگ آمیزی تیکھی عبارت اور شوخ و لطیف طرز بیان نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

۲۔ اگرچہ آب حیات کا بنیادی مقصد تاریخ ادب تیار کرنا تھا۔ لیکن اس میں شخصیت نگاری کے عناصر اس درجہ بکثرت ۔۔۔ ورت میں ملتے ہیں۔ کہ ہم اس کو قدیم و جدید سیرت اور شخصیت نگاری کی عبوری کڑی کہہ سکتے ہیں۔ آب حیات بذات خود ایک پورا دور ہے ۔ اور یہی وہ تصنیف ہے ۔ جس کے مصنف کو پہلی دفعہ اس نقص کا احساس ہوا کہ قدیم سوانح عمریوں میں ناموروں کی صحیح سرگزشت نہیں معلوم

Marfat.com

ہوتی چنانچہ لکھتے ہیں۔

"نہ ان کے عادات اور اطوار کا حال لکھا جاتا ہے نہ ان کی موت وحیات کے سین متعین کیے جاتے ہیں۔ اگر شاعر ہیں تو ان کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر حقیقی تبصرہ نہیں، نہ انکا ان کے معاصرین کے ساتھ مقابلہ و موازنہ موجود ہے"

(آب حیات صفحہ ۳)

چنانچہ آزاد نے اس کے تدارک کی کوشش کی اور اپنی تصنیف جاندار مرقع کی شکل سے پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"جہاں تک ممکن ہو اس طرح کہ ان کی زندگی کی بولتی چالتی چلتی پھرتی تصویریں سامنے آن کھڑی ہوں اور انھیں حیات جاوداں حاصل ہو۔"

(آب حیات صفحہ ۴)

غرض اس ارادہ اور خیالات کو پیش نظر رکھ کر آزاد نے شعرا کے بڑے دلچسپ اور دلکش مرقعے کھینچے ہیں۔ اور اپنے موضوعات کی بڑی اچھی تصویریں پیش کی ہیں۔ اور بعض وقت ان تصویروں میں رنگ بھرتے بھرتے حقیقت کو افسانے اور تخیل کی دنیا بنا کر رکھ دیا ہے۔ میر صاحب کے حالات اور مزاج کے سلسلہ میں میر صاحب کا لکھنؤ میں وارد ہوتے ہی مشاعرے میں شرکت کرنا اور

Marfat.com

[illegible] ان کی وضع قطع پہ ہنس ہنس کر ان کی تعریف اور وطنیت کے متعلق استفسار یہ واقعہ بڑے پر اثر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے لباس اور وضع کی ایسی اچھی تفصیل دی ہے کہ میر صاحب اور ان کے زمانے کے لباس کا بڑا واضح تصور سامنے آجاتا ہے۔ لیکن جدید تحقیق کے مطابق یہ واقعہ بے بنیاد ثابت ہوا ہے۔ اور یہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ۔

"افسوس ہے کہ مولانا نے تاریخ کو دلچسپ بناتے بناتے کہیں واقعی "افسانہ تراشی" فرمائی ہے۔"

(شعرائے اردو کے تذکرے ڈاکٹر سید عبداللہ صفحہ ۶۰)

تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ان کے یہاں سیرت وسوانح کے بڑے بالغ اثرات اور تصورات ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تصویر اور مرقعوں کو کامیاب بنانے کے لئے ان اجزاء سے مدد لی ہے جو کسی کے مختصر سوانح اور مزاج پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ مثلاً میر صاحب کے حالات کے سلسلہ میں وضع اور لباس کے بیان سے وہ ان کو مجسم ہمارے سامنے لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔

پھر وہ ان کی تصویر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"میر صاحب میانہ قد لاغر اندام گندمی رنگ تھے ہر کام متانت اور آہستگی کے ساتھ بات بہت کم وہ بھی آہستہ آواز نرمی اور ملائمت ضعیفی نے ان سب صفتوں

Marfat.com

کو اور بھی توی کیا تھا۔ کیونکہ سو برس کی عمر آخر ایک اثر رکھتی ہے
ہے۔ (آب حیات صفحہ ۳۱۳)

اس کے علاوہ انھوں نے جہاں ان کی خودداری اور عالی دماغی کو سراہا اور پیش کیا ہے ساتھ ہی ان پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ اور کہیں ان کی بعض باتوں کو بے اعتدالی سے تعبیر کیا ہے۔ کہیں حد سے بڑھی ہوئی آزادی طبع کو خود پسندی کہا ہے۔ اس سلسلے میں ادہ بے دماغی جس کے متعلق واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ پھر ان کی ظرافت ، لطائف وغیرہ سے ان کی تصویر کو ابدیت اور دلکشی عطا کی ہے۔ اور یہی وہ تکنیک ہے۔ جس کو حالی نے انتہائی ربط اور سنجیدہ متانت اور سلیقہ مندی سے یادگار غالب میں ایک بڑے اور زبردست کینوس پر پھیلا دیا ہے۔

اسی طرح انھوں نے سید انشاء اللہ خان کے مزاج صورت شکل اور لباس عادات و اطوار کے علاوہ ان کی زندگی کے وہ تین مختلف دور جو سعادت یار خان رنگین نے لکھے تھے بیان کرنے میں اپنے قلم کا تمام حسن اور جذبہ صرف کر دیا ہے اور اس طرح اس بدنصیب شاعر کی زندگی ایک فلم کی طرح ہمارے سامنے آ کر کبھی ۔۔اتی ہے کبھی سرد آہ بھرنے پہ مجبور کرتی ہے۔ غرض کہ مولانا آزاد نے تمام شعراء کے حالات زندگی اور مرقعوں کو کچھ تو اپنی معلومات کے سہارے اور کچھ زور قلم اور تخیل کے بھروسے پر بڑے دلنشین

Marfat.com

اور اصل پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ آبِ حیات تو سوانح نگارانہ مقاصد
کے پیشِ نظر لکھی گئی تھی۔ اور نہ ہم اس کو سوانح میں شمار کر سکتے ہیں۔ پھر بھی
اس کو سوانح نگاری کے قدیم اور جدید طرز اور تصور کی ایک مجبوری کڑی
کہا جا سکتا ہے۔

دراصل "تذکرہ نگاری ایک بڑی نازک اور پیچیدہ صنف
ادب ہے جس قدر ادبی تنقید سے متعلق ہے اسی قدر سیرت نگاری سے بھی
قریب ہے۔ اس کے لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ

"واقعہ یہ ہے کہ تذکرۃ الشعرا کو سب سے پہلے سیرت
ہونا چاہئے اور پھر لٹریری ہسٹری اسی طرح اس کا خالصتہً
کتاب النقد ہو جاتا بھی درست نہیں۔ تذکرہ فن سیرت
کی ایک شاخ ہے۔" (شعرائے اردو کے تذکرے صفحہ ۹۴)

اور آبِ حیات نے ان شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھنے کی کوشش
کی ہے۔

آبِ حیات اور اس کے قبل کے تذکروں سے اس امر کی وضاحت
ہوتی ہے کہ ہماری قدیم تذکرہ نگاری اور سوانح نگاری پر مشرقی اور خصوصاً
ہندوستانی تہذیب اور اخلاق کی چند پابندیاں اور اصول اثر انداز
رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس نے ایک جداگانہ طرز اور تصور اختیار
کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کے چند اصول مقرر ہو گئے اول تو ہمارے سوانح
نگار اور تذکرہ نگار "خطائے بزرگان گرفتن خطا ست" کے قائل

Marfat.com

تھے۔ بزرگوں کے عیوب کو ظاہر کرنا اور ان پر نکتہ چینی کرنا ان کے نزدیک غیر مستحسن فعل تھا ان کے خیال میں کمزوریوں اور لغزشوں سے زیادہ انسانی شرف و کمال کا اظہار زیادہ بہتر طریقہ تھا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ لوگ بزرگوں کی کمزوریوں اور غلطیوں سے جواز حاصل کر کے اپنی غلطیوں اور کمزوریوں پر فخر کریں گے لیکن اس نظریے کے باوجود ان تذکرہ نگاروں کی یہ کوشش رہی تھی کہ بہت انصاف غیر جانب داری سے کام لیں اور اپنے بزرگوں کو انہی اوصاف سے یاد کریں جن سے وہ متصف تھے۔ اس کے علاوہ یہ تذکرہ نگار اپنے مخالفین کا ذکر بھی بڑے ادب سے کرتے تھے۔

اگرچہ ہماری قدیم سوانح نگاری ان وسعتوں اور تنوع کی حامل بھی جو جدید سوانح نگاری کے ساتھ مخصوص ہیں۔ تاہم اس کے لیے بجا طور پر یہ کہا گیا ہے کہ

> "بہر حال مشرق اس سعادت مندی پر نازاں ہے کہ وہ گستاخانہ حقیقت نگاری سے بچا ہوا ہے اور اس کے فرزندان کا قلم اپنے ناموروں کی تصویریں اس عمدگی سے کھینچتا ہے کہ اصلی خدوخال کی بدنمائیاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔
>
> (شعرائے اردو کے تذکرے۔ صفحہ ۱۰۳)

Marfat.com

تیسرا باب

حالی اور ان کا فن سوانح نگاری

ہر قوم اور زبان کا ادب وقت۔ اور ماحول کے تقاضوں کے
ساتھ مختلف حالتوں سے دوچار رہتا ہے اور جہاں ادب پر ایک
دور ایسا آتا ہے کہ اس پر سکوت اور جمود طاری ہوتا ہے۔ اس
میں کسی اقدام اور فعالیت کی کوئی صورت نہیں پیدا ہوتی۔ ادیب
و شاعر بس یونہی کچھ نہ کچھ رٹے رٹائے پیش نظر بنے بنائے سانچوں میں
ایک ہی سا ڈھلا ڈھلایا معطل اور بے جان ادب پیش کرتے رہے
ہیں بے شمار نمونے سامنے سے گزر جائیں گے۔ مگر ادیب کوئی امتیاز
اور فرق کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اسی طرح ایک وقت ایسا بھی
آتا ہے کہ ادب کی اقدار ہر آن بدلتی ہیں۔ اور لکھنے والے ہر لحظ
کوئی نہ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ خلاؤں اور اندھیرے میں

Marfat.com

تحریں ملانے والے ادیب اپنی منزلیں معین کرتے ہیں ۔ نئی روشنیوں میں اپنی راہیں تلاش کرتے ہیں ۔ اس طرح ادب کا فرسودا اور خزاں رسیدہ درخت نئی بہاروں سے آشنا ہوتا ہے ۔ اس میں نئے برگ وبار آتے ہیں ۔ نرم و نازک اور نئی نئی کونپلوں کے درمیان حسین کلیاں مسکراتی ہیں ۔

اُردو ادب کا نوخیز پودا سر اٹھاتے ہی خزاں آشنا ہوگیا ۔ ابھی پوری طرح پھولتے پھلنے بھی نہ پایا تھا کہ سیاسی اور اقتصادی انتشار کی بادسموم نے اس کو کمھلا دیا ۔ سسکتی اور بلکتی زندگی نے ادب کو لاکھ سہارا دینا چاہا لیکن یہ پودا سرنگوں ہی رہا ۔ یہاں تک ۱۸۵۷ء کا انقلاب ابر نیساں بن کر آیا اور کچھ اس طرح برسا کہ وہ تناور درخت جن کی جڑیں سوکھ کر کھوکھلی ہو چکی تھیں ڈھے گئے ۔ لیکن جن میں ذرا بھی سکت باقی تھی وہ جی اٹھے ۔ اور ان پر بہار آگئی چنانچہ اردو ادب نے بھی نئی زندگی پائی ۔ اس کی نخل بندی اور آبیاری کرنے والے سرسید اور ان کے رفقاء میں حالی کا نام ہمیشہ احترام اور عقیدت سے لیا جائے گا ۔ خصوصاً اردو سیرت نگاری حالی کا نام فراموش نہیں کر سکتی ۔ وہ اس آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے مدھم ستاروں کے درمیان درخشاں ماہتاب کی طرح نظر آتے ہیں ۔ حالی بلا اختلاف رائے اردو سیرت نگاری کے بانی ہیں ۔ اگرچہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حالی نے جس وقت اس صنف ادب پر قلم اٹھایا تو اس وقت یہ

Marfat.com

[illegible] اس وقت بھی سیرت اور اسوۂ رسول پر برابر خامہ فرسائی کی جارہی تھی۔ لیکن ان کے طرز اور ڈھنگ کا اندازہ ہم مرزا حیرت کے اس دیباچے سے کر سکتے ہیں جو انھوں نے سیرت محمدیہ میں لکھا ہے۔ مرزا حیرت حالی کے معاصر ہیں اور حالی کے فن سوانح نگاری سے متاثر ہیں۔ اور ان ہی کا تتبع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہم اپنے سچے نجات دہندہ کی آنکھ بچوؤں کی تعریف کے درد کو بلائے طاق رکھیں اور اس کی سچی تاریخی صفات سے بحث کر کے جبراً اس کی حقیقت عالم پہ ثابت کر دیں۔"

مرزا حیرت کے بیان سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس وقت سوانح رسولؐ جیسی روشن اور واضح چیز، جس کے ہیرو کے کردار اور گفتار کا ایک ایک لفظ محفوظ اور قلم بند کر لیا گیا تھا۔ کی تصنیف میں بھی ہمارے مصنفین آنکھ بچوؤں کی تعریف سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ اور ان کی کرداری صفات کو مطلق قابل اعتنا نہ سمجھتے تھے۔

بہر صورت اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سوانح نگاری کو بطور ایک خاص فن کے حالی نے اپنایا اور اس کے اصول اور جدید نقوش انھوں نے ہی تیار کئے۔ انھوں نے

Marfat.com

اس صنف ادب کی تہی دامنی کو پوری طرح محسوس کیا اور حیات سعدی کو لکھ کر اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یادگار غالب اور حیات جاوید لکھ کر اردو سوانح نگاری میں ایسے بیش قیمت اضافے کئے جن کی قدر و اہمیت سے آج کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا

اردو ادب کے اس محسن کی پیدائش پانی پت کے قصبہ میں ۱۸۳۷ء میں ہوئی اور وہیں قدیم رواج کے مطابق تعلیم و تربیت پائی اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ دہلی میں مشرقی علوم کی تحصیل میں مشغول رہے اور دہلی کالج کی طرف متوجہ ہوئے۔ دہلی میں مرزا غالب۔ استاد ذوق۔ شیفتہ اور مولانا آزاد سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ انہی کی صحبتوں سے حالی کے مذاق شعری نے تربیت پائی۔ حالی کی تحریروں اور مزاج میں شیفتہ کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ اور شیفتہ کے فیض صحبت نے ان کے اندر حقیقت پسندی اور سادگی کی صفت پیدا کی۔ مولانا عربی ادب کا بڑا اشتہ مذاق رکھتے تھے۔ اور ان کی تحریروں میں عربی اشعار و اقوال کی موجودگی ان کی عربی ادب کے علمیت کی غمازی کرتی ہے۔

حالی نے ۱۸۵۷ء کی تحریک بغاوت کا مشاہدہ کیا تھا اور اس انقلاب نے ان کے اندر زبردست تبدیلی پیدا کی تھی۔ اگرچہ یہ تغیر براہ راست نہ ہوا تھا بلکہ بالواسطہ ان کی زندگی میں سرسید کی

Marfat.com

اہم اور باعظمت شخصیت کی وساطت سے داخل ہوا سائنٹفک سوسائٹی کی شرکت اور سر سید سے متعارف ہونے سے قبل مولانا حالی لاہور میں انجمن پنجاب اور کرنل ہالرائیڈ سے روشناس ہو چکے تھے اور جدید خیالات اور انگریزی ادب کا تھوڑا بہت تصور رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ سر سید سے ملے تو بہت جلد ان کے جذبات اور خیالات کی عظمت اور گہرائی کا اندازہ ان کو ہو گیا۔ ان کی ہر بات کی اہمیت کا ان کو خوبی اندازہ ہو گیا۔ اور وہ بہت جلد ان پر ایمان لے آئے۔ سر سید سے ان کی والہانہ شیفتگی اور عقیدت کا اس فارسی شعر سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے مسدس کے دیباچہ میں ان کی طرف اشارۃً لکھا تھا۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بر دش بیک نگاہے

حالی نے جس طرح سید صاحب کو دیکھا اور پرکھا ہے اس کی مثال حیاتِ جاوید میں ملتی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح سید صاحب کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بڑی سے بڑی بات سے واقف تھے ان کے ہر جذبے اور فعل کو اپنی کے ذہن و نظر کی روشنی میں دیکھتے تھے۔

اگرچہ مولانا حالی کا طرزِ نگارش بڑی حد تک سر سید اور اس زمانے کے مغربی رجحان سے متاثر ہے اور ان کی تمام تحریروں میں

Marfat.com

ایک ہی جذبہ اور مقصد کارفرما ہے یعنی سرسید کے مشن اور خیالات کا ابلاغ۔ لیکن ساتھ ہی اس میں خود ان کے مزاج اور افتاد طبع کی جھلکیاں ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ خواہ مقدمہ شعر و شاعری ہو یا ان کی سوانحی تصنیفات ہوں یا کوئی دوسری تحریر۔ اس میں ایک خاص توازن نرمی اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ قسام ازل نے حالی کو سنجیدہ متین اور ہمدرد دل و دماغ عطا کئے تھے وہ بڑی دھیمی اور بردبار طبیعت کے مالک تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خمیر بڑی معتدل مٹی سے ہوا تھا۔ ان کی تحریر کی دردمندی سلامت روی اور توازن اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کی افتاد طبع سوانح نگاری کے لئے عین مناسب اور موزوں تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی سوانح نگاری میں چند اصولی اور فنی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے فن کے عیوب و محاسن کے جائزہ اور محاکمہ سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ ان جدید تصورات سے کس حد تک روشناس تھے۔ اور ان کا طریق کار کیا تھا انھوں نے اپنے تصورات اور اس کے بارے میں واقفیت کا اظہار اپنی پہلی سوانحی تصنیف حیات سعدی میں کیا ہے چونکہ اس صنف ادب میں یہ پہلا شعوری اقدام تھا لہذا اس کی تعریف اور تعارف سب سے پہلے کرایا ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے اس کی جامع تعریف کر کے اپنے اہل زبان حضرات کو جدید یوگرافی سے مانوس اور روشناس کرا دیا۔

پھر انھوں نے مشرق کے تصور سوانح نگاری کے متعلق لکھا ہے

Marfat.com

اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد اہل عرب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور حیات اقدس کے محفوظ اور مجتمع کرنے میں جس احتیاط اور تحقیق سے کام لیا ہے وہ نہ صرف قابل تحسین ہے۔ بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔ ان کو افسوس ہے کہ سیرت اور سوانح رسولؐ کے علاوہ انھوں نے اس طرف توجہ نہیں دی۔

> "باقی علماء اور شعراء وغیرہ کے تذکرے ایسے نہیں اور چونکہ تذکرہ نویسی کا مدار محض نقل نویسی پر تھا اس لیے ان لوگوں کے سوانح کے حالات تاریخ میں مفصل لکھے گئے ہیں جیسے خلفاء وسلاطین وزراء اور سپہ سالار وغیرہ باقی تمام اہل کمال کے حالات مختصر طور پر لکھے گئے ہیں۔ اور مشہور سے مشہور مصنف کی لائف بھی جداگانہ نہیں لکھی گئی۔"
>
> (دیباچہ حیات سعدی)

اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ اپنے اصل موضوع یعنی جدید بائیوگرافی پر آتے ہیں اور اس کی تعریف اور ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ حیات سعدی کے دیباچے سے اخذ کردہ ان اقتباسات کے لئے معافی مانگتے ہوئے مزید اقتباسات کی ضرورت اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ اس طرح مولانا حالی کا اپنا نظریہ اور تصور جو وہ سوانح نگاری کے متعلق رکھتے تھے۔ واضح ہو جائیگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے

Marfat.com

کہ وہ اس کو کس مقصد کے لئے کار آمد جانتے تھے۔ اور اس سے کس قسم کا کام لینا چاہتے تھے اور جدید سوانح کے کس پہلو کو زیادہ قابل اعتنا سمجھتے تھے ایک جگہ پر لکھتے ہیں۔

"بیوگرافی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنھوں نے اپنی مساعی کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں۔ اور جو انسان کی آئندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں"

یہاں پر اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ بیاگرافی کو اصلاحی اور اخلاقی مشن کی ایک کڑی سمجھتے تھے۔ ان کے پورے دیباچہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بیوگرافی ایک افادی صنف ادب ہے جس کے فواید حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بیوگرافی تازیانہ عبرت ہے۔
۲۔ اس سے سوئی ہوئی پسماندہ قوموں کی رگ حمیت بیدار ہوتی ہے۔
۳۔ اس سے نیکی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔
۴۔ اچھائی برائی میں تمیز ہوتی ہے۔
۵۔ اس کا مطالعہ بڑے بڑے کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

مذکورہ بالا نتائج کے جواز کے لئے ان کے دیباچے کے ان دو اقتباسات کا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی کے درجہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ ان کے لئے بیاگرافی ایک تازیانہ ہے جو ان کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے" (حیات سعدی)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

بیوگرافی علم اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سودمند ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے اور بیوگرافی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے"

(حیات سعدی دیباچہ)

یہ امر صاف ہو گیا کہ مولانا کے نزدیک سوانح عمری کے ذریعہ کسی بھی انسان کے حالات اور نفسی کیفیات کا جاننا اہمیت نہ رکھتا تھا۔ اور محض ایک انسان کے حالات زندگی سے ان کو چنداں دلچسپی نہ تھی بلکہ جیسا کہ ان کے ماحول اور قومی حالات کا تقاضا تھا وہ ایسے لوگوں کی سوانح عمریوں کے ذریعہ اپنا مشن پورا کرنا چاہتے کہ جن کی سوانح عمریاں انگلستان کے مشہور مصنف کے قول کے مطابق جس کو کہ وہ خود نقل کرتے ہیں کہ

"بیوگرافی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کر دو۔"

غل مچا کر دوسروں کو بھی کچھ کرنے پر آمادہ کر سکیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بے شمار اسلاف میں سے صرف تین ایسے اشخاص کی

Marfat.com

سوانح عمری منتخب کی جنہوں نے بے واقعی اپنی اپنی جگہ غل مچایا اور اپنے زمانے میں وہ منفرد مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سعدی کی حق گوئی ہمت اور سنعدی ایران کے اس دور تعطل میں ذوق عمل کا یہ جذبہ اور سیر و سیاحت ہر زمانے میں قابل تقلید رہی ہے اور رہے گی۔

اسی طرح غالب جن کی شاعری ایک طرح احتجاج کے مرادف ہے اور ان کے ذہن کے جارحانہ رجحان اور انقلاب پسندی کا ثبوت قرار دی جا سکتی ہے جس کو پہلی دفعہ تنگنائے غزل کی محدودیت اور تنگی کا احساس ہوا اور جو بے کنار وسعتوں اور بلندیوں کا متلاشی تھا۔ جس نے اردو مکتوب نویسی کو ایسی حسین اور طرحدار ادا بخشی کہ جس کے طفیل اردو خطوط نویسی کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ یہی اپنے زمانے کی منفرد شخصیت ہیں اور سارے شعراء کی ذہنیتوں کی تبدیلی میں بالواسطہ انقلاب کا سبب بنے۔

حیات جاوید کا تو ہر لمحہ اور ہر واقعہ درحقیقت سمندر کی مضطرب اور طوفانی موجوں کی طرح نوی غفلت کی بے حس چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر غل مچا رہا ہے کہ جاؤ تم بھی ایسے کام کرو۔

اگرچہ مولانا حالی سے پیشتر اردو میں حقیقی سوانح نگاری کی طرف ایک قدم مولوی محمد حسین آزاد اٹھا چکے تھے۔ اور آب حیات میں عام تذکروں کی رسم اور روایات کے خلاف مختلف شعراء کی زندگی کے جیتے جاگتے

Marfat.com

مرقع تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آب حیات میں تاریخی
اور سوانحی حقائق کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ صرف تخیل کی بلند
پروازی اور الفاظ کی شعبدہ گری پر انحصار ہے اور دراصل اُردو
سوانح نگاری کا آغاز مولانا حالی نے ۱۸۸۶ء میں حیات سعدی کی۔
تصنیف سے کیا اور یہی اُردو زبان کی سوانح نگاری کا سنگ میل
ہے اس سے قبل اردو میں کوئی سوانح نگاری اس نہج پر نہیں
لکھی گئی اگرچہ اس سے پہلے تذکرہ ترجمہ اور فن رجال کے طور پہ
کتابیں اسلامی ادب میں موجود نہیں تھیں لیکن حالی نے

"جو علمی انداز حیات سعدی کے لئے اختیار کیا ہے وہ
بالکل جدید امتیاز ہے۔" (شیخ چاند رسالہ اردو)

حیات سعدی پر کچھ کہنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔ کہ کچھ تو وقت اور مذاق عامہ کے تقاضے
سے اور کچھ اپنی مروت اور خوش صفاتی کی بنا پر مولانا حالی نے
جدید سوانح نگاری کی شرائط کو جانتے ہوئے بھی اپنی سوانح نگاری
کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی تھی۔ یہ خود ان کے ہی بیان سے واضح
ہو سکتا ہے۔

"ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی کریٹکل طریقے سے
بیوگرافی لکھی جائے۔ اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی
کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات

Marfat.com

کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں چنانچہ اسی خیال سے ہم
نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے
اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں ان کی اور ان
کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں اور ان کے بھوڑوں
کو ٹھیس نہیں لگنے دی۔"

(حیات جاوید دیباچہ)

اس کے علاوہ یادگار غالب اور حیات سعدی کے متعلق ان
کا یہ کہنا بھی بڑی حد تک درست ہے کہ پہلی سوانح عمریاں ایسے لوگوں
کی ہیں جن کی زندگی میں اتنے اتار چڑھاؤ پیچ و خم ہی ہی نہیں جن
پہ نکتہ چینی کی جائے اور خود ان کے بقول۔

"اس کے سوا وہ انہیں لوگوں کے حال سے مناسبت
رکھتی ہے جنھوں نے اس موج خیز اور پر آشوب
دریا کی منجدھار میں اپنی ناؤ ڈالی ہی نہیں اور کنارے
کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا
اترے ان کو سب نے بھلا جانا کیونکہ ان کو کسی بُرائی یا بھلائی
سے کوئی سروکار نہ تھا۔"

(دیباچہ حیات جاوید)

حیات سعدی کے مطالعہ کے سلسلہ میں سب سے پہلے جس بات کا
احساس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا کو فارسی ادب نظم و نثر سے کس درجہ

Marfat.com

لطافت اور لگاؤ تھا اور وہ اس کا کتنا زبردست علم رکھتے تھے۔ پھر ہمیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ایک کامیاب اور سچے سیرت نگار کی طرح مولانا نے اپنے موضوع کا بڑا صحیح انتخاب کیا ہے وہ اپنے موضوع سے محبت اور عقیدت ہی نہیں رکھتے بلکہ ان کے اور ان کے موضوع کی طبائع میں کچھ مناسبتیں اور مطابقتیں بھی موجود ہیں۔ دونوں حق بات کہنے میں باک نہیں رکھتے۔ دونوں کا اسلوب سادہ اور بے ساختہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دونوں اپنی اپنی زبان کے قادر الکلام شاعر اور زبردست نثار تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سعدی کے کلام اور سوانح پر تبصرہ کرنے کے لئے حالی بہت موزوں اور مناسب تھے۔

حیات سعدی شیخ کے مختصر حالات پر مشتمل ہے اور کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ نظم و نثر پر تبصرہ اور محاکمہ ۲۔ شیخ کے حالات

۳۔ خاتمہ جس میں ان کے عام حالات زندگی کی روشنی میں کلام کو پرکھا اور سراہا ہے۔

اس مشہور اور ہر دلعزیز شاعر کے حالات اتنے مختصر اور وہ بھی حالی کے قلم سے نکلے ہوئے دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے۔ لیکن اس اختصار اور تشنہ تحقیق کے لئے ہم ان کو الزام نہیں دے سکتے باوجود انتہائی تلاش اور تجسس کے ان کو ان تذکروں اور یادگاروں میں جو شیخ

Marfat.com

کے سوانح کے بطور لکھے گئے تھے صرف اتنا ہی مواد مل سکا۔ جو انھوں نے بڑے سلیقے اور ترتیب سے پیش کر دیا ہے۔ مولانا کو اس مختصری سوانح حیات کے مرتب کرنے میں جس تلاش تحقیق اور پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ کچھ کم لائق ستائش نہیں۔ چنانچہ اس کے دیباچہ میں ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے فارسی تذکرے جس قدر ان کو مل سکے ان سے استنباط کیا اور سرگور اسلی صاحب کا انگریزی تذکرہ بھی دیکھا تمام تذکروں میں ایک ہی سی حکایتیں اور نقلیں مندرج پائی ہیں۔ شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے علاوہ ان کے کلام کی عظمت کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ تاریخی حقائق اور واقعات کا پتہ لگانا بھی مشکل تھا چنانچہ "علی بن احمد" جامع کلیات شیخ کے دیباچے اور انگریزی کتابوں کے علاوہ خود ان کے کلام سے بڑی چھان بین کے بعد نتائج برآمد کیے۔ اور بقول مولوی عبدالحق صاحب۔

"صرف ان کے کلام کے مطالعہ سے شہد کی مکھی کی طرح ذرہ ذرہ چن کر سعدی کے سیرت اخلاق و اور حالات مرتب کیے۔"

(اردو جولائی ۵ ھ خطبہ صدارت یادگار حالی)

غرض اس دماغ سوزی اور جگر کاوی کے بعد انھوں نے حیات سعدی کا نذرانہ اردو سوانح نگاری کے حضور پیش کیا ہے

Marfat.com

اردو زبان کی پہلی کتاب ہے جس میں کسی بھی شاعر کے اتنے مفصل حالات کے علاوہ اس کے کلام پر محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے تبصرے کے علاوہ اس میں موازنے اور مقابلہ کا بھی اصول رائج کیا ہے۔ گلستان کی خوبی کا اندازہ نگارستان اور پریشان سے کیا ہے۔

حیات سعدی میں حالی کی سنجیدہ اور متوازن رائے بھی قابل توجہ ہے اگرچہ وہ شیخ سے بے حد متاثر ہیں اور وہ ان کا پسندیدہ ہیرو ہے۔ لیکن ان کا مخصوص دھیما اور متوازن انداز شیخ کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوا ہے البتہ بعض وقت رواداری اور جانب داری سے کام لیا ہے اور ان پر متعدد اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً (۱) ایک جگہ مولانا حالی نے سعدی کے اس نظریئے کی تائید کی ہے کہ یہودی خواہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو جائے۔ مگر اس کو شریف نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔ سعدی کے یہاں محبوب مذکر ہے اور سادہ رویوں کی تعریف جا بجا کی ہے۔ اور مولانا حالی اس الزام کو دور کرنے کی غرض سے مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں جو الزام کو دور نہیں کر سکتی ہیں۔

۳۔ سعدی نے بغداد کی تباہی اور مستعصم کے قتل پر مرثیہ لکھا ہے اس بات پر اعتراض کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک نا اہل انسان کی تعریف کی ہے اور اس تباہی پر اظہار رنج کیا ہے اور مولانا حالی نے اس کی صفائی پیش کرنا چاہی ہے۔

Marfat.com

تیسرا اعتراض مولانا پر کچھ بے جا معلوم ہوتا ہے۔ اگر انھوں نے اپنے ہیرو پر سے اس اعتراض کی صفائی کرنا چاہی ہے تو کچھ نامناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ان کا ہیرو ایک شاعر تھا۔ اور وہ خود بھی شاعر تھے۔ شاعر کا دل عجیب مختر خیال ہوتا ہے۔ اس کا دل بعض وقت بڑے سے بڑے واقعے سے متاثر نہیں ہوتا اور بعض وقت ذرا سا اشارہ اس کو خون کے آنسو رلا دیتا ہے۔ اکثر اس کو دوست دشمن اچھے بڑے اپنے بیگانے میں فرق نہیں محسوس ہوتا وہ کسی کی بھی تکلیف پر چیخ اٹھتا ہے۔ پھر سعدی اگر معتصم کی تباہی پر چیخ اٹھے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور اسی جذبے کے ماتحت حالی نے اس کی صفائی پیش کرنا چاہی ہے۔

ایک بات مولانا حالی کی البتہ بڑی طرح کھٹکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے شیخ کے مذہب کا ذکر چھیڑ کر اس کی تاریکی اور لاعلمی پر مہر لگا دیا ہے۔ اور باوجود معتبر ذرائع سے شیخ کے مذہب کا علم رکھنے کے باوجود یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"ہم اس کو کسی خاص مذہب کا ثبوت ایک ایسے شخص کو جو مقبولِ فریقین ہے۔ ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود نہیں بنانا چاہیئے۔"

در اصل اگر ان کا منشا یہی تھا تو ان کو اتنا لکھنا بھی لازم نہ تھا انھوں نے یہ کہہ کر ان کے متعلق تجسس رکھنے والوں کو خلش

میں مبتلا کر دیا۔

اس کے علاوہ مولانا حالی سے ایک شکایت یہ بھی کی جاتی ہے کہ انھوں نے سعدی کو ایک شاعر اور معلم اخلاق کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کی انسانی اور شخصی حیثیت کو بھول گئے۔ اس سلسلہ میں واقعات اور مواد کی کمی بلکہ نہ ہونے کی وجہ سے حالی پر یہ الزام سختی سے عاید نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تاہم نقادان فن حیات سعدی کو فنی معیاروں پر جانچتے وقت اعتراض کر سکتے ہیں۔ اور ان کو حق بجانب سمجھا جائے گا۔ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ حیات سعدی ہماری اردو سوانح نگاری کا اولین اور بیش قیمت سرمایہ ہے۔

۱۔ یادگار غالب۔ یہ مولانا حالی کی دوسری سوانحی تصنیف ہے جس کو اکرام صاحب نے شبلی نامہ کے دیباچے میں مولانا حالی کے فنی شاہکار کے نام سے یاد کیا ہے اور جس کے بارے میں عبدالحق صاحب کا خیال ہے کہ

"نثر حالی میں تین کتابوں یعنی "یادگار غالب"، "مقدمہ شعر و شاعری" اور "حیات جاوید" کو درجہ کمال حاصل ہو چکا ہے یعنی یہ وہ کتابیں ہیں۔ جو اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ہمیشہ ذوق و شوق سے پڑھی جائیں گی۔"

(خطبہ صدارت یاد حالی اردو جولائی ۵۳ء صفحہ ۲۲۶)

Marfat.com

۲۔ یادگار غالب حالی کا فنی شاہکار اس لئے ہے کہ اس میں مقصدیت اور تنقیدی عنصر تقریباً مفقود ہے۔ اگرچہ یادگار اور حیات جاوید میں کئی امور یکساں ہیں یعنی حیات جاوید کی طرح یادگار کا ہیرو بھی مصنف کا ہمعصر ہے اور اس ہیرو سے بھی مصنف کو دلی عقیدت اور محبت ہے لیکن وہ والہانہ ارادتمندی اور شیفتگی نہیں ہے جو سرسید سے تھی۔ وہ یادگار کے ہیرو کو ایک بلند پایہ شاعر اور ایک نئی طرز فکر کی طرح ڈالنے والے ہی کی طرح پیش کر سکتے تھے۔ اور بس اور اس کا احساس مصنف کو شدت کے ساتھ ہے اور اپنے دیباچہ میں انھوں نے جابجا اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ

"اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام ان کی شاعری اور انشا پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف اسی کام نے ان کی لائف کو دارالخلافہ کے آخر دور کا مہتم بالشان واقعہ بنا دیا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم ونثر کا خاتمہ ہو گیا۔"

(یادگار غالب دیباچہ صفحہ نمبر ۳)

لیکن انسانی زندگی میں افادی پہلو ڈھونڈنے والے اور اپنے موضوع سے دردمندانہ الفت رکھنے والے اس فطری سوانح نگار نے اپنے موضوع کے انتخاب کا جواز ڈھونڈ ہی لیا ہے اور کہتے ہیں۔

Marfat.com

"اگرچہ مرزا کی لائف جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کریں گے ان فائدہ سے خالی نہیں ہے جو ایک بیاگرافی سے حاصل ہونے چاہئے۔ لیکن ان فائدوں سے قطع نظر کی جائے تو بھی ایک ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی کے لئے شگفتگی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ہماری پژمردہ دل سوسائٹی کے لئے کچھ کم ضروری نہیں۔ (دیباچہ صفحہ ۸)

حالی کے یہی چھوٹے چھوٹے نکتے ان کا مقام بحیثیت سوانح نگار کے بلند تر کر دیتے ہیں۔ ایک ایسے شخص کا جس کی فطرت میں شگفتگی اور زندہ دلی کا فقدان ہو۔ اپنے موضوع کی اس صفت کو جو خود اس کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی سراہنا اور اس کی اہمیت کو سمجھنا ہی اس کی فنی پختہ کاری اور بالغ نظری کی دلیل ہے۔

اگرچہ مولانا حالی اپنی یادگار کے ہیرو کی بے تکلف صحبتیں عرصہ تک اٹھا چکے تھے۔ اور انہوں نے ان کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن پھر بھی اس تصنیف میں انہوں نے ذاتی معلومات پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسی سائنٹفک طریق کار سے کام لیا جس سے ایک سوانح نگار کو لینا چاہیے چنانچہ ایک جگہ اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوستوں سے مستعار لے

Marfat.com

کہ جمع کیا اور جس قدر اس میں ان کے حالات اور اخلاق
و عادات کا سراغ ملا قلم بند کیا جو باتیں اپنے ذہن میں
محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبانی معلوم ہوئیں ان کو بھی
ضبط تحریر میں لایا ؎ (دیباچہ یادگار غالب)

غرض مولانا نے اس مواد اور ان ذرائع کو جو مل سکتے تھے
بڑے سلیقے سے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو غالب کے
خطوط اور مختلف بیانات سے بھی ان کی شخصیت پر روشنی ڈالنے
کا موقع مل گیا حقیقت یہ ہے کہ یادگار کی تصنیف میں حیات سعدی
سے زیادہ دقتوں اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ کیوں
کہ یادگار کا ہیرو مصنف کا معاصر ہے اور کسی معاصر کے سوانح نگار
کو متعدد دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کام کے لئے خاص
لیاقت درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ ہیرو کے مخالفین اور واقفین دونوں
موجود ہوتے ہیں ان سب کو ہم خیال بنانا مشکل ہوتا ہے۔

ان کے حالات منتشر اور بے قاعدہ ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان
کو گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوتا اس لئے ایسے واقعات بکثرت
ہوتے ہیں جن کو جمع کرنا ایک خاص سلیقے کا محتاج ہوتا ہے۔ لیکن حالی
نے بڑی سنجیدگی اور شائستگی سے کام لیا ہے۔ واقعات کی کثرت اور
ہجوم سے گھبرائے نہیں ہیں بلکہ
نہایت استقلال اور خاطر جمعی سے ان گوناگوں اور

Marfat.com

متعلقہ و متضاد روایتوں کے حالات و واقعات کو قابو میں لاکر قلم بند کرتے ہیں۔ " (رسالہ اردو شیخ چاند)

مولانا مرزا کی نجی زندگی میں خاصے دخیل تھے۔ یہاں تک کہ یادگار میں انھوں نے مرزا کو نماز کے لئے تلقین کرنے اور پھر اس سلسلے میں شکر رنجی ہو جانے کا جو واقعہ لکھا ہے۔ یہ ان کے قریبی تعلقات اور باہمی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا غالب ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور جبکہ دوسروں کو شعر گوئی سے باز رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس وقت حالی کو شعر گوئی کی طرف توجہ دلاتے تھے لیکن حالی نے مرزا کے حالات جمع کرنے میں بڑی احتیاط اور اختصار سے کام لیا ہے۔ یہ احتیاط بعض وقت ایک عیب نظر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے یگانگت سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ حتیٰ کہ ان ملفوظات کو بھی جمع نہ کیا جن کے متعلق خود انھوں نے یہ لکھا ہے کہ

"اگر کوئی شخص غالب کے تمام ملفوظات کو جمع کرتا تو ایک ضخیم کتاب لطائف و ظرافت کی تیار ہو جاتی۔"

تاہم یہ ایک مستند کتاب ہے اور اس کتاب سے ہی دوسرے تمام غالب کے تذکرہ نگاروں نے مدد لی ہے اور آج تک اس سے بہتر تذکرہ مرتب نہیں کیا جا سکا۔ اور اس طرح یہ کہنا بے جا نہیں معلوم ہوتا کہ غالب کی شخصیت اور عظمت سے آج کسی کو

Marfat.com

انکار نہیں لیکن اس کا احساس دلانے والے مولانا حالی ہی ہیں اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب۔

"اسے مرزا کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ انھیں حالی جیسا شاگرد نصیب ہوا جس کے قلم نے ان کی شاعری اور زندہ دلی کا پیغام جدید ہندوستان کے کانوں تک پہنچایا۔"

ایک دوسری خاص بات اس تذکرے کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں نفسیاتی تجزیئے کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقادان فن نے اس کو مرزا غالب کا جامع تذکرہ تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیونکہ سوانح نگار کا فرض ہے کہ اپنے ہیرو کی زندگی کے مسایل اور عقدہائے لاینحل کو اس کی شخصیت اور ذات کو نفسیاتی مطالعہ اور تجزیہ کے ذریعہ واضح کر کے ہر پیچیدگی اور الجھن کو دور کر دے اور مولانا حالی نے اس فرض سے پہلو تہی کی ہے

اس کے علاوہ ایک اور کمی ہے جو ایک عام قاری کو یادگار غالب میں محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی عبارت میں ایک قسم کی بیگانگی سی جھلکتی ہے اور عبارت کے انداز سے کسی طرح یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مصنف کسی ایسے شخص کا ذکر کر رہا ہے جس سے اس کو بے انتہا انسیت اور محبت ہے۔ اگرچہ سوانح نگاری میں ایک حد تک مصنف کا اپنے جذبے کو شامل نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ عبارت

Marfat.com

بکھر بیکا تھی ہو کر رہ جائے غالب جیسے زندہ دل اور خوش بیان
شاعر کے تذکرے میں اتنی بے کیف عبارت کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتی
۔ یادگار سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد نے غالب کے حالات
کافی تحقیق سے آب حیات میں پیش کئے ہیں۔ لیکن انھوں نے غالب
کی حقیقی عظمت کو یا تو جانا ہی نہ تھا یا اس کو نظر انداز کر دیا۔ مولانا
آزاد اپنے استاد ذوق کو فوقیت دینے کی دھن میں غالب کو ان کی سطح
سے بہت نیچے لے آئے ہیں۔ اور اس طرح وہ غالب کے اس پہلے
تذکرے میں ان کی سچی اور غیر جانب دارانہ تصویر کشی کرنے سے
قاصر رہے ہیں۔ لیکن حالی نے سعادت مندانہ اور شاگردانہ جذبہ کے
ماتحت لکھا ہے جس کے ماتحت آزاد نے اپنے استاد کو غالب پر
فوقیت دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حالی کا جذبہ زیادہ راسخ اور
بے ضرر تھا انھوں نے اپنے استاد کی عظمت کو معلم نو کروا دیا
لیکن اس سے کسی دوسرے کے رتبہ اور مقام کو ٹھیس بھی نہیں
لگنے دی۔ ان کی دوسری تصانیف کی طرح یادگار میں بھی غضب
کا توازن اور اصابت رائے پائی جاتی ہے اور جب یادگار غالب
کا مقابلہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم کی محاسن کلام غالب اور ڈاکٹر لطیف
صاحب کی کتاب سے کیا جاتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یادگار
جنت اور دوزخ کے درمیان ایک برزخ ہے۔ جس میں بڑے اعتدال
متانت اور احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف تو محاسن کلام

Marfat.com

غالب کے مصنف بجنوری۔ غالب کو ولی فلاسفر اور سائنس دان ثابت کرتے ہیں۔ اور ان کے کلام کو دید مقدس کا ہم پلہ بتاتے ہیں دوسری طرف لطیف صاحب غالب کو ایک عام انسان اور شعریت سے معرا ٹھہراتے ہیں۔ لیکن یادگار کا مصنف سنجیدہ اور متوازن مزاج اور فطرت کا مالک تھا وہ خود ایک مستند شاعر تھا۔ جس نے اردو شاعری میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ وہ قدر جوہر خوب جانتا تھا۔ مولانا کی یادگار اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے تذکرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شبلی نے سچ ہی کہا تھا کہ:۔

"مزار غالب کے حالات اور ریویو مولوی صاحب نے جس تفصیل سے لکھے ہیں اس کے بعد کسی اور کتاب کی کیا ضرورت ہے۔"

حیات جاوید: یہ مولانا حالی کی اہم ترین تصنیف ہے یہ کتاب ہر لحاظ سے بے حد اہم ہے۔ اور بقول مولوی عبدالحق صاحب

"تیسری کتاب حیات جاوید حالی کی سب سے بڑی اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس میں صرف سید احمد خان کی اس سیرت اس کے حالات اور کارناموں ہی کا بیان نہیں بلکہ ایک اعتبار سے مسلمانوں کے ایک صدی کے تمدن کی تاریخ ہے۔"

Marfat.com

یادِ حالی ۔ خطبہ صدارت ار دو جولائی ۵۰ء)

بحیثیت سوانح عمری کے یہ کتاب ادبی اہمیت رکھتی ہے
اور اس کے مطالعے سے ہی ہم حالی کے فن سوانح نگاری کے بارے
میں کوئی قطعی رائے دے سکتے ہیں۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے
یہ مصنف کے لئے مشکل ترین امتحان اور آزمائش ہے۔ اس کا ہیرو اپنے
مصنف کی نظر میں جس قدر اہم اور محبوب تھا اتنا ہی اس کو گرفت
میں لانا مشکل تھا۔

ایک ایسے شخص کی سوانح عمری لکھنا جس کی زندگی کا ہر لحظہ کچھ نہ کچھ
کرتے گزرا جو مجسم عمل اور سراپا خلوص تھا۔ جس کی تمام زندگی ایسی تگ
و دو میں گزری کہ اس کا حال اس سراسیمہ مسافر کا سا ہو کر رہ گیا
تھا جس کو چند منٹ کے اندر لا تعداد اور وزنی اسباب لے کر
گاڑی میں سوار ہونا ہو اور جس کی عجلت اور سراسیمگی کے متعلق خود مصنف
کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ۔

"سرسید کی حالت اس بے قرار آدمی کی طرح تھی جو گھر میں
آگ لگی دیکھ کر بے تابانہ ہمسایوں کو آگ بجھانے کے
لئے پکارتا ہے۔"

ایسی مصروف اور بے قرار زندگی میں جد و جہد مظاہرہ قوت
جھلاہٹ اور لغزشوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور یقینی امر تھا اور
ساتھ ہی ساتھ جس کی زندگی کے ہر لمحہ سے مصنف کو جذباتی۔

Marfat.com

وابستگی ہو اور وابستگی بھی کسی کہ وہ اپنے موضوع کی آنکھوں سے دیکھتا اسی کے کانوں سے سنتا اور اسی کی زبان سے بولتا ہے بہت ہی مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ ایسی سوانح عمری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بڑی فنکاری سنجیدگی اور صلاحیت درکار ہے۔ اور درحقیقت مولانا حالی اس فرض سے باوجود چند کوتاہیوں کے اس خوبی اور ہنرمندی سے عہدہ برآ ہوئے ہیں کہ جدید زمانے کے حقیقت پرست نقاد جو کہ کسی طرح کی بھی رعایت اور جانب داری کو حرام قرار دیتے ہیں۔ حیات جاوید کی اہمیت اور فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ مولوی عبدالحق اس کے متعلق یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ۔

"ہماری زبان میں یہ اعلیٰ اور مکمل نمونہ سوانح نگاری کا ہے۔" (یاد حالی خطبۂ صدارت اردو ۴۵ء)

ایسی سوانح عمری لکھتے وقت اور بھی دقت پیش آتی ہے جبکہ مصنف کی اپنی فطرت حد درجہ عیب پوش اور درگذر کرنے والی ہو۔ غرض کہ مولانا حالی کی راہ میں یہ تمام رکاوٹیں حائل تھیں اور بقول شیخ چاند۔

"بے چارے خوش صفات خاموش مزاج سنجیدہ دماغ حالی کے حصہ میں وہ ایسی سوانح عمریاں آئیں جن کے اشخاص ان کے معاصرین تھے۔ اور اپنی سطح سے بلند۔"
(رسالہ اردو ۴۵ء)

Marfat.com

لیکن انھوں نے تمام کشمکش اور مشکلات کے باوجود اس ـ خیال سے کہ سچ اور صرف سچ ہی میں یہ کرامت ہے ـ کہ جس قدر اس کی زیادہ کرید کی جاتی ہے اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب سے ظاہر ہوتے ہیں ـ " (حیات جاوید)

فیصلہ کرلیا کہ سرسید کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کریں گے ـ اور جہاں موقع ہوگا نکتہ چینی سے کام لینے میں بھی گریز نہیں کریں گے ـ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ مذاق عامہ ابھی اپنے ناموروں اور اشخاص سوانح کے متعلق نکتہ چینی کے لئے آمادہ نہیں ہوا ـ نکتہ چینی کی بناؤ ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں ـ

" اس شخص کی زندگی پر لکھنا جس نے چالیس برس جہالت اور تعصب کا سامنا کیا ہے ـ قوم کے بچے پھوڑوں کو چھیڑنا ہے کڑوی دوائیں پلاتی ہیں ـ "

اس کے علاوہ انھوں نے اپنی نکتہ چینی کے جواز میں یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ ـ

" وہ ہم میں پہلا شخص ہے جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے ـ اس لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اسی کی زندگی میں اس کی پیروی کی جائے اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے ـ "

اس نہج کی سوانح عمری کی تصنیف کے لئے مولانا نے ان تمام

Marfat.com

ذرائع سے بڑے سلیقہ اور احتیاط سے کام لیا جو سوانح نگاری کے سلسلہ میں کام آ سکتے تھے اور جن کی مدد سے ایک بلند پایہ سوانح عمری تیار کی جا سکتی ہے انھوں نے ۱۸۹۶ء میں اسی غرض سے علی گڑھ میں قیام کیا اور اس وسیع ذخیرۂ معلومات سے فائدہ اٹھایا جو وہاں موجود تھا۔ اس سلسلہ میں منشی سراج الدین صاحب کا مسودہ بھی حاصل کر لیا۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سرسید کی جملہ تصانیف خطوط دوستوں کے بیانات انگریزی اخباروں موافق رسالوں اور مدبران سلطنت کی تحریروں کا ایک ایک حرف پڑھا اور اس کے مفید مطالب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

کتاب کے دو حصے ہیں: تاریخی ترتیب کے لحاظ سے زندگی کے حالات اور کارناموں کا بیان اور دوسرے میں کارناموں پر تبصرہ اور مجموعی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا ہے۔

مولانا حالی نے سرسید کی خارجی اور بیرونی زندگی کے تمام پہلوؤں اور واقعات کو بیان کیا ہے۔ اور اپنی اس جامع تصنیف میں مصنف اپنے ہیرو کی زندگی کے ہر ہر قدم پر اس کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ اس نے اپنے ہیرو کی زندگی کے ہر ہر لمحہ کو اتنا ہی عزیز اور گراں قدر جانتا ہے جتنا وہ خود ہیرو کی نظر میں ہوگا۔

مولانا حالی نے سید صاحب کے خاندانی حالات سے لے کر ان کی رحلت تک کے واقعات کو بڑی ترتیب اور خوبی سے پیش کیا ہے

Marfat.com

سید صاحب کے بچپن کے حالات خاندانی طور و طریق اور عام شرفائے دہلی کے رسم و رواج بڑی صراحت اور پاکیزگی سے بیان کئے ہیں۔ غرض حیات جاوید میں ہم سید صاحب کی زندگی کے ہر دور کے متعلق دلچسپ اور پیراز معلومات جزئیات اس طرح ملتی جلتی ہیں کہ ان کی شخصیت کی تدریجی ترقی اور رفتار خود بخود سامنے آتی چلی جاتی ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے پر اکثر اعتراضات کئے گئے ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ باوجود اس دعوے کے کہ حیات جاوید کی بنا نکتہ چینی پر رکھی گئی ہے اور جہاں کہیں ممکن ہوگا اس سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ مولانا حالی اس سلسلہ میں ناکام ہی نہیں رہے بلکہ انھوں نے اس سے دیدہ و دانستہ گریز کیا ہے۔ اور جہاں کہیں ان کی کوئی کمزوری یا قابل گرفت بات بیان کی ہے فوراً اس کے جواز کے لئے کوئی دلیل بھی لے آئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اعلیٰ سوانح نگاری کے منافی ہے۔ سوانح نگاری میں موضوع سے ہمدردی کے یہ معنی نہیں کہ موضوع کی ہر کمزوری کو اس کی بڑائی ثابت کریں اور ان کے متعلق تاویلات پیش کی جائیں۔ معترضین میں سب سے پہلا نام مولانا شبلی کا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> حیات جاوید میں مولانا حالی نے "سید صاحب" کی ایک رخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے

Marfat.com

لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب
برباد ہو جائیں۔" (افادات مہدی صفحہ ۳۱۴)
اسی طرح مولانا شبلی حیات جاوید پر تذلل حالی کا بھی اعتراض وارد
کرتے ہیں۔

دراصل مولانا حالی کا یہ فعل اتنا سخت اور سنگین نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے۔
انھوں نے ضمناً ان کی کمزوریوں اور لغزشوں کا ذکر کر ہی دیا ہے۔ جو سید صاحب سے
خصوصاً آخری عمر میں سرزد ہوئیں۔ مثلاً بعض معاملات میں ان کی ضد اور جارحانہ
کارروائیاں اور دھمکیاں وغیرہ وغیرہ البتہ ایک بے اعتدالی یا لغزش جو مولانا سے
ہوئی یہ ہے کہ انھوں نے معاملات کو سرسید کے ذہن و فکر کی روشنی میں دیکھ کر ان
کے اختلاطات کے جواز کی دلیلیں بھی پیش کر دی ہیں۔ یہ چیز کسی سوانح عمری کی فنی خامی
میں شمار کی جاتی ہے۔ لیکن کسی سوانح نگار سے یہ توقع بھی عبث ہے کہ وہ اپنے
موضوع کے نامۂ اعمال میں باقاعدہ ایک باب اس فرد جرم کا بھی شامل کرے گا
بلکہ ایک ہمدرد اور ایک کامیاب سوانح نگار سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہمدردی
کے ساتھ اس کی کمزوریوں کا تجزیہ کرے اور اس امر پہ روشنی ڈالے کہ اس
لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا

سوانح نگاری کے جدید تصور کی بنا پر حیات جاوید پہ ایک اعتراض
اور بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس میں صاحب سوانح کی شخصیت کے باطن ان
کے ذہنی ارتقار اور ان کے محرکات اعمال سے بحث نہیں کی گئی۔ دراصل یہ
ایک بڑی کمی ہے جو حیات جاوید جیسی اعلیٰ اور جامع تصنیف میں کھٹکتی

Marfat.com

ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اس عنصر کی تلاش عبث ہے کیونکہ حالی کے زمانے تک سوچنے کا یہ انداز اچھی طرح ابھرا نہ تھا۔ بلکہ شاید اس وقت تک ظہور میں بھی نہ آیا تھا۔ ان کے زمانے تک سوانح عمری کسی شخص کی زندگی کے ظاہری نقوش سے عبارت تھی۔ باوجود اس عنصر کی ظاہری کمی کے حالی کے پیش کردہ مرقعے ہیں، ہم اس سیماب مجسم کو زندہ اور متحرک دیکھتے ہیں۔ اور اس کی تمام ذہنی اور فکری کش مکش ہم پر واضح ہو جاتی ہے۔ جس نے مدت العمر اس کو ایک بے چین اور مضطرب موج کی طرح پریشان رکھا۔ حیات جاوید کے اعلیٰ اور مکمل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آج بھی ہمارے جدید سوانح نگاروں کو سرسید کے بارے میں لکھتے وقت حیات جاوید کے قدرے کمزور لیکن مستند سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

حالی کی تینوں سوانحی تصانیف کے جائزے اور محاکمہ کے بعد بھی ان کے فن سوانح نگاری کے بارے میں مجموعی طور پر کچھ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان میں چند نمایاں خامیاں بھی موجود ہیں۔ اور سوانح کے زبردست فنکارانہ محاسن بھی ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حالی نے ایک کامیاب اور سچے فنکار کی طرح اپنی تصنیفات سے موضوعات کا بڑا موزوں اور مناسب انتخاب کیا ہے۔ اور اپنی سوانح نگاری کے لئے وہی ہیرو منتخب کئے ہیں۔ جن سے خود ان کو طبعی مناسبت اور لگاؤ تھا۔ حیات سعدی کے جائزے کے سلسلے میں یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے

Marfat.com

کہ سعدی اور حالی میں کئی طبعی مناسبتیں تھیں۔ ہر دو اپنے وقت کے بڑے شاعر اور زبردست نثار تھے اسی طرح دونوں کا اسلوب بھی مماثلت رکھتا ہے۔ اسی طرح یادگار غالب کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مولانا کو اپنے اس ہیرو سے کس درجہ قرب و یگانگت حاصل تھی۔ اور استادی اور شاگردی کا دلچسپ اور مضبوط رشتہ اور بھی زیادہ اس حسن انتخاب کا باعث بن گیا۔ پھر ہم کو حالی کے فنکارانہ کمال کا اس وقت اور بھی زیادہ احساس ہوتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حالی باہمہ سنجیدگی اور متانتِ ذاتی غالب کی شگفتگی اور بذلہ سنجی کے دل سے قدردان تھے اور اس کو اپنی مقصدیت کے لئے ایک افادی چیز سمجھ کر انھوں نے پیش کیا۔ اور حیات جاوید کے ہیرو کے تو رنگ میں وہ خود ہی رنگے ہوئے تھے۔

حالی کی تصانیف میں شخصیت کی ہو بہو تصویر یا یادگاری عناصر کے غلبہ کی تلاش بے سود ہے۔ ان کا مقصد کسی شخصیت کی تصویر کشی یا یادگار قائم کرنا ہونا ہی نہ تھا۔ وہ تو ان عناصر کو اپنی مقصدیت میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرنے کے لئے ضمناً استعمال کرتے تھے۔ اور یہ ان کا فنی کمال ہے کہ اس ضمنی بیان میں وہ خاصے زندہ اور واضح مرقعے پیش کر گئے ہیں۔ لیکن دراصل ان کا مقصد اصلی سوانح نگاری کے ذریعے قومی بیداری ترقی اور اصلاح تھا جسے زمانے میں قوم اور سنی دونوں نظام اور تقابل اعتنا تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسدس کا مصنف جب اپنے خیالات کو شعر کا جامہ پہناتا ہے تو اس سے اردو شاعری کی تزئین اس درجہ مقصد وہ نہیں ہے جس قدر اس لباس میں مقصدیت کو

Marfat.com

حسین اور دلکش بنا کر پیش کرنا تھا پیش نظر باب کے اولین اوراق میں مولانا حالی کے تصور سوانح نگاری کو واضح کرنے کے لئے حیات سعدی یادگار غالب اور حیات جاوید کے دیباچوں کے اقتباسات سے اس امر کی وضاحت ہو چکی ہے کہ ان کا مقصد اس سے قومی بیداری ہے اور ایسے لوگوں کی سوانح حیات پیش کرنا ہے ۔ جو دوسروں میں بھی ذوق عمل بیدار کر سکیں ۔ ان تمام اقتباسات سے جو نتائج بر آمد ہوئے تھے یہاں ان کا دہرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ مولانا حالی کے نزدیک سوانح عمری مندرجہ ذیل فوائد کی حامل ہے ۔

۱۔ بے کرانی تازیانۂ عبرت ہے ۔

۲۔ اس سے سوئی ہوئی پسماندہ قوموں کی رگ حمیت بیدار ہوتی ہے

۳۔ نیکی کی تحریک ہوتی ہے ۔

۴۔ اچھائی برائی میں تمیز ہوتی ۔

۵۔ اس کا مطالعہ بڑے بڑے کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے ۔

مولانا حالی سوانح عمری کے ذریعہ قوم کے اندر ایک غل مچانا چاہتے تھے کہ جاؤ تم ایسے ہی کام کرو ۔ چنانچہ انھوں نے غل مچایا ۔

یہی وجہ ہے کہ حالی نے تھوڑے بہت شخصیت کے جو نقشے پیش کئے ہیں وہ فنی اعتبار سے ناقص ہیں ۔ ہم ان کے ہیرو کی اسی شخصیت سے لطف اندوز ہو سکے ہیں ۔ جو جلوت میں اور منظر عام پر نظر آتی ہے حالی شخصیت کے اس پہلو کو بڑی فراخدلی سے پیش کرتے ہیں ۔ دوسروں کو

Marfat.com

اس کے نزدیک لاتے ہیں اور اس کے فائدہ اٹھانے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ لیکن خلوت کی زندگی میں وہ ہمیں بار بار یہ اذن نہیں دیتے اور ایک چوکس اور فرض شناس دربان کی طرح پس پردہ کم ہے کم جھانکنے کا موقع دیتے ہیں۔ حالی شرافت اور خطاپوشی کے محاسن کو تو بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن بشری کمزوریوں کا تذکرہ کرنے نہیں دیتے اور ان کا قلم بار بار پکڑ لیتے ہیں۔ اور وہ عذر گناہ کے طور پہ وقت اور مذاق عامہ کے تقاضے کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

"ابھی وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بایوگرافی کریٹکل طریقے سے لکھی جائے اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں اس کے اعلیٰ خیالات کے دوش اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔" (حیات جاوید دیباچہ)

حالی کی سوانح عمریوں میں ایک نقص یہ بھی ہے کہ ان میں تنقیدی پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یادگار غالب کو ایک ناقص سوانح عمری ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ اس میں مصنف نے یہ کہنے کے باوجود کہ اس کے موضوع میں اگرچہ کوئی خاص بات اور اس کی زندگی میں کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں ہے۔ پھر بھی اس کی زندہ دلی خوش طبعی کو خاطر خواہ طریقے پر پیش نہیں کیا۔ اور مولانا حالی، غالب کی زندگی کی بعض اہم اور دلچسپ جزئیات نظر انداز کر گئے ہیں۔

یہی بات حیات سعدی میں ہے اور حیات جاوید کے اس تنقیدی

Marfat.com

صہ کا طوالت بنے تو اس کے سوانح نگارانہ فن پر زبردست اثر ڈالا ہے ورنہ یہ اعلیٰ بیوگرافی سے بہت قریب ہے۔

جزئیات کے انتخاب اور صداقت کی تلاش میں حالی کسی سوانح نگار سے پیچھے نہیں۔ اور حیات سعدی کی تصنیف میں تاریخی مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں ان کو تحقیق کی جن دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑا اور جو سعی اٹھانا پڑی اس کا ذکر حیات سعدی کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔

درحقیقت مولانا عبدالحق نے یہ کہا ہے کہ انھوں نے سعدی کے کلام سے ذرہ ذرہ رس چوس کر شہد کی مکھی کی طرح یہ مواد فراہم کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے معاصرین غالب اور سرسید کی سوانح عمریوں میں تحقیق و تلاش سے کام لیا اور باوجود ان لوگوں سے قرب و یگانگت کے تاریخی واقعات اور حالات کو بڑی تحقیق اور محنت سے جمع کیا۔ اور ان کے دیباچوں میں اپنی اس تلاش اور تحقیق کا ذکر بھی کیا ہے۔

ان کا اسلوب بیان اس درجہ رواں اور موضوع سے دلچسپی پیدا کرنے والا ہے کہ پڑھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ حالی طبعاً سوانح نگار تھے ان کے جذبہ جہر بیت کا ہر ہر قدم پر احساس ہوتا ہے وہ اپنی تشبیہوں اور تمثیلوں سے اسلوب کو مانوس اور دلنشین بناتے ہیں۔ انکے اشخاص سوانح نگاری طلی لوگ ہیں اور ان کا انداز بیان انکے شایان شان ہے اور وہ شان و شوکت نہیں ہے جو شبلی کے بیان میں نظر آتی ہے حالی کے تمثیلوں کا انکی عام انشاء اور سوانح عمریوں کی مقبولیت میں بڑا حصہ ہے اپنی کوتاہیوں کے باوجود حالی اردو کے بہترین سوانح نگار ہیں۔

Marfat.com

چوتھا باب

شبلی اور ان کا فن سوانح نگاری

نیک خصال اور سلیم الطبع حالی کی سوانح عمریوں نے اردو میں سوانح نگاری کا باب کھول دیا۔ اور مولانا حالی کے معاصرین میں ایک کثیر تعداد نے اس صنفِ ادب پر قلم اٹھایا اور بکثرت سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ ان تمام لکھنے والوں کا نقطۂ نظر سوانح نگاری کے متعلق افادی اور مقصدی تھا۔ اور دوسری اصناف ادب کی طرح سوانح نگاری کو بھی قومی تعمیر اور مناظرانہ مقاصد کے لئے کام میں لایا گیا۔ خصوصاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگار خاص طور پر آپؐ کی سیرت کو مناظرانہ مقاصد کے لئے کام میں لائے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سوانح عمریاں اس انداز میں لکھی گئیں کہ ایک طرف تو آں حضرتؐ کی عظمت اور خاتم النبیین اور اشرف الانبیاء ہونے کے دلائل اور صداقت کا اس۔

Marfat.com

اس طرح ثبوت دیا گیا کہ غیر مسلموں کے اعتراضات اور حملوں کے جوابات بھی ہو جائیں۔

اس مناظرانہ سیرت نگاری کے علاوہ دوسرے موضوعات کو بھی سوانح عمریوں کے لئے منتخب کیا گیا۔ ان انتخابات میں مصنفین کے مزاج ماحول علمیت عادات اور مشاغل کو زبردست دخل تھا۔ غرض ہر مصنف نے اپنے موضوعات کا انتخاب اپنے فطری تقاضوں اور مناسبت طبع کے مطابق کیا۔

اُردو سوانح نگاری کے آسمان پر ان چھوٹے چھوٹے تاروں کے جھرمٹ میں ہمیں ایک روشن اور درخشاں قطب تارا بھی نظر آتا ہے جس کی نور بیز کرنیں آنکھوں میں چکا چوندی پیدا کر دیتی ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی کی روشن اور پر جلال شخصیت اس دور کی سوانح نگاری پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ ان کے معاصرین کی نوشتہ سوانح عمریوں کی حیثیت ضمنی اور ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ شبلی کی بوقلموں طبیعت کی نیرنگیوں سے ہماری دنیائے ادب میں کون واقف نہیں۔ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی وسعتیں بے کنار ہیں۔ جس میں طوفان بھی پوشیدہ ہیں۔ جس کی پر سکون لہروں پر بہتے ہوئے جہاز صحیح وسالم کنارے بھی جا لگتے ہیں۔ جس میں چاند کی گھٹتی بڑھتی کرنیں مدوجزر بھی پیدا کرتی ہیں۔ اور جس کو تنگنائوں سے گزرنا بھی اتنا ہی مرغوب ہے۔ جتنا چٹانوں سے ٹکرانا۔

شبلی کی زندگی میں اتنے اتار چڑھاؤ اور اتنے پیچ وخم ہیں کہ بعض

Marfat.com

وقت ان کو سمجھنا بھی محال ہو جاتا ہے وہ اپنے زندگی بھر متضاد ماحول خیالات اور کیفیتوں سے دوچار ہوتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی باتوں میں عجیب کا تضاد ملے گا۔ وہ اپنے زمانے کا تجزیہ صحیح طور پر نہ کر سکے اور اسی وجہ سے

"شبلی علی گڑھ میں ایک عمر گذارنے کے بعد بھی علی گڑھ کے نقطہ نظر کو سمجھنے سے قاصر رہے۔"

(شبلی از خورشید الاسلام علی گڑھ میگزین ۵۴ء)

شبلی کی زندگی میں جتنا تضاد ہے اتنے ہی وہ عظیم نظر آتے ہیں اور وہ اسی اندر رنجیدہ اور شکستہ خاطر رہے اور بقول خورشید الاسلام وہ اپنے ماحول میں ایک ناکام دیوزاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بندول ضلع اعظم گڑھ کا یہ مایہ ناز فرزند انقلاب ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا اور دوسرے انقلاب ۱۹۱۴ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہوا ستاون برس کے اس مختصر یا طویل عرصہ حیات کے زمانے نے شبلی کو کیا کیا رنگ نہ دکھائے۔ والد کا دوسری شادی کر لینا اور کم سن شبلی کا اپنی ماں کی مظلومی اور بدسلوکی پر کڑھنا مشرقی علوم کا حصول جس کو کہ وہ زندگی کی معراج سمجھتے تھے اور پھر اس کی ناقدری کا بھی مزہ اٹھانا وکالت کے امتحان میں ناکامی پھر معاش کے سلسلہ میں تنگی و پریشانی۔ بالآخر زندگی کا بالکل ایک نیا موڑ یعنی علی گڑھ کا جانا اور سرسید احمد خان سے تعارف علی گڑھ کی پروفیسری اور وہاں رہ کر ذہنی اور فکری انقلاب کا آنا یکے بعد دیگرے قابل اور مایہ ناز بھائیوں کی دائمی جدائی کا صدمہ پاؤں کا

Marfat.com

کھٹنا۔ ممالک اسلامیہ کی سیاحت ۔ ندوۃ العلمار سے وابستگی اور اس کے متعلق جھگڑے اور ان سب کے ساتھ ہی ساتھ عطیہ بیگم اور ان کے خاندان کی صحبتیں۔ گویا کہ مشرق اور مغرب کے آخری سروں کا باہم ملنا اپنے مکتوبات میں بمبئی کی فضاؤں اپالو اور جوہو کی ۔ رومان پرور ہواؤں کا ذکر۔ غرض اس مختصر عرصہ حیات میں ہم کو واقعات و اتفاقات کا ہجوم نظر آتا ہے۔

واقعات اور اتفاقات کا شبلی کی زندگی میں کچھ ہی حصہ کیوں نہ ہو ان سے شبلی کی زندگی میں کتنی ہی الجھنیں کیوں نہ پیدا ہو گئی ہوں خواہ یہ ان کی لغزشیں ہوں یا بڑے غور و فکر کے بعد دیدہ و دانستہ ان سے سرزد ہو گئی ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کا ان انقلابات کا ان کی شخصیت اور اسلوب کی تعمیر میں زبردست ہاتھ ہے۔

شبلی کے حالات زندگی بتاتے ہیں کہ ان کی تعلیم مشرقی طرز پر ہوئی تھی انھوں نے پہلے اعظم گڑھ کے مولوی شکر اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور پھر مولوی محمد فاروق چڑیا کوٹی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی سے بھی درس لیا ہے آخر میں شبلی کی تشنگیٔ علم ان کو لاہور لے گئی ۔ اور مولانا فیض الحسن صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور سے درس لیا۔ اگرچہ شبلی نے اپنے وقت کے چار مستند علمار کی شاگردی کی تھی لیکن ان پر سب سے زیادہ اثر مولوی محمد فاروق کا تھا۔ کیونکہ ان کی صحبت میں عرصہ تک رہے تھے مولوی صاحب موصوف کی اپنے ہونہار شاگرد پر خاص نظر عنایت تھی ۔ اس شفقت اور محبت کا

Marfat.com

یہی نتیجہ تھا کہ شبلی نے اپنی فکر و نظر کو اپنے استاد کے سانچے ہی میں ڈھال لیا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب علوم و ادب سے آراستہ ہو کر زندگی میں قدم رکھا تو۔

"شبلی کی ابتدا یہ تھی کہ انھیں دنیا میں وہابیوں کی تردید سے زیادہ کوئی شغلہ دلچسپ نظر نہ آتا تھا۔"

(ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب اور شبلی کالج میگزین)

اس بارے میں ان کی سرگرمی اور انہماک اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ سید سلیمان ندوی حیات شبلی میں لکھتے ہیں کہ جب مولانا سنتے کہ فلاں گاؤں یا قصبہ میں کوئی وہابی ہو گیا ہے۔ تو اسی وقت گھوڑے پر بیٹھ کر اس گاؤں میں پہونچتے اور مناظرے کا چیلنج دیتے غرض یہ کہ اس نوجوان مولوی کی تمام تر ذہانتیں اور صلاحیتیں ان فروعی اور جزئیاتی مسائل اور اختلافات میں صرف ہو رہی تھیں۔ اور کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ کہ یہی چھوٹی چھوٹی جزئیات پر بصند ہونے والا تنگ نظر مولوی ایک دن بہترین مصلح ادب اور نقاد اسلامیات بنے گا۔ لیکن ۱۸۸۲ء شبلی کی زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا باعث بن گیا جبکہ وہ اپنے بھائی مہدی کو کالج میں داخل کرانے کے لئے علی گڑھ گئے۔ اور وہاں سر سید احمد خان سے متعارف ہوئے دونوں کی مردم شناس نظروں نے ایک دوسرے کے جوہر ذاتی کو پرکھ لیا۔ اور سید صاحب کا تو دل گویا بے اختیار پکار اٹھا ع۔

"آمد آں یارے کہ ما می خواستیم"

Marfat.com

چنانچہ سید صاحب نے فوراً شبلی کو عربی اور فارسی کے پروفیسر کے عہدے کی پیش کش کی۔ جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ اگر شبلی اس کو قبول نہ کرتے تو بہت ممکن تھا کہ شبلی گمنامی کے تاریک غار ہی میں رہ جاتے اور مقلد اور غیر مقلد کی دلدل ہی میں پھنسے رہتے۔ علی گڑھ کی علمی فضا سر سید کی مخلص اور مجسم عمل صحبت نے شبلی کی آنکھیں کھول دیں۔ یہاں آکر ان کو زمانے کی رفتار وقت کے بہاؤ اور قومی تقاضوں کا احساس ہوا اور ان کے زاویہ ہائے نظر اور انداز فکر میں سبز تبدیلی ہوگئی۔

شبلی کی فکر جدید میں سید صاحب کے کتب خانے کا زبردست حصہ ہے سید صاحب کا کتب خانہ مشرق و مغرب کی بہترین کتابوں کا مجموعہ تھا۔ انھوں نے شبلی کے ذوق علم کو دیکھ کر ان کو اپنے کتب خانے سے استفادہ اٹھانے کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں جس حالت میں ہوں اچھا ہوں سید صاحب نے کتب خانے کی نسبت مجھے عام اجازت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے مجھے کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے۔ (مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۰)

سید صاحب کے کتب خانے کے علاوہ ان کے علمی حلقہ میں پریچنگ آف اسلام کے مصنف آرنلڈ صاحب بھی تھے شبلی کے ان سے بہت اچھے تعلقات تھے شبلی نے ان سے فرنچ زبان سیکھی اور ان

Marfat.com

کو عربی پڑھائی آرنلڈ صاحب نے پریچنگ آف اسلام کی تصنیف میں شبلی سے بڑی مدد لی۔ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہی تھا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اپنی دل نشین تعلیمات سادہ اور مخلص اصولوں کی بنا پر پھیلا ہے مولانا شبلی اور آرنلڈ جہاز پر ہم سفر بھی رہے اور آپس میں ایک دوسرے پر اظہار خیالات وغیرہ کرتے رہتے تھے۔

آرنلڈ کے علاوہ ڈاکٹر لائنز کی کتاب سینن السلام نے بھی شبلی کو متاثر کیا اور اس کے مطالعہ سے وہ پہلی مرتبہ مغربی طرز تالیف کے دل دادہ ہوئے یورپ کی خدمات اور علوم اسلامیہ کی قدر دانی اور نادر کتب کی اشاعت نے ان کے دل سے اس تعصب کو دور کر دیا جو ان کے دل میں مغرب کے خلاف تھا۔

غرض اس طرح رفتہ رفتہ شبلی کے زاویہ نظر انداز فکر اور اسلوب میں دبے پاؤں ایک انقلاب آتا ہے اور اس میں وسعت اور روشنی پیدا ہوتی گئی۔ اب شبلی نئی تعلیم اور جدید علوم کے اتنے شدید دشمن نہ رہے جتنے کہ پہلے تھے بلکہ وہ اب ان کو خصوصاً انگریزی کو اپنے مجوزہ نصاب اور طریق تعلیم میں جگہ دینے پر تیار نظر آتے تھے ان کا نظریہ تعلیم علی گڑھ میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد اس قدر بدل گیا تھا کہ وہ قدیم کو جدید کی مدد سے زیادہ روشن واضح اور زیادہ دلکش بنا دینا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب "الفاروق" کی تصنیف

Marfat.com

کے سلسلہ میں انھوں نے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور وہاں اسی قدیم طریق تعلیم کو پس پشت دیکھا تو وہ بے تاب ہو گئے اور سرسید احمد خان کے نام ایک مکتوب میں نہ صرف افسوس کا اظہار کیا ہے۔ بلکہ اپنے نظریئے اور خیال کی اہمیت پر زور بھی دیا ہے۔

افسوس ہے کہ عربی تعلیم کا پیمانہ یہاں بھی بہت چھوٹا ہے اور جو قدیم طریقہ تعلیم تھا۔ اس میں یورپ کا ذرا پر تو نہیں جدید تعلیم وسعت کے ساتھ ہے۔ لیکن دونوں کی حد و دیوار رکھی گئی ہیں اور جب تک دونوں کے ڈانڈے نہ ملیں کے اصلی ترقی نہ ہو گی یہی کمی تو ہمارے ملک میں ہے۔ جس کا رونا ہے"

از مکتوبات شبلی باب عالی قسطنطنیہ ۵ اجون ۱۸۹۲ء

غرض قدیم و جدید کی تخمیر سے ایک نیا طریق تعلیم رائج کرنے کی دھن میں انھوں نے اپنی بہت سی صلاحیتوں کو دھکا پہنچایا اور بہت سے کارنامے بھی سرانجام دیئے وہ اسلامی عظمت کے پرستاروں میں تھے اور ہمیشہ اسلام کی برتری اور عظمت کو ثابت کرنے کی دھن میں رہتے تھے۔ چنانچہ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے سلسلہ ناموران اسلام کی تصنیف اور تالیف شروع کی شبلی نے ناموران اسلام میں سے موضوعات کا انتخاب اپنی ذہنیت اپنے مزاج اور افتاد طبع ہی کے مطابق کیا۔ انھوں نے سوانح نگاری کیلئے اپنے موضوعات کو منتخب کیا۔ جن میں ان کو اپنی آرزوؤں کی تکمیل نظر آتی تھی جن کی شخصیتوں کے پرتو میں وہ تمام اوصاف پائے تھے جن کا حامل وہ خود اپنی شخصیت کو دیکھنا چاہتے تھے

Marfat.com

وہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوئے تھے جب قومی زوال ہر ذی حس مسلمان کے دل میں خلش بن کر کھٹک رہا تھا۔ اور یہ وہ وقت تھا جبکہ

وہ بلبلیں بھی باروں کی صف میں آکھڑی ہوتی تھیں۔

(موج کوثر صفحہ ۳۰)

چنانچہ اس زوال کے خلاف وہ بھی برسرِ پیکار ہوئے۔ مگر ان کا مزاج ایک حساس فنکار کا مزاج تھا۔ ان کا دل شاعر کا تھا۔ وہ انفرادیت پسند اور شاہانہ مزاج کے مالک تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے الفاظ میں سرمستی اور گرمی پائی جاتی ہے۔

ان تمام خصوصیات نے مل کر ان کے اسلوب میں بڑا انوکھا پن اور بوقلمونی پیدا کر دی ہے۔ اور وہ تاریخ و فلسفہ کے خشک موضوعات کو بھی اپنے قلم کی مناسب اور باموقعہ رنگینی سے گوارا بنا دیتے ہیں۔

شبلی کے سوانحی موضوعات حالی کے موضوعات کی طرح خاموش اور نسبتاً سہل نہیں ہیں۔ شبلی کو چٹانوں سے ٹکرانے میں مزا آتا تھا۔ وہ شیروں کی کچھاروں میں گھس جانے کے قائل تھے۔ ساتھ ہی ان کی شاہانہ طبیعت محلات کے نظاروں سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے وہ موضوعات منتخب کئے جن کی عظمت و جلال کے آگے بڑے بڑے سر جھک چکے تھے۔ انھوں نے فاروقِ اعظم رضہ کی سوانح عمری منتخب کی۔ سوانح اور شاہانِ اسلام میں ان کی نظرِ انتخاب دورِ عباسیہ پر پڑی جس میں۔

Marfat.com

«روم و ایران کی فضائیں زبیدہ کے محلات میں سمٹ آئی تھیں» (خورشید الاسلام علی گڑھ میگزین ۵۸ھ)

علماء میں انھوں نے امام ابو حنیفہ اور امام غزالی کو منتخب کیا۔

شبلی کی تصانیف کا آغاز ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ کے قیام کے دوران میں ہوا مولانا کو محسوس ہوا کہ انگریز مورخین اسلامی تاریخ کو اس پیرائے میں پیش کر رہے ہیں۔ کہ نئی تعلیم یافتہ نسل کو نہ صرف اپنی تواریخ سے نفرت اور شرم آنے لگے گی بلکہ اس سے ان کے قومی افتخار کو ایسا صدمہ پہونچے گا۔ کہ ان کے فکری اور ذہنی قوی ہمیشہ کے لئے معطل ہو جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے سلسلۂ ناموران سلام کے ماتحت سوانح نگاری کا کام شروع کیا اور «حیات سعدی کے بعد اردو زبان کی دوسری نئی طرز کی سوانح عمری المامون ہے اور مولانا شبلی کی مستقل تصنیف»

(حیات شبلی صفحہ ۱۷۲)

انھوں نے ناموران اسلام کی جو فہرست بنائی تھی اس ترتیب کے لحاظ سے ہارون الرشید کا نام تیسرے نمبر پر تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہر بات میں تحقیق مطالعے روایت اور درایت کا التزام رکھتے تھے۔ اس لئے یہ پابندی ان کے بس کا کام نہ تھی۔ اور انھوں نے مناسب یہی سمجھا کہ جس موضوع کے مطالعہ سے مواد مل جائے اسی کو پہلے لکھیں گے چنانچہ انھوں نے المامون ہی میں اس کا اعلان کر دیا تھا کہ «آئندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کرسکوں» (دیباچہ المامون صفحہ ۵)

Marfat.com

المامون دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ میں مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات تک۔ پورے حالات درج ہیں اور دوسرے حصے سے ملکی حالات اور مامون کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوتا ہے۔ "المامون" کے مطالعہ سے فوراً ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی تصنیف سے مصنف کا مقصد خالص سوانح نگارانہ نہ تھا بلکہ انھوں نے یہ التزام رکھا تھا کہ "تاریخ کے ساتھ لا الف کا مذاق بھی موجود ہو۔"

(دیباچہ المامون صفحہ ۴)

اور انھوں نے فوراً اعتراف کیا ہے کہ

"یہ حصہ جو قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے۔" (دیباچہ صفحہ ۵)

چنانچہ اس میں ہم کو سوانح کی صرف جھلکیاں نظر آتی ہیں ہم کو اس سے مامون کے عہد کی تاریخ خانہ جنگیوں سیاسی واقعات کا بہ نسبت اس کی سیرت کے زیادہ اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔ تاہم انھوں نے جس محنت سے تاریخی واقعات اور شواہد کی تلاش کی ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ کا مرقع دیانت دارانہ طریقہ پر پیش کرنا چاہتے تھے اور ایک انسان کی حیثیت سے انھوں نے اس کی بشری خصوصیات پر نکتہ چینی بھی کی ہے اور ان کی صداقت پسندی نے ان کو اپنے پسندیدہ اور محبوب ہیرو کے متعلق یہ کہنے پر مجبور کر دیا۔

Marfat.com

"اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رفیق القلب شخص کو بھی سنگ دل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور خوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔"
(المامون صفحہ ۴۶)

اسی طرح اس کا درجۂ اعتدال سے بڑھا ہوا عفو و درگذر خراسان کے امور مملکت سے غفلت اس کے مذہبی عقیدوں میں تضاد کنیزوں اور لونڈیوں سے شغف لیکن ساتھ ہی ہر موقع پہ اس کی شرافت اور محاسن کو بھی دل کھول کر مثالی کردار بنا دیا ہے اور اس دھن میں اس کی خلاف شرع باتوں کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ ان کی تنقید کا انداز رکا ہوا ہے۔ اور کہیں بھی کھل کر تنقید نہیں کی۔

شبلی نے دلچسپ حکایتوں کی تکنیک سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور موضوع کو خشکی اور بے کیفی سے بچا لیا ہے جہاں کہیں ان کو احساس ہوتا ہے کہ قاری کا ذہن ٹھوس تاریخی حقائق سے بیزار ہو رہا ہے۔ وہ ایسی بات لکھ دیتے ہیں جو دوبارہ قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے مثلاً ملک کی آبادی امن و اماں اور مامون کی بیدار مغزی عدل و انصاف اور غیر قوموں کے حقوق کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچانے وقت ان کو اس کا شدید احساس ہوتا ہے اور وہ مختلف واقعات سے مثالیں دے کر موضوع کو دلچسپ اور خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کہیں کہیں شاعر مزاج شبلی کا قلم بڑی سبک روی سے چلنے لگتا ہے۔ اور قاری مسحور ہو کر اس کے پیچھے

Marfat.com

پیچھے چلنے لگتا ہے۔ چنانچہ المامون میں بھی گاہے گاہے وہ ہمیں مدینۃ السلام بغداد کی سیر کراتے ہوئے زبیدہ اور ہارون کے محلوں کی الف لیلوی فضاؤں میں لے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھتا ہے بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دور شراب چل رہا ہے۔ گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدمست ہوجاتے ہیں۔"

(المامون صفحہ ۱۵۸)

لیکن اس سب کے باوجود پوری کتاب کا عام انداز مورخانہ ہے اور انھوں نے بڑے محققانہ پیرائے سے کام لیا ہے۔ اور بعض جگہ حواشی کے ذریعہ تاریخی اسناد اور واقعات کی وضاحت کی ہے مثلاً ایک حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ مامون وغیرہ کی بادہ نوشی سے انکار کیا ہے لیکن تاریخی سند کوئی پیش نہ کرسکے۔ صرف حسن ظن پر تقریر کو طول دیا ہے تاہم نبیذ کا پینا تسلیم کرتے ہیں۔ ابن خلدون کے تسلیم کرنے والے مجاز ہیں کہ ہماری کتاب میں مامون کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں بجائے شراب کے نبیذ پڑھیں۔" (حاشیہ صفحہ ۱۵۰)

Marfat.com

بعض جگہ تو مورخانہ تفصیلات کی ایسی بھرمار ہے کہ پڑھنے والا گھبرا اٹھتا ہے لیکن یہ تفصیل بے مقصد نہیں ہوتی اس سے مامون اور اس کے عہد کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شبلی اردو کے تہی دامن کو معلومات کے بیش قیمت خزانے سے مالا مال کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اردو داں طبقہ جو اس وقت تک اسلاف کے حالات اور عظمتوں سے بے خبر تھا اس سے آگاہ ہوسکے۔

ابواب کی لمبی لمبی سرخیوں نے ان کے طرز بیان کو میکانکی بنا دیا ہے پورے مواد سے صرف سرخیاں پڑھنے ہی سے آگاہی ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے ذہن پر وہ پراسرار کیفیت طاری نہیں ہوتی جو کسی نامعلوم چیز کے آہستہ آہستہ منکشف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک کمزوری جو شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے وہ کتاب کا اچانک خاتمہ ہے۔ آغاز تو انھوں نے بہت احتیاط اور باریکی سے کیا ہے واقعات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کی کوشش اور تفصیلات وجزئیات میں۔ فکر و تحقیق کو مشغول رکھا ہے لیکن آخر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا اکتا گیا ہے۔ اور جو ں توں کتاب ختم کر دی ہے اس خاتمہ نے کتاب کے تناسب اور ہم آہنگی پر اثر ڈالا ہے۔

المامون کے بعد شبلی کی دوسری تصنیف میں جس میں سوانح نگاری کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ سیرۃ النعمان ہے۔ یہ ۱۸۹۱ء میں لکھی گئی ہے

Marfat.com

المامون کے دیباچہ میں اگرچہ مولانا اس بات کا اعلان کر چکے تھے کہ فہرست کی ترتیب کی پابندی ان سے نہ ہو سکے گی تاہم یہ خیال ضرور ہوتا تھا کہ اس کے بعد خلافت عباسیہ ہی میں سے کسی کو منتخب کریں گے لیکن مولانا نے ایک دم امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری کی طرف توجہ کی اس کا بڑا سبب وہی شبلی کی تلاش اور روایت پسندی تھا۔ انھوں نے المامون کے بعد خاطر خواہ مواد اور اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے الفاروق لکھنا شروع کی لیکن اس سلسلہ میں بھی وہی دقت درپیش تھی اور اس سلسلہ کی بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کے لئے نہایت ضروری تھیں۔ یورپ میں چھپ رہی تھیں۔ چنانچہ اس انتظار میں الفاروق کی تصنیف التوا میں پڑ گئی اور اس

"در زمانہ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کر دوں۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رک جاتی تھی اور اس کام سے ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام اوروں کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں" (سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴)

چنانچہ المامون کے بعد بجائے کسی دوسرے شاہنشاہ یا سپہ سالار کے اہل علوم و فنون کی کشش نے اپنی طرف راغب کیا اور وہ سب سے پہلے علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اس اس کا ہیرو قرار دیا۔ اس کے علاوہ چند وجوہات اور تھیں۔ اول

Marfat.com

توبیہ کہ انگریزی میں امام صاحب کی متعدد سوانح عمریاں موجود تھیں۔ ایسی صورت میں اردو بھائیوں کی بولنے والوں کی کثیر تعداد انہی کا پیرو تھی امام صاحب کی سوانح عمری نہ لکھا جانا قابل شرم تھا۔ اس کے علاوہ شبلی کو امام صاحب سے دلی تعلق اور لگاؤ تھا۔ ان کی افتاد طبع امام صاحب کے اندر وہی خوبیاں اور خصوصیات دیکھ رہی تھی جو اس کا مطمح نظر اور مقصود تھا۔ ممکن ہے کہ انھوں نے بھی امام صاحب کی سوانح عمری لکھ کر وہی تسکین قلب محسوس کیا ہو جو سید سلیمان ندوی نے شبلی کی سوانح عمری کو لکھ کر محسوس کی

سیرۃ النعمان کے دو حصے ہیں پہلا حصہ حالات زندگی پر مشتمل ہے دوسرا حصہ ان کے کارناموں پر روشنی ڈالتا ہے حالات زندگی تعلیم وتربیت عادات اور خصائل کے علاوہ امام صاحب کے اصول اور مسائل پر جو علم الکلام اور فن حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر بھی تفصیلی ریویو ہے ساتھ ہی امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کا بھی مختصر ذکر ہے۔

اس کتاب کی تصنیف میں مولانا کو ایک آسانی یہ بھی تھی کہ امام صاحب کی بکثرت سوانح عمریاں عہد قدیم سے لکھی جا چکی تھیں اور اور مولانا شبلی کو حسب منشا مواد حاصل ہو گیا۔

سیرۃ النعمان میں شبلی نے انہی باتوں اور واقعات کو اہمیت دی ہے جو عقل وادراک کے معیار پر پوری اترتی ہیں محض خوش اعتقادی

Marfat.com

سے پیدا شدہ واقعات پر زور نہیں دیا ۔ مثلاً امام صاحب کے تیس برس تک روزے رکھنے اور محض شک کی بنا پر بکری کا گوشت چھوڑ دینے سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ۔ اسی طرح غیر مستند اور تاریخی اعتبار سے کمزور بیانات سے اپنے مرقع میں رنگ بھرنے سے گریز کیا ہے ۔ اور ان کی یہی خصوصیات ان کو دوسرے سوانح نگاروں سے ممتاز کرتی ہے ۔

"انھوں نے بے باکی ہمہ گیری اور آزادروی کا ایسا مرقع تیار کیا ہے جس میں حقیقت زیادہ اور اعتقاد کم ہے"

امام صاحب کی ذہانت اور فطانت کو اجاگر کرنے کے لئے بڑا اچھا اسلوب اختیار کیا ہے واقعات نگاری نے قاری کا ذہن مٹھی میں لے لیا ہے ان کے کردار اور سیرت کو پیش کرنے کے لئے ایسے ماہرانہ حربے استعمال کئے ہیں کہ ہم پر امام صاحب کی طباعی کا رعب بھی پڑتا ہے اور ان کی شخصیت کے سربستہ پہلو بھی نمایاں ہو جاتے ہیں دلی ارادت کے باوجود اظہار رائے سے باز نہیں آئے ہیں ۔

شبلی نے اب تک جتنی سوانح عمریاں لکھیں ان سب پر الفاروق اپنے مواد کی تشکیل سوانح نگارانہ تکنیک اور مصنف کی ذاتی دلچسپی کے لحاظ سے نمایاں فوقیت رکھتی ہے ۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ سوانح نگاری اور اس کی تحقیق میں گذرا انھوں نے الفاروق کا مواد بڑی محنت سے جمع کیا یہاں تک کہ ان کا شوق تجسس ان کو روم

Marfat.com

دمشام کے کتب خانوں میں لے گیا۔ جہاں سے انھوں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف کے لئے بیش قیمت سرمایہ اور مواد فراہم کیا۔ اور پھر ان کے عبور نے تاریخی صحت کے علاوہ اپنے موضوع سے پوری طرح واقفیت بہم پہنچائی۔ انھوں نے تاریخ کے اس سلسلے ترتیب اور لامتناہی سلسلہ میں موضوع سیرت کو صحیح رنگ میں دیکھا۔ مشاہدہ اور مطالعہ سے علاوہ شبلی کو فاروق اعظمؓ کی سیرت میں اس خاص قوت اور کردار جھلک نظر آئی جس کے وہ متلاشی تھے اور۔

"شبلی کے لئے الفاروق ایک ایسا موضوع تھا جس کے لئے وہ شاید خاص طور پر موزوں تھے۔"

(موج کوثر صفحہ ۲۲۹)

اپنی دوسری تصانیف کی طرح الفاروق میں بھی شبلی نے تاریخی اسباب وعلل کو سوانح وسیرت کے باب میں مقدم سمجھا ہے۔ چنانچہ وہ الفاروق میں بھی اپنے دیباچہ میں اس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کسی مصنف کا قول نقل کرتے ہیں۔

"فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔"

(الفاروق صفحہ ۱۴)

ان کا خیال تھا کہ کسی کی سوانح نگاری کے سلسلہ میں سوانح نگار

Marfat.com

کا فرض ہے کہ اس تاریخی ماحول اور سیاسی پس منظر کا پتہ لگائے جس میں اس کی شخصیت کی تشکیل اور کردار کی تعمیر ہوتی ہو۔ ساتھ ہی مورخ کا فرض بھی ان کے پیش نظر رہتا ہے یعنی سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہیں کرتے اس معاملہ میں وہ پروفیسر رینگی کی تقلید کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ۔

"اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرف دار ہوا کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔"

(الفاروق صفحہ ۲۰)

اسی خیال کے پیش نظر وہ بڑی گہرائی اور سنجیدگی سے اس سیاسی ماحول اور تجربات کا جائزہ لیتے ہیں جن میں فاروق اعظمؓ کی شخصیت تدریجی مراحل طے کرتی رہی تھی پھر ان تمام امور کا ذکر کیا ہے۔ جن پر ان کی شخصیت اثر انداز ہوتی رہی۔ یعنی ان کا دور اثر۔ انتظام مملکت اندرونی پالیسی دستور کی تدوین اور تمدن کے مسائل قومی مزاج کی تشکیل اور وہ تمام قوتیں جنہوں نے قلیل مدت میں دنیا کا ڈھانچہ بلحاظ تہذیب و تمدن بدل دیا اور اس طرح ان کی سیرت کے کئی رخ واضح ہو گئے۔

فاروق اعظمؓ کی ہمہ گیری سے متعلق مسائل کے پس منظر میں ان کے کردار کو واضح کرتے جاتے ہیں انھوں نے اپنے نقطۂ نظر اور آئیڈیل

Marfat.com

کو فاروق اعظمؓ کے روپ میں دیکھا اور انسانی عظمت اور ذہانت کی اس منزل سے مرعوب ہونے کے بجائے مسرت اور تسکین محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنے سے زیادہ عظیم المرتبت شخصیت کو اپنے تصور سے زیادہ جلیل و عظیم دیکھ کر بے حد مسرور و محظوظ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے ہیرو کی شخصیت کو اجاگر کر کے ایک ذہنی تسکین حاصل کرتے ہیں

الفاروق میں شبلی کا فنی شعور در بہ کمال پر نظر آتا ہے اور وہ ایک اہم اور مشکل تکنیک سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ آں حضرت کے حالات کے ضمن میں کئی ثانوی کردار آتے ہیں۔ جو بذات خود اہم اور دلچسپ جاذب توجہ ہیں اور اس درجہ زبردست ہیں کہ پڑھنے والے کی توجہ بڑی آسانی سے مرکزی کردار سے ہٹ کر ان کی طرف مرکوز ہو سکتی ہے۔ خود آنحضرتؐ ہی کی عظیم و مکمل شخصیت ہی قاری کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لیتی ہے لیکن شبلی کی صلاحیت اور فنکارانہ شعور بڑی چابکدستی سے اپنے چراغ کی لو کو اس ہیرو درخشاں کے سامنے کسا ماں رہنا سکھی

اسی طرح خالد بن ولیدؓ کی دلچسپ اور جرار شخصیت بھی کچھ کم جاذب توجہ نہیں ہے۔ پھر تینوں صحابہ کرام صدیق اکبرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شخصیتیں اپنی اپنی جگہ پر محبوب اور مسلّم ہیں۔ لیکن ان سب کے درمیان شبلی کے ہیرو کا پر جلال اور روشن چہرہ بدستور مسکراتا ہوا اور نمایاں نظر آتا ہے۔

اسی طرح شبلی اپنے ہیرو کو بڑے بڑے نازک مرحلوں سے اس طرح نکال لے گئے ہیں کہ اس پر حرف نہ آنے پائے۔ چنانچہ۔۔۔

Marfat.com

خالد بن ولید کی معزولی کا واقعہ کمال ہنرمندی اور مشاقی سے بیان کرکے اپنے ہیرو کو اس مرحلے سے صحیح وسالم نکال لے جانا انہی کا کام تھا۔

اگرچہ الفاروق کا بڑا حصہ حضرت عمرؓ کے تدبر اور ملکی انتظام کی جزئیاتی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ لیکن شبلی نے ان کی ذاتی قابلیت، سیرت، مذاق شعر و ادب علمی رجحانات اور فطری سادگی کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے۔ ساتھ ہی اپنی دیانت داری اور فطری استدلال کی بنا پر موضوع کی روح کو سمجھنے میں بڑے غور و فکر سے کام لیا ہے اور اسی روح کی بے نقابی نے الفاروق کو بہترین سوانح عمری بنا دیا ہے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کو مجسم پیش کر دیا ہے۔ ان کی صفات اور عادات کو نتائج پیش کر کے ان کے متعلق رائے اور فیصلہ قاری کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ غرض الفاروق میں ہم شبلی کی فنی پختہ کاری کے قائل ہو جاتے ہیں۔

الفاروق کے بعد الغزالی کا نام آتا ہے۔ یہ مولانا کی ان تصانیف میں سے ہے جو انھوں نے حیدر آباد میں کی تھیں۔ شبلی کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حیدر آباد میں ان کا تصنیفی محور بدل گیا۔ یہاں زیادہ تر وہی تصانیف کیں جو علم الکلام سے متعلق ہیں اور یہاں آکر مولانا پر یہ رنگ اس درجہ غالب تھا کہ۔

"غزالی اور رومی کی سوانح عمریوں کو بھی علم الکلام کی کتابیں بنا دیا۔" (شبلی نامہ صفحہ ۱۲۲)

Marfat.com

درِ اصل نہ تو الغزالی کو ایک کامیاب سوانح عمری کہا جا سکتا ہے اور نہ خود شبلی نے اس کو سوانح نگاری کے مقصد سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس کی وجہ تخلیق تو علم کلام کی تاریخ ہے جیسا کہ خود انھوں نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے۔

"پہلا حصہ بقدر معتدبہ لکھا جا چکا تھا کہ بوجوہ چند رک گیا اور تیسرا حصہ شروع ہو گیا۔ اس حصہ میں امام غزالی کی سوانح عمری شروع ہو گیا۔ تو بڑھتے بڑھتے مستقل کتاب بن گئی۔ چونکہ پوری کتاب کی تیاری کو عرصہ درکار تھا مناسب معلوم ہوا کہ بلا انتظار باقی حصہ یہ حصہ الگ شائع کر دیا جائے۔ امام صاحب کے حالات میں ان کے اصول عقائد اور استدلال کی تفصیل لکھی ہے۔ اس طرح علم کلام کے اکثر مہتم بالشان مسائل بھی اس کتاب میں آ گئے ہیں"

(الغزالی دیباچہ صفحہ ۱)

الغزالی کی تصنیف کا مقصد فن سوانح نگاری کی تسکین یا نمائش نہ تھا بلکہ علماء کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ایک خاص سطح پر لانا تھا چنانچہ مہدی حسن کو لکھتے ہیں۔

میں علماء وغیرہ کو جس سطح پر لانا چاہتا ہوں اس کے لئے زینہ درکار ہے الغزالی پہلا زینہ ہے"

یہی سبب ہے کہ ہم کو الغزالی میں فنی اعتبار سے جھول اور

Marfat.com

تناقضات بکثرت ملتے ہیں۔ پہلی بات جو کھٹکتی ہے وہ مواد کا بے ترتیبی سے پھیل جانا ہے۔ اس کا احساس خود شبلی کو بھی ہے لکھتے ہیں کہ۔

"بے شبہ غزالی کو بہت کچھ سمیٹنا ہے اور اس میں چند در چند اسباب جمع ہو گئے۔"

جہاں تک چھان بین اور تفتیش کا تعلق ہے شبلی یہاں بھی مستقل مزاج اور ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ اور سوانحی صداقت کے رکارڈ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ امام غزالی کی سوانح عمری پر عربی میں بھی کوئی مستقل تصنیف نہیں ملتی اردو کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ البتہ مختلف رجال اور دوسری کتب میں جستہ جستہ واقعات مل جاتے ہیں۔ شبلی نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا اور مغربی تصانیف سے بھی مدد لی۔ اس کے علاوہ خود تاریخ اسلام پر زبردست عبور رکھتے تھے اور زیادہ تر مواد خود ان کی معلومات کا سرمایہ تھا۔

اگرچہ شبلی کا مقصد سوانح نگاری نہ تھا اور نہ انھوں نے زیادہ زور امام غزالی کی سیرت کو نمایاں کرنے پر دیا ہے اور الغزالی میں جزئیات کی مصوری کا فقدان ہے تاہم موٹے موٹے واقعات کو اس طرح پیش کر دیا ہے کہ ان کے بنائے ہوئے خاکے پر چل کر کوئی بھی اچھا سوانح نگار اعلیٰ پیمانے پر غزالی کی سوانح عمری لکھ سکتا ہے۔

شبلی کو ماحول کی عکاسی کا بڑا خیال رہتا ہے اور اسلامی تہذیب

Marfat.com

سے ان کو گہرا لگاؤ ہے۔ چنانچہ الغزالی میں اس دور کے پیشوں اور
تعلیم کے ذیل میں امام الحرمین اور نظام الملک طوسی کے بارے میں
کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ گاہے گاہے اپنے زمانے کی حالت کا اس
دور سے مقابلہ بھی کیا ہے۔

ایک اچھی اور کامیاب سوانح عمری میں شعری تدرا اور حسن کی
موجودگی بھی ہونا ضروری ہے یعنی جس طرح شاعر قافیہ اور ردیف کی
تکرار سے اپنے اشعار میں نغمگی اور آہنگ پیدا کر کے شعر کو خوشگوار بنا دیتا
ہے۔ اسی طرح ایک اچھا سوانح نگار اپنے ہیرو کی امتیازی خصوصیت
کا اعادہ تھوڑے وقفے سے کر کے اس میں حسن پیدا کر دیتا ہے۔ انسانی
زندگی کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ایک نہ ایک ایسا وصف ہوتا ہے
جو اس کی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ سیرت نگار کا فرض ہے کہ وحدت
تاثر کی خاطر اس کا پتہ لگائے چنانچہ شبلی نے امام صاحب کی جاہ پسندی کو
بھانپ لیا ہے چنانچہ الغزالی میں ان کے ہیرو کی شخصیت اس محور (جاہ پسندی)
کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

"درس و تدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس وجہ
سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرت عامہ کا ذریعہ تھی۔"

(الغزالی صفحہ ۲۴)

اس کے علاوہ تجسس اور تلاش جن کے باوجود ان کا ذہن اور نفس
اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ عظمت وجاہ کے خیال سے دستبردار ہو جائیں

Marfat.com

اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسی چھوڑ دیں۔ اسی طرح دنیا سے کنارہ کش ہونے کے بعد بھی یہ جذبہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور بار بار ان کے ذہن میں اپنے مجدد ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس شعری قدر کی تکنیک کا احترام کرنے کے باوجود شبلی نے الغزالی کے ہیرو کا حق تصنیف ادا نہیں کیا ان کا ہیرو متنوع شخصیت اور کردار کا مالک تھا۔ جس کا علم و فضل مسلم تھا۔ اور جس کے تصنیفی کارنامے مستند تھے ساتھ ہی اس کی زندگی کی داستان بڑی ہنگامہ آرائیوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان کی شخصیت بڑی انوکھی تھی جو کبھی تو ترک دنیا پر آمادہ ہو کر جنگلوں کی خاک چھاننے لگتی اور کبھی ان کو جاہ طلبی کی آرزو میں درباروں میں لے جاتی۔ چنانچہ موضوع کے اعتبار سے غزالی کو ایک زندہ اور سرگرم تصنیف ہونا چاہیے تھا لیکن بقول اکرام صاحب۔

> یوں تو ان کی حیدرآباد کی ساری تصانیف پر ایک بے جان تکلف چھایا ہوا ہے۔ لیکن غزالی اور مولانا روم کی سوانح عمریوں سے خاص طور پر مایوسی ہوتی ہے۔ (شبلی نامہ صفحہ ۱۱۲)

لیکن مولانا کے دیباچہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ دراصل یہ سوانح عمری ہے ہی نہیں بلکہ اس کو تاریخ علم الکلام کا ضمیمہ کہہ سکتے ہیں جس میں سوانح نگاری کے زبردست عناصر اور گہرا شعور پایا جاتا ہے

Marfat.com

حیدر آباد میں لکھی ہوئی کلامی تصانیف کے سلسلہ ہی میں سوانح مولانا روم کا نام آتا ہے اور مولانا نے خود اس کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ

"سلسلۂ کلامیہ کا چوتھا نمبر ہے مولانا کے واقعات عام تذکروں میں مختصر ملتے ہیں لیکن اس نقصان کی تلافی اس طرح کردی گئی ہے کہ مولانا کے کلام اور بالخصوص مثنوی پر نہایت مفصل تبصرہ ہے۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب سیرت نگاری سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اصل مقصود مثنوی کے ذریعہ علم الکلام کے مسائل کی تشریح ہے جس میں مولانا جلال الدین رومی ایک مرکزی حیثیت کے مالک ہیں۔ لیکن ان کی شخصیت کا مکمل اور واضح مرقع پیش کرنا نہ تو مقصود تھا۔ اور نہ پیش کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تحقیقی اور غیر روایتی طریقہ اختیار کرنے کے باوجود مخصوص اور مشہور عام واقعات کے سوا کچھ اور درپیش کرنے سے مصنف قاصر رہا ہے۔ زندگی اور سوانح کے ارتقار میں تدریجی مراحل معدوم ہیں پیدائش کے ذکر کے بعد ہی اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر کے حالات بیان کرنے لگتے ہیں پھر ایک دم ان کی عمر کے چالیسواں سال پر آجاتے ہیں اور چند واقعات کے بعد وفات کا ذکر لے آتے ہیں اور اس طرح ہم ان کے شخصی اور ذہنی ارتقار سے قطعاً واقف نہیں ہوتے۔ اور نہ ان کی انفرادیت کی وضاحت ہوتی ہے اس ضمن میں ان کے محاسن اور فضائل

Marfat.com

کی ایک فہرست درج کر دی ہے جو بے کیف فہرست سے زیادہ کچھ اور نہیں کہی جا سکتی۔

شبلی کے دوست مشاہدے اور شوق تجسس نے کتاب کی لاج رکھ لی ہے۔ انھوں نے درست اور مستند روایات سے کام لیا ہے۔ ایک اور نئی بات یہ بھی ہے کہ عام سوانح نگاروں کے برعکس جو اخلاقی اور اصلاحی پیغام کے پیش نظر سوانح عمریاں لکھتے ہیں۔ شبلی اپنے موضوع کے محاسن کی تشہیر اور عیوب کی پردہ داری کے قائل نہیں۔

سوانح مولانا روم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کی نظر میں سوانح کا ہیرو اس درجہ محبوب اور محترم نہ تھا جتنا اس کا کارنامہ وہ اس ضمن میں یہ امر قطعی نظر انداز کر گئے کہ شخصیت ہی کارنامے کو حسن و عظمت عطا کرتی ہے اور کارناموں کی اہمیت شخصیت ہی کی مرہون منت ہے۔

شعر العجم کو ہم سوانح نگاری تو کسی طرح نہیں کہہ سکتے البتہ شعرائے ایران کا تذکرہ ضرور کہہ سکتے ہیں۔ اس میں شعراء کے حالات اس قدر اختصار سے لکھے ہیں کہ ان کو سوانح نگاری میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان خاکوں سے ہم صرف یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سا شاعر کس زمانے میں ہوا اور اس کی خارجی زندگی کے کون کون سے نمایاں واقعات ہیں۔

Marfat.com

البتہ بعض واقعات اور حکایات سیرت کے پہلو پر مدہم سی روشنی ڈالتی ہیں۔ مثلاً فردوسی کے احساسات کا مرقع بڑی اچھی طرح کھینچا ہے اور اسی حکایات آمیز تحریر سے شبلی ان بے جان خاکوں میں دلچسپی اور دلکشی پیدا کرتے ہیں اسی طرح شخصیتوں کی سیرتوں کے بعض منفرد پہلو پیش کر کے ان مختصر لیکن بلیغ خاکوں کو یادگار ہونے سے بچا لیا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں ایک اور سبب سے بھی جان پڑ گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میں بڑی بڑی تاریخی اور مذہبی شخصیتوں کا بیان نہیں ہے جن کا احترام مصنف اپنے اوپر واجب سمجھتا بلکہ یہ آزاد رنگین طبع شعراء کی داستانیں ہیں۔ اور ان کے اظہار میں شبلی اخلاقی دباؤ سے آزاد ہو کر اپنے فن کو آزادی سے استعمال کرتے ہیں۔ تکنیک اور موضوع کے لحاظ سے شعرالعجم قدیم تذکروں سے مشابہت رکھتی ہے۔ لیکن اس کے طریق کار میں پھیلاؤ اور وسعت زیادہ ہے۔

شعرالعجم میں شبلی کو بڑا وسیع میدان ملا تھا۔ مختلف زمانوں کے مختلف شعراء کے متنوع اور گوناگوں واقعات کو فطرت تخیل اور تصور کی دنیا میں رہنے والے شعراء کی فطرتوں کے نئے نئے پہلو اور انوکھے واقعات کو دیکھنے اور پیش کرنے کا بہت اچھا موقع تھا اور ان کو بڑے پیمانے پر پیش کر سکتے تھے لیکن اس کتاب کی تصنیف کا بھی اصل مقصد سوانح نگاری نہ تھا۔ بلکہ ابتدائی شاعری کی ایک مختصری تاریخ پیش کر کے فارسی کا مٹتا ہوا مذاق قائم کرنا تھا۔ اور ساتھ ہی فارسی شاعری پر تنقید بھی تھا

Marfat.com

اسی سلسلہ میں شعراء کا ذکر آیا۔ اور سوانحی عنصر بھی شامل ہو گیا۔

شبلی کی آخری اور زبردست ترین تصنیف سیرۃ النبی ہے اور شاید یہی ان کی زندگی کی انتہائی آرزو اور معراج تھی۔ چنانچہ مختلف سوانح عمریوں کی تصنیف کے بعد انھوں نے اپنے قلم کی تمام تر فنی پختگی کو سیرت النبیؐ کی تصنیف اور تالیف کے لئے وقف کر دیا۔ اس منزل تک پہونچنے میں اپنی تاخیر کا باعث یہ بتاتے ہیں۔ ؎

عجم کی مدح میں عباسیوں کی داستاں لکھی ، مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا۔
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ ، خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

دراصل ان کا یہ خاتمہ بہت ہی عظیم اور شاندار ہے اور ان کا زندہ جاوید کارنامہ ہے اگرچہ سلسلہ نامورانِ اسلام کے متعلق قلم اٹھاتے وقت اور بعد میں بھی ان کے اور دوسروں کے دل میں یہ خیال بار بار آتا رہا کہ سب سے مقدم اس نامور کا نام آنا چاہئے جس نے سب کو نامور بنایا ہے لیکن یہ کام آسان نہ تھا۔ یہ جتنا محبوب اور پسندیدہ تھا۔ اتنا ہی مشکل اور نازک تھا۔ یہ وہ راہ تھی جس کو طے کرتے وقت عرفی جیسے قادرالکلام شاعر کے قدم بھی کانپ رہے تھے اور اس کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ

"عرفی مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے و جم را"

Marfat.com

تاہم اس کام کی اہمیت اور نزاکت کے احساس کے باوجود شبلی فضائل و اخلاق کا وہ پیکرِ مجسم پیش کرنے کے لئے مضطرب رہے "جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل تھا۔

انھوں نے الفاروق اور الغزالی کی تکمیل کے بعد ۲۸ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ مطابق ۵ جون ۱۹۰۳ء کو حیدرآباد ہی میں اس مبارک کام کو شروع کیا اور ۳ھ تک کے واقعات قلم بند کر لئے لیکن

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس انداز سے وہ اس کو لکھ رہے تھے وہ خود ان کو پسند نہیں آرہا تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اس کو راز رکھا اور سارے مکتوبات میں کہیں ایک حرف بھی اس کے متعلق اپنے دوستوں میں سے کسی کو نہیں لکھا۔"

(حیات شبلی صفحہ ۷۰۰)

دراصل ان کے ذہن میں سیرت کا معیار بہت بلند تھا۔ ان کا قول تھا کہ

"سیرت ایسی لکھنی چاہیے جس میں صاحب سوانح کا پایہ اونچا نظر آئے۔ لیکن ہم مسلمانوں کے دلوں میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی کتاب اس بلندی پر نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے سیرت کی کوئی کتاب مشکل ہی سے اس معیار پر پوری اتر سکتی ہے"

Marfat.com

اور شبلی اسی کشمکش و پیچ میں اور سیرت کو بلند سے بلند تر معیار پر پیش کرنے کی فکر میں تھے دوسری طرف سے مسلمان بار بار ان سے ایسی تصنیف کا مطالبہ کر رہے تھے جو اس بے خبری اور غلط فہمی کو دور کر سکتی جو نئی تعلیم والوں اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یورپین سوانح نگاروں نے اسلام اور رسول اکرمؐ کے خلاف پھیلا دی تھی۔ آخر اکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگو لیتھ کی تصنیف نے اس تذبذب کو ختم کر دیا یہ کتاب اپنی تحقیقات اور احادیث کے حوالوں کے باعث بڑے مسموم اثرات کی حامل تھی جس سے انگریزی داں طبقہ نہایت متاثر تھا جس کا مولانا محمد علی مرحوم کو پہلی مرتبہ احساس ہوا جیسا کہ انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں سید سلیمان ندوی کو لکھا ہے۔

> یہ ۱۹۰۶ء میں مولانا استاذنا شبلی مرحوم بڑودہ میری دعوت پر تشریف لائے اور میرے ہی پاس مقیم تھے اس زمانے میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ تو فرمایئے کہ سیرۃ نبوی کا کیوں انتظام نہیں فرماتے۔ ہندوستان میں کون ہے جو کفار کے پے در پے مگر بے جا بے جائز حملوں کا جواب دے گا خصوصاً اپنے آکسفورڈ کے استاد مارگو لیتھ کی طرف اشارہ تھا۔ معلوم اس سے قبل مولانا مرحوم کو کتنی بار اس مقدس کام کا خیال آیا ہوگا۔ مگر طرزِ گفتگو سے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ میری تقریر نے اثر کیا اور آخری فیصلہ کم سے کم بڑودہ ہی میں رہ کر کیا۔"

Marfat.com

(مخطوط محمد علی مکتبہ جامعہ حیات شبلی صفحہ ۵۹)

غرض شبلی جس قدر اس کام کو مشکل سمجھ رہے تھے اسی قدر اس کی اہمیت کا بھی اندازہ ان کی نظر میں بڑھتا جا رہا تھا۔ اور اس بات کا اظہار انھوں نے الندوہ کی تحریروں میں بھی کیا ہے۔ ان کو بخوبی احساس اور اندازہ تھا کہ جدید تعلیم بڑی سرعت سے پھیلی جا رہی ہے اور یہی جدید تعلیم یافتہ گروہ نئی نسل کی قسمتوں کا مالک اور ذہن و فکر کا رہنما ہوگا۔ اگر یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی مستند کتاب نہیں ملتی۔ چار و ناچار انگریز سیرت نگاروں کا سہارا لینا پڑتا ہے جن کی تصنیفات میں یا تو ناواقفیت کی بنا پر ہر موقع پر غلطیاں ہیں یا واقعات کو حسب منشأ توڑ موڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔

اس خیال کے پیش نظر شبلی نے سیرۃ النبیؐ پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا۔ عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود تھیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا چند مہینوں کا کام تھا لیکن بقول خود ان کے

"واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہو سکتی۔"

(دیباچہ سیرۃ النبی صفحہ ۸)

ممکن ہے شبلی سیرۃ النبیؐ کی تصنیف و تالیف میں اس درجہ

Marfat.com

حزم واحتیاط سے کام نہ لیتے۔ اگر ان کے پیش نظر اس کی ضرورت اور اہمیت کا عالمگیر نظریہ نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ ان کو یقین تھا کہ اس درجہ مقدس ہستی کی سوانح عمری کی تمام عالم کو ضرورت ہے۔ یہ محض اصلاحی یا مذہبی ضرورت نہیں بلکہ

"ایک علمی ضرورت ہے ایک اخلاقی ضرورت ہے ایک تمدنی ضرورت ہے ایک ادبی ضرورت ہے۔"

(دیباچہ سیرۃ النبیؐ صفحہ ۸)

اور چونکہ وہ ایک عالمگیر فرض کو انجام دے رہے تھے۔ اس لیے وہ اس میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے اپنے تمام تر حقیقی اور فنی حربوں کے ساتھ اترے۔

وہ فن سوانح نگاری سے بخوبی واقف تھے اور اس کے متعلق چند نظریے بھی رکھتے تھے اور علوم وفنون کی صف میں بیاگرافی کا ایک خاص درجہ سمجھتے تھے ان کے نزدیک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ بن سکتے تھے اور وہ سوانح نگاری میں صاحب سوانح کے خیالات مقولوں اور حالات کا احترام کرنا بھی سوانح نگار کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

"چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہش رکھتا ہے۔ کیا کیا منصوبے باندھتا ہے اپنے چھوٹے سے دائرہ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے" (دیباچہ سیرۃ النبیؐ)

Marfat.com

غرض ان کے نزدیک ایک غریب مزدور اور سکندر اعظم دونوں کے عرصۂ حیات میں نتیجہ رسی اور عبرت پذیری کے عناصر موجود ہیں اور ایسی صورت میں "تخص" کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے۔ صرف واقعات کی تفصیل رہ جاتی ہے کہ وہ کس انداز اور صورت سے صاحب سوانح کی زندگی میں رونما ہوئے اور اس پر اثر انداز ہوئے۔ اب یہ ان کی اور ان کے فن کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو سوانح عمری کے لیے فرد کامل اور استقصائے واقعات دونوں چیزیں بیک وقت مل گئیں۔

انھوں نے بڑی محنت سے معترضین کے اعتراضات فراہم کیے فن سیرت النبی سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کی اور بڑی تلاش اور تفحص سے مواد فراہم کیا اسلامی مورخین کی صداقت اور سچائی کے متعلق اپنے یقین کو مستحکم کیا اور مستند راویوں کی روایتوں اور تخریب دلی کو الگ کرلیا۔ اور اس کے بعد کام شروع کیا۔

اپنے عام انداز کے مطابق سیرت النبیؐ میں بھی شبلی نے پہلے تاریخی اور تمدنی منظر پیش کیا ہے اور پھر آں حضرتؐ کی ولادت سے اصل کام شروع کیا ہے اور آغاز سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مصنف انتہائی وجدانی کیفیت سے گذر رہا ہے۔ اس باب "ظہور قدسی" کی عبارت میں اس درجہ شعریت اور زور قلم پایا جاتا ہے کہ قاری مبہوت سا ہو جاتا ہے۔ اس کی عبارت میں قدیم میلادوں کا سا رنگ نمایاں ہے اور عبارت میں وہی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں سال صرف کر دیئے سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔" وغیرہ وغیرہ

(سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۷۰)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا اس جوش عقیدت اور غلو میں ایسی ہی مبالغہ آرئیاں کرتا رہے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہے ہمارا شاعر مزاج اور رنگین قلم مصنف حالات اور واقعات لکھتے وقت حقیقت و واقعیت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹا ہے۔ البتہ ایک عمر کے صبر آزما انتظار کے بعد اس عبارت کو لکھتے وقت اس کا قلم خوشی سے جھوم اٹھا اور برسوں کا رکا ہوا سیل عقیدت ایک دم رواں ہو گیا۔ اپنے محبوب اور خیر البشر ہیرو کی سوانح عمری لکھتے وقت ہمارے مصنف نے اپنی تحقیق و تلاش کے تمام ذخیرے نثار کر دیئے ہیں۔ اور پہلی جلد دماغ سے اور دوسری دل سے لکھی ہے۔

نقش اول میں مورخ کے قلم کی گلکاری ہے اور نقش ثانی میں جو سراپا پیش کیا ہے۔ اس میں مورخ کے ساتھ عورت کی قلم کاری بھی حاصل ہے۔

Marfat.com

افسوس کہ جس کام کو انھوں نے اتنے صبر آزما انتظار کے بعد اتنے ذوق وشوق سے شروع کیا تھا اس کو مکمل نہ کر سکے اور وفات پا گئے اور صرف دو ہی جلدیں مرتب کر سکے۔ لیکن ان دو ہی جلدوں میں وہ اتنا کچھ بتا گئے ہیں کہ ان کے بعد کے سیرت نگار اس پر کوئی خاص اضافہ نہ کر سکے۔ سیرت النبی محض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے سادہ واقعات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ بقول خود یہ۔

"دائرۃ المعارف النبویہ ہے۔"

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آن حضرتؐ کے سوانح حیات کو جدید رنگ میں پیش کیا ہے آپ کی زندگی کے جن پہلوؤں پر یورپ کے مصنفین نے اور دوسرے غیر مسلم مناظرین نے اعتراضات کر کے شکوک اور شبہات پیدا کر دئے تھے۔ ان کو منطقی دلائل اور واقعات کے تدریجی بیان سے دور کر دیا ہے۔

خصوصًا اس ضمن میں یہ غلط فہمی جو پھیلائی گئی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے اس کی مختلف واقعات سے زبردست تردید کی اور ثابت کیا ہے کہ آپ نے زیادہ تر دفاعی جنگیں لڑی ہیں اس بات کو مختلف واقعات سے ثابت کر دیا ہے کہ ایک جری اور کامران سپہ سالار ہونے کے باوجود آپؐ کی پیغمبرانہ شان نمایاں تھی اور آپؐ میدان کارزار میں بھی دعا اور عبادت میں مصروف رہتے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا وغیرہ وغیرہ اس ضمن میں شبلی نے

Marfat.com

بڑی ہوشیاری سے کام لیا ہے اور جیسا کہ ایک اچھے سوانح نگار کا فرض ہے کہ واقعات کے انبار میں سے انہی واقعات کو منتخب کرے جو موقع اور محل کے اعتبار سے مناسب ہوں اور ساتھ ہی اظہار مقصد میں زور پیدا کر دے۔ ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے زیادہ ایک ہی موضوع اور رخ کے بارے میں۔ بکثرت واقعات کہاں ہو سکتے ہیں لیکن شبلی کے ہر عنوان کے ماتحت چند خاص واقعات کا انتخاب کر لیا ہے انکا کہنا ہے کہ " جہاد کے معرکہ میں آپکے ہاتھ میں گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود مغفرت ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا۔ (سیرت النبی)

چنانچہ اس کے ثبوت میں انھوں نے بے شمار واقعات میں سے چند نہایت موزوں اور مستند واقعات بھی پیش کئے ہیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی۔ بدر اور خندق خیبر تبوک اور تمام بڑے بڑے معرکوں میں یہی کیفیت تھی۔"

(سیرۃ النبیؐ صفحہ ۲۶۳)

آنحضرتؐ کو رحمتِ عالم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپؐ انسانیت سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ کیوں کہ آپؐ خدا

Marfat.com

طرف سے محبت کا پیغام لائے تھے اور بندوں کو بتا دینا چاہتے تھے خدا انسانوں سے ماں کی طرح محبت کرتا ہے اس سلسلے میں بھی آپؐ کی حیات مبارک میں بے شمار واقعات کا ذخیرہ موجود ہے اس کے انتخاب میں بھی شبلی نے اسی محتاط تکنیک سے کام لیا ہے۔ اور محض چند موثر واقعات ہی پر اکتفا کی ہے مثلاً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جب کسی غزوہ میں ایک عورت گرفتار ہو کر آئی اس کا بچہ گم تھا اور وہ جوش محبت میں جس بچے کو دیکھتی اپنے سینہ سے لگاتی اور دودھ پلاتی ایسے موقع پر۔

> "آپ نے فرمایا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے لوگوں نے عرض کی "ہر گز نہیں" فرمایا تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے۔ جتنی اس کو اپنے بچہ سے ہے۔"

(سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۲۷)

آں حضرتؐ کے اخلاق و شمائل اور منکسر مزاجی کے متعلق خلق عظیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے آپؐ مجسم اخلاق و عمل تھے اور پھر آپؐ کی ہر ادا کو محفوظ کیا گیا ہے۔ لیکن شبلی اپنے ہیرو کے اخلاق و عادات کے اس ضخیم دفتر میں وہ موقع تلاش کرتے ہیں جہاں آ کر بڑی سے بڑی بشری قوت اخلاق لغزش میں آ جاتی ہے مگر شبلی کا ہیرو زیادہ منکسر اور عظیم ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ چند ہی واقعات کی مثال سے اس کی عظمت کا کامل۔

Marfat.com

ترین نمونہ محض اپنی امت ہی کی نظر میں نہیں بلکہ اغیار کے نزدیک بھی تکمیل انسانیت نظر آتا ہے۔ مثلاً۔

"مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور وناز سے بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن مکہ وخیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی طوی پہونچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۱۴۸)

یا یہ کہ باوجود اس کے کہ لوگ آپ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی ہر بات خاموشی سے سنتے تھے۔ آپ بے جا طول طویل نصیحتیں نہ فرماتے یا بے جا زجر و توبیخ کے بجائے شفقت کے قائل تھے اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ لیکن بے حد موثر۔

"عباد بن سرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ دامن میں رکھ لیے باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتار لیے یہ آنحضرت کے پاس شکایت لیکر آئے مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو

لیا ہم بیا جایے بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا تھا یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔

(صفحہ ۲۹۷)

اخلاق و عادات کے بعد شبلی آپ کی خطابت کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں کافی تفصیل سے کام لے کر یہ امر قاری کے ذہن نشین کرا دیتے ہیں کہ ان کا ہیرو کلمات جامعہ لے کر مبعوث ہوا تھا اور فصیح ترین عرب تھا اور اس فن میں کمال مہارت رکھتا تھا کوئی معمولی نہیں۔ بلکہ اعلیٰ دماغ شخصیت تھی۔ جس کو اپنے خصائل کے ساتھ اقوال پر بھی پوری پوری قدرت حاصل تھی۔ اس میں آپؐ کے معرکۃ الآرا خطبات کے اقتباسات کے علاوہ بعض جزئیاتی تفصیلات مثلاً خطبہ کے وقت کا لباس یا چہرے کے اتار چڑھاؤ کا ذکر جبۂ مبارک اور ہاتھوں کی جنبش دینے کا انداز بیان کر کے بڑی جان ڈال دیتے ہیں۔ ساتھ ہی کمال جرأت سے ان خطبات پر فنی تنقید بھی کرتے ہیں۔

"آپ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں اگرچہ وہ نہایت سادہ ہیں تاہم ان میں بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے"

(صفحہ ۲۴۱)

اگرچہ شبلی کا ایمان ہے کہ آپؐ افضل البشر اور مکمل ترین انسان ہیں اور راہ لغت میں عرفی ہی کے ہمنوا ہیں۔ لیکن اس راہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود آپؐ کی بشری خصوصیات کا نقشہ

Marfat.com

بڑی تفصیل اور جامعیت اور دیانت سے کھینچا ہے اور چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بیان کر کے کمال خوبی و ہوشیاری سے اپنے اس ہیرو کو جس کو وہ .

"شاہ حرم حکمران عرب فرمان روائے اسلام شاہنشاہ کونین"
(سیرۃ النبیؐ ظہور قدسی)

کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں عام انسانی سطح پر لے آتے ہیں اور وہ ہماری نظروں میں کامل ترین انسان ہونے کے باوجود عام انسانی جذبات کا حامل بھی نظر آتا ہے جو بھوک کی شدت سے نڈھال بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کو غصہ بھی آجاتا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خندقیں کھودتے کھودتے بھوک اور محنت کی شدت سے نڈھال ہو کر پیٹ سے پتھر بھی باندھ لیتا ہے۔ غرض ان انسانی جذبات اور ضروریات کی آمیزش سے شبلی نے اپنے جلیل القدر ہیرو کا ایک زندہ اور انسانی مرقع پیش کر دیا ہے۔

مولانا شبلی کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو سوانح نگاری میں مولانا شبلی ایک اہم مقام رکھتے ہیں اگرچہ بہترین سوانح نگاری اور اولیت کا فخر مولانا حالی کو حاصل ہے لیکن ان کے معاصر اور ایک حد تک مقلد مولانا شبلی بھی نہ صرف قابل ذکر ہیں بلکہ بلند پایہ ہیں۔ اور چند وجوہات کی بنا پر بعض باتوں میں مولانا حالی پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ذہنی اعتبار سے مولانا حالی سے بلند ہیں

Marfat.com

اور حالی کی حقیقت پسندی ان کے حصہ میں نہیں آئی ۔

سوانح و سیرت نگاری کے متعلق شبلی کے نظریات ان کی سوانحی تصنیفات کے سلسلے میں شدہ شدہ بیان کئے جا چکے ہیں ۔ تاہم یہاں ان کا دہرا دینا غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ ان کے نزدیک ہر اس شخص کی سوانح عمری قابل تحریر ہے جس کی زندگی میں سعی و عمل جد و جہد ہمت و عبرت کی اقدار ملتی ہیں خواہ وہ ایک عالی مرتبت شاہنشاہ ہو اور خواہ ایک ادنیٰ مزدور اس کے علاوہ وہ سوانح نگاری سے قوم کو خصوصاً اور عوام کو عموماً ایک فرد کی زندگی خیالات اور تجربات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا چاہتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ دوسری سوانح عمریاں اتنی پر اثر نہیں ہو سکتیں جتنی کہ دوسری تاریخی شخصیتوں کی سوانح عمریاں کار آمد ہوتی ہیں کیونکہ انسان موجود اور قریب تر شخصیتوں کے لئے اتنی عقیدت نہیں رکھتا جتنی کہ اسلاف سے رکھتا ہے یہی وجہ ہے ۔ کہ انھوں نے حالی کے برعکس معاصرین کی سوانح عمریوں کو چنداں قابل اعتنا نہیں سمجھا ۔ اور ان تاریخی نمونوں کا انتخاب کیا جن کی عظمت و جلال کا سکہ پہلے ہی سے لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا مامون الرشید، فاروق اعظم، امام اعظم اور غزالی کے نام سنتے ہی لوگ گردنیں جھکا دیتے ہیں اور پھر "سیرت النبیؐ" کا جلیل القدر اور عدیم المثال ہیرو اپنے اور پرائے سب ہی کی نگاہوں میں محترم و معظم رہا ہے ۔

موضوعات کے کامیاب انتخاب کے علاوہ ان کو اس امر کا پورا

Marfat.com

احساس تھا کہ وہ آرٹ کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی اپنی سوانح عمریوں کے لکھنے پر وہی مسرت اور حظ ہوتا تھا جو ایک مصور کو اعلیٰ مرقع بنا کر اور ایک شاعر کو اچھے شعر کی تخلیق کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

شبلی فلسفہ اور تاریخ سے طبعی مناسبت رکھتے تھے اور اعلیٰ اور مستند سوانح نگاری کے لیے تحقیق محنت اور صداقت کے قائل تھے ساتھ ہی علمیت کے اظہار کے بھی دلدادہ تھے۔ وہ اپنے افراد کے سوانح لکھنے سے پہلے ہم کو سمی تاریخی سیاسی اور تمدنی ماحول میں لے جاتے ہیں جس میں ان کا موضوع سانس لیتا ہے۔ جس کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور جس فضا اور ماحول میں ان کے فرد کی شخصیت کی نشوونما ہوتی ہے اور اس حربے سے وہ قاری کو اپنے موضوع سے بہت قریب لے جاتے ہیں اور وہ اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ فرض وہ بڑی تحقیق اور کاوش سے انجام دیتے ہیں اور اکثر اس سلسلے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ یہ سیاسی سماجی اور تاریخی پس منظر بعض اوقات اتنا طویل اور نمایاں ہوتا ہے کہ سیرت اور سوانح کے پہلو پس منظر دب جاتے ہیں۔

اس اعتبار سے شبلی کا نظریہ مورخانہ ہے۔ لیکن وہ ایک مورخ کا ذہن نہیں رکھتے اور ان میں وہ بے تعلقی اور بیگانگی نہیں پائی جاتی جو کسی چیز کی صحت کو جانچنے اور روایت اور درایت کا کڑے سے کڑا معیار قائم کرنے کے لئے ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اس

Marfat.com

...ارنہ تاریخ میں منظر اور ماحول پہ بڑی توجہ دیتے ہیں۔ لیکن قاری کی توجہ شخصیت کے کردار اور ذات پر مرکوز رہتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیرت نگار پہلے ہیں۔ اور مورخ بعد میں۔ ساتھ ہی شبلی کا اسلوب بھی تاریخ سے زیادہ سوانح نگاری کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہے ان کا وہی شاعرانہ اسلوب اور مبالغہ محاورات اور استعارات کا استعمال جوان کا تاریخ نگاری میں عیب بن جاتا ہے۔ سوانح نگاری میں زندگی اور حسن بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال وہ اچھی صلاحیتوں اور اچھی تحریر کے مالک تھے۔ ان کی تحریروں کے متعلق مہدی الافادی نے خوب لکھا ہے۔

"حالی نے مسدس کے ساتھ مقدمہ شعر و شاعری اور حیات جاوید لکھ کر اپنا ٹھکانہ کر لیا۔ لیکن شبلی قطعاً غیر فانی ہیں۔ آج ہزاروں صفحے متعدد جلدوں میں ان کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ اور جس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ کسی زبان میں اس سے بہتر مجموعہ خیال نہیں"

(افادات مہدی۔ علامہ شبلی کا ماہوار اردو رسالہ صفحہ ۴۷)

اگرچہ مہدی کا یہ بیان اتنا صحیح نہیں کہ اس سے بہتر مجموعہ خیال نہیں تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا عمدہ اور بلند مجموعہ خیال ہے۔

Marfat.com

پانچواں باب

عہد سرسید کے دوسرے اہم سوانح نگار

حالی اور شبلی کی سوانح نگاری کا جائزہ لینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وقت کے تقاضوں میں انقلاب آچکا ہے اور زمانے کی رفتار ایک نئے موڑ کی طرف مڑ گئی ہے

دراصل یہ انقلاب بہت عرصہ پہلے آچکا تھا لیکن اس کا احساس نہ ہو سکا تھا۔ دہلی کالج اور فورٹ ولیم کالج کی علمی اور ادبی خدمات یعنی ان تراجم اور تصنیفات نے جو ان ہر دو اداروں کی زیر نگرانی تیار کرائی گئی تھیں۔ یہ ثابت کر دیا تھا کہ نثر ٹھوس اور خشک علمی مسائل۔ اور موضوعات کی بھی متحمل ہو سکتی ہے۔ اور اس میں وہ گہرائی اور لچک موجود ہے جو دنیا کی زندہ اور زبردست علمی زبانوں کی بقاء کا باعث ہوتی ہے۔ ان ہر دو اداروں خصوصاً دہلی کالج نے ہماری کم مایہ

Marfat.com

زبان میں تاریخ جغرافیہ سائنس ریاضیات کے موضوعات پر امید افزا اضافے کئے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ نے دہلی کالج کو ختم کر کے اردو کی اس چھوٹی سی پونجی کو بھی ختم کر دیا اور وہ تمام ذخیرہ جو ایک مدت کی محنت اور کاوش سے فراہم ہوا تھا نذر آتش کر دیا گیا۔ مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے کہ غضبناک مجمع جس وقت کالج کی چاردیواری میں داخل ہوا اور کالج کا نظام درہم برہم ہو گیا تو انھوں نے الماریوں میں رکھی ہوئی کتابوں کو نظر آتش کر دیا اور وہ کتابیں جو لکڑی کے صندوقوں میں بند رکھی تھیں ان کو بھی صندوقوں سے نکال کر جلا دیا غرض ایک بار پھر ہماری زبان خالی ہاتھ رہ گئی اس ہنگامہ کے بعد زندگی کا طور اس درجہ بگڑ چکا تھا کہ عرصہ تک زبان کے علمی اور ادبی بننے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن سرسید اسی امید کی کرن کے بھروسے پر اٹھے جو دہلی کالج اور فورٹ ولیم کالج نے دکھائی تھی اور انھوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ سرسید کے پیش نظر زبان کو ترقی دینے کا علمی اور ادبی مقصد نہ تھا بلکہ وہ قوم کی اصلاح اور تعمیر کا مقصد لے کر اٹھے تھے ان کا یہ مقصد جتنا عظیم تھا اتنا ہی مشکل تھا کیونکہ قوم کی حالت ایک ایسی کشتی کی تھی جو بھنور میں پھنسی ہوئی ہو مگر اہل کشتی کو اس امر کا مطلق احساس نہ ہو۔ وہ اپنی سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ ڈالنا چاہتے تھے۔ اور اس کے لئے زبان و قلم کو انھوں نے اپنا آلہ کار بنایا ان کے پیش نظر دو اہم مسائل تھے۔ قوم کو تعلیمی

Marfat.com

حالات سے آگاہ کرنا اور اس کو وقت کے تقاضے پورے کرنے کے قابل بنایا۔ اسی طرح ان کے منصوبے کے دو رخ تھے مذہبی اور سیاسی۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ مذہب پر عبور حاصل کر کے ہر چیز کو مذہب کے معیار پہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ قوم ان کی ہر بات کو بخوشی ماننے پر تیار ہوجائے اور دوسری طرف وہ انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لا کر ہر دو فریق میں۔ مفاہمت پیدا کر دینا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مغرب کے افکار کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانے کی کوشش کی۔ اور جلد ہی مسلمان خصوصًا اہل قلم حضرات مغرب کے رجحانات سے متاثر ہوئے اور ان کے دلدادہ ہونے لگے۔ اس طرح لکھنے والوں کا انداز فکر بدلتا گیا وہ عقلیت اور درایت (Rationalism) کی طرف بڑھتے گئے۔

یہ بڑی کش مکش کا زمانہ تھا اور اس دور میں قدیم و جدید مشرق و مغرب کے علاوہ فرقوں کی اندرونی اور بیرونی آویزش اور باہم۔ مناقشات کا زور تھا۔ اور یہ افکار و ابتلا کا وہ زمانہ تھا جس میں عظیم آرٹ کی تخلیق ہوتی ہے۔ ہم اس صدی کو اصلاح استدلال اور مناظرے کی صدی کہہ سکتے ہیں۔ اس دور میں ہر قسم کے ادب کی تخلیق اپنے پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر کی جا رہی تھی۔ اور یہی اس وقت کے اعلیٰ ادبی معیار تھے۔ چنانچہ سوانح نگاری کو بھی انہی مقاصد کے لئے آلۂ کار بنایا گیا۔ سرسید کے "خطبات احمدیہ" کا جو انھوں نے آنحضرت صلعم

Marfat.com

کے یورپین سوانح نگاروں کے متعصبانہ الزامات اور اعتراضات
کے جواب میں بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد لکھی تھی۔ منظر عام پر آنا تھا
کہ رسول کریمؐ کی سوانح عمریاں اسی نہج پر لکھنے کا رواج نکل آیا۔ جن میں
مرزا حیرت دہلوی فیروز سنز ڈسکوی۔ مولانا شبلی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں
آن حضرتؐ کے علاوہ دوسرے بزرگوں بادشاہوں اور قابل ذکر
لوگوں کی بھی۔ مناقرانہ سوانح عمریاں تحریر کی گئیں۔

ان مناظرانہ سوانح عمریوں کے علاوہ سوانح عمری کو دوسرے
اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ مولانا حالی اور ان کے بعد
شبلی نے اپنی تصنیفات اور موضوعات کے انتخابات کے ذریعہ
اس فن کے راستے صاف کر ہی دیئے تھے اور اس طرح عہد سرسید کے
دوسرے سوانح نگاروں کو اس راستے پر چلنے میں کوئی دقت نہ تھی
یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس دور میں سوانحی تصانیف کا طویل سلسلہ ملتا ہے۔

اول تو یہ دور تھا بھی تاریخ و تذکرے کا دوسرے اہل قلم حضرات
جن کے قلم ہمیشہ نئے اور اچھوتے میدانوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس
نئے میدان کی وسعتوں کو دیکھ کر اس میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ اور
اس نئے اور دلچسپ فن کے انوکھے پہلوؤں سے لطف اندوز ہونے لگے

برٹش میوزیم کی کیٹلاگ مرتبہ بلوم ہارٹ اور مرزا سجاد بیگ
کی الفہرست کے متعدد صفحات سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں
اور ان کی تصانیف سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن اس طوالانی سلسلہ

Marfat.com

میں چند نام ہی قابل ذکر ہیں جن کی کوششوں کو اچھی اور کامیاب کوششیں کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ عہد سرسید کے یہ چند نام قابل ذکر ہیں مرزا حیرت دہلوی، احمد حسن خان مولوی احمد دین احمد حسین الہ آبادی مولوی ذکار اللہ۔ فیروز الدین ڈسکوی۔ سراج الدین احمد ایڈیٹر چودھویں صدی۔ عبدالحلیم شرر۔ منشی محمد الدین فوق، خواجہ غلام الثقلین، نذیر احمد قاضی سلیمان اور عبدالرزاق کانپوری

مذکورہ بالا مصنفین میں سے بعض کی تصانیف کا سلسلہ خاصہ لمبا ہے۔ اور بعض نے ایک یا دو ہی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اس میں انھوں نے ایسی فنی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے کہ اس مقالہ میں ان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود انتہائی تلاش کے کئی مصنفین کی کتابیں مجھے نہ مل سکیں اور اس سبب سے ان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہ کی جاسکی۔ تاہم ان کے موضوعات کے انتخاب سے ان کی سوانح نگاری کی نوعیت ضرور معلوم ہو جاتی ہے

ان میں سے ایک قابل ذکر نام احمد حسین الہ آبادی کا ہے یہ۔
(۱) حیات سعدی (۲) حیات نورالدین محمود (۳) حیات ذوق۔
(۴) اور حیات سلطان صلاح الدین کے مصنف ہیں۔ ان کے موضوعات کے انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص طبقہ یا سلسلہ کے موضوعات کو ہی سوانح نگاری کے لئے مستحق انتخاب نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ قومی ہیروؤں بادشاہوں، شعراء اور عالموں کے سوانح حیات کو یکساں

Marfat.com

طور پر قابل توجہ سمجھتے تھے۔ اور انھوں نے جہاں سلطان صلاح الدین جیسے قومی ہیرو کی سوانح عمری کو قابل ذکر سمجھا وہاں استاذ ذوق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ بہرصورت ان کے تمام انداز تصنیف پر غائر نظر ڈالتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اعلیٰ سوانح نگاری کے فن سے تقریباً بے خبر تھے۔ البتہ ان کے خاکے بہت حد تک گوارہ کیے جا سکتے ہیں اور ان کی تمام تر توجہ بھی اس پر صرف ہوئی۔

مرزا حیرت دہلوی اڈیٹر اخبار اودھ لکھنؤ اس دور کے ایک اور مصنف ہیں انھوں نے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں اور ان کی تصانیف کی بھی خاصی تعداد ہے ان کی سوانحی تصانیف جو دستیاب ہو سکی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) حیات طیبہ (۲) حیات فردوسی۔ (۳) سیرۃ محمدیہ حیات طیبہ شاہ اسمٰعیل شہید کی سوانح عمری ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۳۱۲ھ ہجری قدسی ہے نواب سعید الدین احمد خاں صاحب طالب۔ جاگیردار ریاست لہارو نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

جب ہوا سرشار فکر صہبا ہے جب یہ ندا ہاتف کی آئی نسخۂ لیکش ہے

(۱۳۱۳ھ ہجری قدسی ہے)

کتاب تین اہم حصوں میں منقسم ہے۔ دیباچہ پہلا حصہ دوسرا حصہ اس کتاب میں مرزا صاحب شبلی کے طرز تصنیف سے متاثر ہوئے ہیں اور جس طرح مولانا شبلی سوانح نگاری کے ضمن میں تاریخی

Marfat.com

اور سماجی پس منظر کو ہیرو کے کردار شخصیت کے ذہنی اور عملی ارتقاء کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب بھی تاریخی اور سماجی پس منظر کو اس ضمن میں ضروری جانتے تھے۔ اور انھوں نے شاہ صاحب کے حالات زندگی اور کارناموں کا ذکر کرنے سے پیشتر عالم اسلامی ممالک کے اس زوال اور انحطاط کا مختصر اور جامع خاکہ پیش کیا ہے۔ جس میں ان کے ہیرو نے آنکھ کھولی۔ پھر ہندوستان کی درباری اور عوامی زندگی کا تاریخی اور سماجی پس منظر پیش کیا ہے۔ معاشرے اور سلطنت کی انحطاط پذیری لوگوں کی ضعیف الاعتقادی اور مذہبی بدعتوں کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے۔ اور یہ ہی وہ پہلو ہیں جو شاہ صاحب کے پیش نظر تھے اور جن کی اصلاح کا مقصد لے کر وہ اٹھے تھے۔ غرض مرزا حیرت عہد عالمگیر سے لے کر آخری مغلیہ تاجدار تک کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور خاص اپنے موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

مرزا صاحب کو سوانح نگاری کا خاصہ سلیقہ ہے۔ وہ اپنے موضوع کو محض ایک مصلح قوم مجاہد اور شہید ہی کی حیثیت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے انسانی مشاغل اور خصائل پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ اور ان کو اس امر کا احساس ہے کہ کسی شخصیت کی تعمیر میں اس کے گھریلو ماحول عادات اور نجی مشاغل کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کتاب کے پہلے اور دوسرے باب میں مولانا اسمٰعیل شہید کے بچپن کے حالات تعلیم اور تربیت کے علاوہ لڑکپن اور جوانی کے رجحانات

Marfat.com

اور مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جہاں شاہ صاحب ذہنی اور روحانی تربیت اور نشوونما پاتے رہے تھے۔ وہاں ان کو اپنی جسمانی صحت اور تربیت کا بھی خیال تھا۔ انھوں نے دکھایا ہے کہ یہ مولویوں اور خشک زاہدوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والا مصلح اور مجاہد عام انسانی زندگی سے قریب تھا اور اس میں دلچسپ جزئیات کو بڑی اچھی طرح شامل کیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو شہزادی تیراکی اور فنون حرب سے گہری دلچسپی اور واقفیت تھی۔ ان کی فطرت تھی۔ ان کی فطرت اور رجحانات کا یہی رخ ان کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوا ہے۔

اس کے بعد کے ابواب میں عوام الناس کی شورشیں مولانا کا پہلا وعظ گورنمنٹ کی انصاف پسندی سرکار برطانیہ کی طرف سے ممانعت وعظ اور مولانا کی رزیڈنٹ سے ملاقات مولانا کا سفر پنجاب سکھوں اور مسلمانوں کے اخلاق ملکی برتاؤ مولانا شہید کی کامیابیاں خلاف شرع امور کی اصلاح پنجاب سے واپسی دہلی کی افواہیں مولانا سید احمد بریلوی سے ملاقات جہاد کی تدبیر فتح پشاور اور پھر شہادت کا حال ہے۔ ان کی تصانیف کا ذکر کرنے کے علاوہ بعض خطوط بھی پیش کیے ہیں۔

دوسرا حصہ مولوی سید احمد بریلوی کے حالات پر مشتمل ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے یک وقت دو کام لینا تھے۔ اول تو یہ

Marfat.com

کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل شہید ایک ہی تحریک سے
وابستہ اور ہمخیال رہے تھے۔ اس لئے ان کے حالات زندگی پیش
کرکے مولانا شہید کی سیرت و تحریک پر مزید روشنی ڈالنا مقصود تھا
دوسرے عقیدت اور فرض نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کی
سیرت نگاری سے بھی عہدہ برآ ہوتے چلیں

مرزا صاحب طرزِ تصنیف میں نہ صرف مولانا شبلی سے متاثر
ہیں بلکہ مولانا حالی سے بھی متاثر ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس
کتاب کی تصنیف اور تدوین میں ان کے پیش نظر حیات جاوید بھی
تھی۔

عہد سرسید کے ان سوانح نگاروں میں ایک بات اور بھی قابل
ذکر نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے ہیرو کی قدر افزائی یورپین مورخین
اور مصنفین کی آرا اور حوالوں کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مرزا
حیرت نے بھی اپنی تصنیف کو مکمل اور وقیع بنانے کے لئے یورپین مورخین
کی آرا بھی درج کی ہیں۔

مرزا حیرت اپنے دور کے مناظرانہ رجحانات سے بے حد متاثر ہیں
لب ولہجہ پر شدت عقیدت اور جذبہ کا عکس ہے اپنے دور کے اصلاحی
مقاصد کے پیش نظر اپنی رائے اور نظریات کو بھی شامل کرتے
جاتے ہیں۔

حیات فردوسی | حیات فردوسی ان کی دوسری تصنیف ہے

Marfat.com

یہ ایک خاکہ ہے جو پیسہ اخبار لاہور نے ۱۹۰۲ء میں شائع کیا۔
اس کا مقدمہ نفس مضمون سے غیر متعلق ہے
۲۲ صفحوں میں نظم پر خیال آرائی کی ہے تمہید سے لے کر آخری سطور میں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ واضح ہو کہ یہ مقدمہ حیات فردوسی سے تعلق رکھتا ہے۔

مرزا صاحب کا یہ مقدمہ مولانا حالی کے شعر و شاعری کا ردِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ وہی لب و لہجہ وہی انداز اختیار کیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مقدمہ شعر و شاعری کا چربہ اتارا ہے۔ انگریزی الفاظ کا استعمال مثلاً لٹریچر ایٹ ماسفیئر ورک ریمارک کا بکثرت استعمال اور جس طرح مولانا حالی نے متعدد بار ملٹن کی مثال دی ہے۔ اسی طرح ہر جگہ شیکسپیئر کی مثال اور مقولے پیش کئے ہیں۔ غرض مجموعی طرز تحریر مولانا حالی کے اثر کی غمازی کر رہا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ مقدمہ شاید محض مولانا حالی ہی کی کاٹ کرنے کو لکھا تھا۔ اور جا بجا ان کی نیت پر حملے کئے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

موجودہ ترقی کناں زمانے میں جبکہ مغربی تعلیم کے نئے سیلاب نے تمام ہندوستان کو ہڑپ کر لیا ہے چند ناخواندہ اور علوم مشرقی سے محض نابلد جنھوں نے کسی قدر انگریزی پڑھی یا انگریزی خوانوں کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ انھوں نے جوں ہی علوم مغربی کے روشن آفتاب کو دیکھا ان کی نگاہیں

Marfat.com

ایسی چکا چوند ہوئیں کہ پھر انھیں کچھ نہ سوجھا اور کمبخت بیچاری مشرقی
شاعری اور علوم پر اندھا دھند گر پڑے اور خدا واسطے
کی بے چارے متقدمین پر لعن طعن شروع کر دی ۔
اتنا لکھ کر بھی مرزا حیرت کا دل نہیں بھرا آگے چل کر لکھتے
ہیں "بعض نافہم اور موجودہ زمانے کے کم عقل شعراء نے
اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے وہ وہ ہرزہ
سرائی مشرقی شعار کی نسبت کی ہے جس کی کوئی حد
نہیں ہے ان کی یہ تحریریں دیکھ کر شرم آتی ہے کہ جن
لوگوں کو خوش کرنے کے لئے وہ ایسی بے معنی تحریریں
لکھتے ہیں الٹا ان کا ہی دل دکھتا ہے اور وہ سخت
حقارت کی نظر سے ایسے شخص کو دیکھتے ہیں کہ جس کی
یہ بے ہودہ رائے ہو ۔"

(حیات فردوسی دیباچہ ۔)

مندرجہ بالا اقتباسات اگرچہ بے تعلق سے معلوم ہوتے ہیں لیکن
ان سے اس زمانے کے مصنفین کے رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے ۔کہ وہ اپنی
متعصبیت کو کس طرح دوسروں پر ٹھونسنے کے قائل تھے اور جہاں کہیں بھی
موقع ملتا تھا وہ قاری کو اپنا ہم خیال بنانے میں کسر اٹھا نہ رکھتے تھے
اس مقدمہ کے بعد نفس مضمون یا اصل موضوع پر آتے ہیں ۔ صرف
چھیاسٹھ صفحوں میں فردوسی کا حال ہے باقی میں اس کے کلام پر تنقید اور

Marfat.com

مغربی و مشرقی لوگوں کی آراء دی ہیں اور چھیاسٹھ صفحے سوائے چند کے سب
کے سب ہی مناقشہ پر مشتمل ہیں دراصل یہی فردوسی کی زندگی کا اہم ترین
واقعہ ہے جو اس کی سیرت کردار اور رتبہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ مرزا
حیرت نے اس واقعہ کو بڑے دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس
میں جانب داری اور روا داری سے مطلق کام نہیں لیا۔ جو واقعات ان
کو ہلمش اور دوسرے چند ذرائع سے ملے ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ
وہی بارہا کا سنا اور دہرایا ہوا واقعہ ہے جس کا لب لباب یہ بتایا جاتا ہے
کہ محمود غزنوی نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی اور ساٹھ ہزار
اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن جب کام ہو گیا۔ تو اس نے زر موعود
دینے کے لئے انکار کیا اور بے چارہ شاعر عسرت و تنگ دستی
کے دن گذارتا رہا۔ اور اسی حال میں مر گیا۔

اس مناقشہ اور واقعے کو مرزا حیرت نے اس خاکہ کا بنیادی
نقطہ بنایا اور اس کو ایسے انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ مسرت بخش
اور فائدہ مند محسوس ہونے لگا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات کو
انھوں نے بڑے ڈرامائی انداز میں بتدریج پیش کیا ہے۔ فردوسی
کا محمود کے بارے میں پہنچنا وہاں اس کی قدر و منزلت اور محمود کی
حد سے زیادہ مہربانی پھر دربار غزالی کے بعض شرپسند عناصر کی مفسدہ
پرور بے اعتدالیاں اس پیرائے میں بیان کی ہیں۔ کہ ہم آہستہ آہستہ
نتیجہ کی طرف پہنچتے ہیں اور شروع سے آخر تک اس سب کو اتفاقات

Marfat.com

اور حادثات پر محمول کرتے جاتے ہیں۔

عام طور پر سوانح نگار صاحب سوانح کی ہمدردی میں واقعات اگرچہ صحیح بیان کرتا ہے۔ لیکن اس پیرائے میں کہ قاری کی تمام تر ہمدردیاں سمٹ کر صاحب سوانح کی طرف مرکوز ہو جاتی ہیں اور وہ اس کے حریف اور مخالف کو مورد الزام سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن مرزا حیرت نے یہ چیز پیدا نہیں ہونے دی وہ ایک طرف تو اپنے ہیرو کی قابلیت اور مرتبہ کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اس واقعہ کے نتائج کا جہاں تک تعلق ہے وہاں تک ان کو اپنے ہیرو سے دلی ہمدردی بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس کی بعض نادرنیوں اور کمزوریوں کو بھی چھپانے کی کوشش نہیں کرتے جو ان کے نزدیک اس نتیجہ کا باعث بنیں۔ ان کے بیان سے ان کا ہیرو غزنی کے سلطان کے بے جا ظلم وستم کا شکار اور عسرت وتنگ دستی میں مرنے والا بوڑھا نہیں رہ جاتا۔ بلکہ اب بھی ایک بلند پایہ شاعر ہے جس کی محمود کے بارے کے علاوہ اور درباریوں میں بھی قدروقیمت تھی ساتھ ہی وہ ایک جلد باز مردم ناشناس اور کسی حد تک احسان فراموش بھی معلوم ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو بلحاظ فن مرزا حیرت کا لکھا ہوا یہ (SKetch) خاکہ مکمل ہے۔ دراصل سوانح نگاری کی یہ صنف بہت زیادہ تشفی بخش نہیں ہوتی اور نہ اس میں مکمل سوانح حیات کے مواد کو پیش کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس میں تو چند اہم واقعات اور ایسی تفصیلات درج ہوتی ہیں جو اس کے کردار پر روشنی

Marfat.com

ڈال سکیں ۔ دراصل خاکہ نویس کا مقصد تذکرہ نویسی سے کچھ زیادہ تفصیلات کا فلمند کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ہم موضوع کے کارناموں اور محاسن اور خصائل سے بخوبی آشنا ہو جاتے ہیں ۔

حیات فردوسی میں یہی بات موجود ہے ۔اس کے ابتدائی حالات بہت مختصر ہیں صرف اسی واقعہ پر زور دیا ہے ۔جس کے گرد فردوسی کی تمام زندگی گھوم رہی ہے اور اگر وہ مفصل حالات کے طور پر فردوسی کے عادات واطوار پر روشنی ڈالنا چاہتے تو شاید اس خوبی اور بے تعلقی سے نہ ڈال سکتے ۔جس طرح اس واقعہ کے ضمن میں اس کی شخصیت خود بخود ہمارے سامنے آگئی ہے ۔

اگرچہ بلحاظ صنف اور نوعیت بھی مرزا صاحب کی حیات فردوسی کا مقابلہ مولانا حالی کی حیات سعدی سے نہیں کیا جا سکتا ۔لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حیات سعدی سے "ایک پہلو مولانا کی نیک اور روادار فطرت کی وجہ سے کمزور رہ گیا ہے کہ بعض اہم اور ضروری معاملات پر انھوں نے روشنی ڈالنا محض اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کا پسندیدہ "ہیرو" ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود ہو جائے ۔

مرزا حیرت کو اس کی پروا نہیں تھی انھوں نے فردوسی کے مذہب اور عقیدے کے متعلق جو کچھ ان کے علم میں تھا صاف الفاظ میں لکھ دیا ۔اور اس طرح اپنے ہیرو کی پردہ پوشی کی ضرورت نہیں سمجھی اور دراصل

Marfat.com

بات بھی یہی ہے جب انسان کسی موضوع پر قلم اٹھائے تو اس کے لئے اظہار
جرأت ہونا لازمی ہے بقول ڈاکٹر جانسن: When it is Painful
to tell the truth the story must not be told

سیرت محمدیہ مرزا حیرت کی ایک اور تصنیف ہے اور یہ اس
خاص مناظرانہ رجحان کی آئینہ دار ہے جو عہد سر
سرسید کا امتیازی نشان تھا۔ دیباچہ ہی میں اس کتاب کی تصنیف کی
غرض و غایت بتادی ہے۔ کہ یورپ کے مورخ اور مستشرقین رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام پر بے بنیاد الزامات عائد کرتے
ہیں۔ اور اسلام کے اس طرح آناً فاناً میں پھیل جانے کو تلوار کا نتیجہ
بتاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ ان بے جا الزامات کا
جواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اقدس سے عموماً
اور ان واقعات سے خصوصاً جن سے یہود و نصاریٰ باوجود انتہائی
اختلاف کے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ دیں گے۔ اور اس کے لئے انھوں نے
اپنے دور کے دوسرے لکھنے والوں کی تقلید میں مناقب سے صداقت کی
طرف قدم بڑھایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و
زندگی کی سچی صفات کے ذریعہ ظاہر کی ہے اور آنحضرتؐ کی سیرت وسوانح
کو تاریخ کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے۔

دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہم اپنے سچے نجات دھندہ کی

Marfat.com

آنکھ بھوؤں کی تعریف کے ورد کو بالائے طاق رکھیں
اور اس کی سچی تاریخی صفات سے بحث کرکے جبراً اس
کی حقیقت عالم پر ثابت کردیں۔
دلیلیں ایسی روشن ہوں کہ مانیں اور پھر مانیں اس نظر
سے میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح
عمری موجودہ زمانے کے مطابق تحریر کرنے کی کوشش
کرکے وہ واقعات بہم پہنچائے ہیں۔ کہ متعصب سے
متعصب شخص کو بھی قبول کرنے میں چارا نہ ہو۔
(دیباچہ سیرت محمدیہ)

اس اقتباس سے دو نتائج برآمد ہوئے اول تو یہ کہ سیرت وسوانح
پر تاریخی روشنی ڈالی ہے۔ دوم یہ کہ مقصد بحث ومناظرہ ہے۔ جس میں
دلائل اور شواہد سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بات صاف ہو جاتی
ہے کہ اب ہماری زبان میں مغرب کے تصور سوانح نگاری کو باقاعدہ
جگہ دے دی گئی ہے۔ حالی اور رفقائے سرسید سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے
جو اس گروہ کے حلقۂ اثر سے باہر یا مخالف تھے۔

مرزا صاحب نے سیرت محمدیہ وسیع مطالعہ اور گہرے استدلال
سے کام لے کر لکھی ہے اور یہ عہد سرسید کا طفیل ہے۔ جن کے طرز فکر سے
استفادہ کرنے کا اعتراف مرزا صاحب خود کرتے ہیں۔
"اس کے بعد جب اپنے فخر قوم سید امیر علی صاحب جج ہائی کورٹ

Marfat.com

کلکتہ کا انتہا درجہ کا مشکور ہوں جن کی بیش بہا کتاب "اسپرٹ آف اسلام" نے مجھے اس نادر الوجود کتاب کی ترتیب میں بہت مدد دی۔ میں نے اپنے بابوں کی ترتیب میں اس کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور بہت سے مضامین اسی بیش بہا صحیفہ سے اخذ کئے ہیں۔ پھر میں ڈاکٹر سر سید احمد ریفیا رمرحوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی بیش قیمت کتاب نے اناجیل کی تحقیق و تفتیش میں مجھے مدد پہونچائی۔

(دیباچہ سیرت محمدیہ)

انھوں نے عیسائی اور مغربی مستشرقین کی جواب دہی کے علاوہ امیر علی صاحب کی "سپرٹ آف اسلام" سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً مسئلہ خلافت عثمان اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے متعلق پیدا کردہ غلط فہمیوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور ان کا ازالہ بڑے مدلل انداز میں کیا ہے۔ اس کو باقاعدہ سوانح حیات کہنا زیادہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف آں حضرتؐ کی سوانح عمری اور تاریخی شواہد سے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ بلکہ تمام عالم اسلام کے تاریخی حالات کا جائزہ اعتراضات کی روشنی میں لے کر ترتیب وار جوابات دیتے ہیں۔ اور اس طرح خالصتاً سوانح نگاری کے نقطۂ نظر سے یہ سوانح عمری کسی قدر ہٹی ہوئی ہے۔

نورتن اکبری مع سوانح اکبر یہ اکبر اور اس کے درباریوں

Marfat.com

کے مختصر خاکے ہیں اور اس میں بھی خاکہ نویسی کے فرائض کو اچھی طرح ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً اکبر کے مختصر حالات کے علاوہ اس کا حلیہ تفریحی مشاغل مذہب لیاقت اور پالیسی کا بھی مختصر اور جامع ذکر کیا ہے اور اس میں بھی اکبر کی زندگی کے اس دلچسپ اور انوکھے واقعہ پر زیادہ زور دیا ہے۔ جس کو دین الٰہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اکبر کی ذہنیت مزاج اور مذہبی خیالات کا بھوت جو اس کے سر پر سوار تھا تاریخی پس منظر میں بتدریج ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس مذہب کے جھگڑے میں انھوں نے ذاتی رائے اور جانب داری کو بھی شامل کر دیا ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں:۔

"اگر غور سے نظر اکبر پر ڈالی جاوے گی تو معلوم ہوگا کہ اکبر کو چند ملانوں نے بدنام کر دیا تھا۔ اور یہ اتہام کہ اکبر سجدہ کراتا ہے۔ یہ بھی ملانوں کی شرارت تھی۔ مشرقی اور مغربی شاہوں کا یہ پرانا قاعدہ تھا کہ جب کوئی دربار میں داخل ہو تو وہ تین بار سجدہ نما سلام کرے اور اس سے واقعی مذہب کو کچھ علاقہ نہیں"

(نورتن اکبری)

اسی طرح ایک جگہ اس کے اس فعل کی تائید یوں کرتے ہیں "اس قسم کے ادب آداب سلطنت کے رعب و دبدبے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔" (صفحہ ۹ نورتن اکبری)

Marfat.com

اکبر کے علاوہ اکبر کی رانیوں اور بیگموں کے خاکے بھی پیش کئے ہیں اور اس میں خاکہ نویسی کے آداب کو ملحوظ رکھا ہے ۔ جودھا بائی کی راجپوت نسل اور مذہب کا اس کی عادات اور طریقوں پر اثر ہے اس پر اچھی طرح روشنی ڈالی ہے ۔ اور اس مختصر سے خاکے سے اچھی طرح محسوس ہو جاتا ہے کہ اس بیگم کی زندگی اور طور و طریق پر اس کے نسلی امتیازات کس حد تک اثر انداز تھے ۔

مریم زمانی کا خاکہ افسانوی انداز میں پیش کیا ہے اور بعض بعض جگہ مکالموں سے ناول کا انداز بھی آگیا ہے ۔ واقعے کی نوعیت کچھ ہو لیکن اس میں مرزا حیرت نے ہیروئن کے مخصوص مذہبی کردار کو ہی اس کے پورے خاکے کی بنیاد بنا دیا ہے اور اس کی ان تمام کوششوں کا ذکر جو اس نے اکبر کو عیسائی بنانے اور دربار مغلیہ میں عیسائیت کا پرچار کرنے میں کی تھیں بڑے مبالغہ سے بیان کیا ہے ۔

بیگمات کے تذکرے کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے ۔ جن کو نورتن اکبری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک کی بنیادی خصوصیات اور شخصیت کے مخصوص پہلوؤں کو واضح کیا ہے ۔ شیخ مبارک اور اس کے مایۂ ناز فرزندان ابوالفضل اور فیضی کی علمی قابلیت اور شخصیت کے ساتھ ان کی لامذہبیت اور مذہب میں بدعت طرازیوں کا ذکر بڑے دلچسپ پیرائے میں کرتے ہیں ۔

Marfat.com

مرزا حیرت کی زیر نظر کتابوں کے مطالعہ سے احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک تیز و تند مزاج مناظر اور اچھے خاکہ نویس ہیں جنہوں نے شبلی و حالی سے متاثر ہونے کے باوجود اپنے مخصوص رنگ طبیعت کو بھی برقرار رکھا ہے۔ مرز

مرزا حیرت دہلوی کے بعد ایک اور قابل ذکر نام " فیروزالدین ڈسکوی کا ہے۔ فیروزالدین ڈسکوی نے موضوع سوانح پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مجھے ان کی صرف کتاب مل سکی ہے۔

سیرت النبیؐ (پیارے نبیؐ کے پیارے حالات) سنہ طباعت ۱۹۲۳ء

اس کتاب کی غایت تصنیف فیروز صاحب یہ بتاتے ہیں کہ اس کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک اور اسلام کی صداقت کو بالتفصیل بیان کریں چنانچہ اس کا اظہار انھوں نے اپنے دیباچے کی ابتدائی سطور ہی میں کیا ہے۔

> " زندگی مستعار کا کچھ پتہ نہیں بہتر ہے کہ سرورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے مختصر حالات اور مقدس واقعات مختصر طور پر لکھ دوں تاکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ حضور علیہ السلام کی سیرت ہی آپ کی صداقت کا اعلیٰ ثبوت ہے "
>
> (دیباچہ سیرت النبیؐ)

دوسرا مقصد اس کتاب کی تصنیف سے یہ تھا کہ وہ لوگ جو

Marfat.com

قرآن شریف کا ترجمہ کسی استاد کی مدد کے بغیر پڑھتے ہیں۔ وہ مختلف آیات کا موقع اور سبب نزول معلوم نہیں کر سکتے نہ ہی اس بات کا امتیاز کر پاتے ہیں کہ کون سا واقعہ مکہ میں گزرا اور کون سا مدینہ میں اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ایسی سیرت نبوی موجود ہوتی جس کے ذریعہ خاص خاص واقعات اور آیات کے تعلق اور رابطہ کا پتہ لگایا جا سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیروز صاحب کا مقصد اس تصنیف سے ایک تو یہ تھا کہ اس سوانح عمری کے ذریعہ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کا مقصد قارئین پر واضح کیا جائے۔ دوسرے آیات کے نزول اور واقعات کا تاریخی رابطہ اور تسلسل معلوم ہو سکے اور اس طرح موصوف نے اس کو خالصتہً سوانح عمری کے نقطۂ نظر سے تصنیف نہیں کیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے تھے کہ آن حضرت نبی آخر الزماںؐ مامور من اللہ اور موید من اللہ تھے اپنے دعوؤں کی تائید میں دوسری آسمانی کتب اور صحیفوں کی آیات کو بھی پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی انبیا علیہم السلام کے اقوال بشارت بھی درج کئے ہیں۔ اور اسی طرح ان اعتراضات کی تردید اور جواب دہی کی ہے جو رسول اکرمؐ اور مذہب اسلام پر مخالفین نے کئے ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

• بشارات وہ تحریریں کی گئی ہیں جو آن حضرت پر بلا تکلف صادق آتی ہے اور مومن کا ایمان بڑھاتی ہیں جیکوں

Marfat.com

کرما دکھائی ہیں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا بعض بشارات کے متعلق جو جھگڑا ہے اس کا بھی فیصلہ ہو گیا ہے"

(دیباچہ سیرت النبیؐ)

ان مقاصد کے پیش نظر کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) انبیاء کے مختصر حالات (۲) خود نبی کریمؐ کے حالات زندگی (۳) آپؐ کے اخلاق و عادات ... (۴) تورات و انجیل کی بشارات کا ذکر (۵) معجزات اور آیات بینات (۶) آپؐ کی تعلیمات (۷) آپؐ کی حیات مقدسہ کے مقاصد

اس کتاب میں تذکرہ نگاری، سیرت اور تاریخ سے مدد لی گئی ہے اختصار اور اجمال کو حد درجہ ملحوظ رکھا ہے۔ وہ تمام تاریخی واقعات یعنی ہجرت، غزوات اور جنگیں جن کو آپؐ کی سیرت و سوانح میں زبردست اہمیت ہے اختصار سے بیان کر دیئے ہیں اور جیسا کہ انھوں نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے۔

"اس کتاب میں لمبی چوڑی عبارت آرائی نہیں کی گئی بلکہ سادہ اور صاف طور پر حضور علیہ السلام کے واقعات وغیرہ بیان کر دیئے گئے ہیں۔"

اور یہ حقیقت ہے کہ مصنف نے سادگی اور اختصار کو حد درجہ ملحوظ رکھا ہے۔ عبارت آرائی اور حاشیہ آرائی کا شوق

Marfat.com

نہیں معلوم ہوتا۔ اگرچہ کتاب کا مقصد مناظرانہ ہے۔ ہم اس کو مدافعانہ سوانح عمری کہہ سکتے ہیں۔ لیکن مصنف نے اس نیز مناظرانہ لب ولہجہ سے گریز کیا ہے۔ جو عام مذہبی مناظروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ خالصتہً سوانح عمری نہیں کہی جا سکتی بلکہ ایک مقصد اور نصب العین کے لئے سوانح حیات کو استعمال کیا گیا ہے۔

سیرت النبیؐ کے علاوہ فیروز ڈسکوی کی تصنیفات میں نوشت اعظم۔ تاریخ محمدی۔ یادگار سعدی۔ یادگار وکٹوریہ تذکرہ شعرائے اردو بھی ہیں اور اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ موصوف نے فن سوانح نگاری کی مختلف اصناف یعنی مناقب۔ سیرت۔ یادگار اور تذکرہ نویسی پر قلم اٹھایا تھا۔

اس عہد کے ایک اور قابل ذکر مصنف منشی محمد الدین فوق ہیں انھوں نے بھی اس فن پر متعدد تصانیف لکھی ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) ابوالحسن ملا دوپیازہ (۲) مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ (۳) کشمیر کی رانیاں (۴) یادرفتگاں (۵) غنی کاشمیری۔ (۶) للہ عارفہ (۷) تذکرہ خواتین دکن (۸) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۹) نورجہاں اور جہانگیر کی سوانح عمریاں۔

ان کی تصانیف میں سے بھی چند ہی کتابیں دستیاب ہو سکی ہیں جن کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

للہ عارفہ ایک مختصر تذکرہ ہے یہ کشمیر کی ایک خدارسیدہ خاتون کا ذکر ہے۔ جو فقر و سلوک کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے جس کا ذکر تاریخ کبیر کشمیر کے معنف اور اکثر انگریز تذکرہ نگاروں نے بھی کیا ہے۔ معنف نے للہ عارفہ کی تاریخ پیدائش اور بچپن کے ابتدائی واقعات سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ شادی کا ذکر ہے اور ساس کے بعد سسرال کا قیام اور ساس کے سلوک کا ذکر کیا ہے اور اس طرح اس عارفہ کی نجی زندگی کا ایک پہلو ظاہر کیا ہے۔

وہ فوق العادۃ واقعات جو اس عارفہ سے منسوب ہیں ان کا ذکر بھی کیا ہے اور جیسا کہ اس دور کا خاصہ ہے کافی تحقیق سے کام لیا ہے ہر واقعہ کا حوالہ تاریخ کبیر کشمیر کے معنف اور للہ کے انگریز تذکرہ نگار سے دیا ہے۔

انداز بیاں انتہائی خشک اور بے کیف ہے جس کی وجہ سے ان کے موضوع میں زندگی کی رمق بھی نہیں نظر آتی۔

تذکرہ خواتین دکن یہ بھی تذکرہ ہے سرزمین دکن کی نامور ممتاز اور صاحب سیف و قلم خواتین ملکہ خونزہ ہمایوں۔ سہرہ دیوی۔ حلومی دیوی۔ والدہ ابراہیم عادل شاہ بیگم حمید خاں۔ رانی پرتھال ملکہ پونجی خاتون۔ ردح پرور بیگم۔ چاند بی بی اور سلطانہ بیگم کے حالات درج ہیں۔ لیکن اس تذکرے کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ حالات زندگی کی طرف معنف کی

Marfat.com

توجہ ہی نہیں تھی۔ بلکہ ان خواتین کے چند مخصوص اور تاریخی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ اور بہت ہی لطف انداز میں۔ چونکہ سیرت نگاری مقصود نہ تھی۔ اس لئے کسی بھی خاتون کے ابتدائی حالات یا ذاتی صفات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اگر کہیں کیا بھی ہے تو چند سطروں اور بہت تشنہ الفاظ میں۔ یہاں تک کہ چاند بی بی جیسی مشہور اور دلیر سلطانہ کے ذاتی حالات پہ اس سے زیادہ نہیں لکھا کہ۔

"حسین نظام شاہ کی بیٹی اور عادل شاہ کی بی بی تھی۔
۱۵۴۳ء میں پیدا ہوئی اور احمد نگر میں بچپن کا زمانہ گزارا۔
علاوہ عظمت خاندانی اور عظمت ذاتی کے اپنی عقل و تدبیر سخاوت اور شجاعت۔ قدردانی کمال پروری کے جواہرات سے جڑاؤ بنی تھی۔"

(تذکرہ خواتین دکن صفحہ ۱۴۹)

اسی طرح بلکہ پونجی خاتون کی ذاتی خوبیوں کے ضمن میں صرف اتنا لکھا ہے کہ

"اس کا اسلامی نام پونجی خاتون تھا آگے چل کر معلوم ہوگا کہ پونجی خاتون نے بڑے بڑے پولیٹکل مسائل طے کئے ہیں اور ملکی معاملات کی بہت سی گتھیاں اپنے ناخن تدبیر سے سلجھائی ہیں۔"

(تذکرہ خواتین دکن صفحہ ۴۲)

Marfat.com

سیرت نگاری کی طرف تو توجہ دی ہی نہیں ۔ البتہ کارناموں کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن وہ بھی بڑے بے جان طریقے سے دراصل منشی محمد الدین فوق سوانح نگار نہیں ہیں بلکہ ان کا رجحان تاریخ کی طرف ہے ۔

نور جہاں اور جہانگیر بغیر کسی پیش لفظ یا مقدمہ کے کتاب سلسلہ طباعت ۱۹۱۷ء مرزا غیاث کے حالات سے شروع کردی گئی ہے ۔ اس لئے پہلی نظر میں مصنف کے رجحان اور خیالات کا اندازہ نہیں ہوتا بڑے خشک انداز میں مرزا غیاث الدین کی بیوی اور بیٹی کے اکبر کے حالات میں داخلے تک کے بعد مہرالنساء اور شاہزادہ سلیم کی ایک دوسرے پر شیفتگی تک پہنچ گئے ہیں جس میں کسی قسم کے ارتقائی مراحل پیش نہیں کئے اور یہاں آکر فوق صاحب اپنے اصل مطلب پر آئے ہیں ۔ اگرچہ کتاب میں ابواب کی تقسیم نہیں ہے ۔ لیکن اس واقعہ کے اختتام کے بعد جلی حروف میں لکھا ہے ۔

" مرزا حیرت کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد "

یہاں سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا اصلی مقصد مناظرانہ ہے مرزا حیرت کی مصنفہ سوانح عمری نورجہاں بیگم ، کا جواب دیا ہے ۔ مرزا صاحب نے حسب عادت مولانا محمد حسین آزاد پر حملے کئے ہیں ۔ اور ان الزامات کی تردید کرنا چاہی ہے جو مورخین نے جہانگیر پر عاید کئے ہیں ۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نورجہاں جہانگیر پر فریفتہ ہو گئی تھی ۔ فوق صاحب نے اس کی تردید بڑے زور شور سے کی ہے ۔

Marfat.com

اور مرزا حیرت کے علاوہ احمد حسن خان بی۔ اے پر بھی اعتراضات کئے ہیں۔ اور ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"جس کے مصنف احمد حسن خان بی۔ اے ہیں جو بزعم خود اردو کا سر ڈالٹر سکاٹ بننے کی کوشش کرتے ہیں ہر چند اس ناول میں پروفیسر آزاد کے ان خیالات کا اقتباس کیا گیا ہے جو انھوں نے سلیم اور نورجہاں کی نسبت تحریر کئے ہیں۔ مگر منشی صاحب نے واقعات کو اس طرح الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ اور اس قدر غلط بیانی اور محض افسانہ نگاری سے کام لیا ہے۔ کہ اس ناول کو پڑھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔"

(سوانح عمری نورجہاں و جہانگیر)

کتاب کے مختلف موضوعات حسب ذیل ہیں:

مہرالنساء بیگم پر شاہی تربیت کا اثر مذہبی تعلیم، علی قلی خان، علی قلی خان اور مہرالنساء بیگم، علی قلی خان کو تخت بخت ہو گیا۔ جہانگیر نورجہاں پر سو جان سے عاشق تھا۔ نورجہاں پولیٹیکل اسٹیج پر، نورجہاں اور مہابت خاں۔ نورجہاں کی وفات بمقبرہ نورجہاں۔ پھر نورجہاں کی حاضر جوابی شاعرانہ لیاقت اور بہادری کا ذکر ہے۔

لیکن کسی ایک موضوع سے بھی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ بجائے ان کو دلچسپ پیرائے میں بیان کرنے کے بحث و مناظرے

Marfat.com

کی طرف پوری توجہ صرف کی ہے۔ باوجود اس کے کہ مصنف کو اپنے موضوع سے جانب دارانہ انس نہیں ہے۔ وہ اس کی شخصیت کو دلکش اور جاذب بنانے میں ناکام رہے ہیں۔ جس کا بڑا سبب شیعہ اور سنی کا افسوسناک فرقہ وارانہ سوال ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فوق صاحب نے مناظرانہ اور مدافعانہ سوانح نگاری کا غلط اور افسوسناک استعمال کیا ہے اور اس صنف کی شکل مسخ کردی ہے۔

حیات نورالدین جہانگیر "سوانح عمری نورجہاں" ہی کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس میں وہ مخصوص مناظرانہ پیرایہ اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن فوراً ہی اس امر کا احساس اور اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ مصنف کو اپنے موضوع سے ہمدردی اور انس کے بجائے ایک قسم کا تعصب اور نفرت ہے۔ اور یہ کتاب تنقیص اور تحقیر کے جذبے کے ماتحت لکھی گئی ہے۔ لب ولہجہ کچھ ایسا جارحانہ اختیار کیا ہے کہ قاری کو مطلق اجازت نہیں ہے کہ وہ صاحب سوانح کے متعلق خود کوئی رائے قائم کر سکے۔ کتاب کا ماخذ محمد حسین آزاد کی دربار اکبری معلوم ہوتا ہے۔

جہانگیر کی زندگی ایک ایسا دلچسپ اور بوقلموں موضوع ہے کہ جس میں ایک سچے اور اعلیٰ سوانح نگار کو بڑی دلچسپی محسوس ہوئی اس شاعر مزاج ذکی الحس باذوق اور رنگین مزاج شاہنشاہ کی زندگی کے پیچ و خم کو بڑے لطیف اور حسین پیرائے میں پیش کر سکتا

Marfat.com

تھا۔

لیکن ہمارے مصنف نے توجذبہ نفرت کے ماتحت یہ سوانح عمری لکھی ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ جہاں انھوں نے صاحب سوانح کو قاری کی ہمدردی سے محروم رکھا ہے۔ وہاں خود بھی اس کی ہمدردیاں حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اور کتاب پر سرسری نگاہ ڈالتے ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ مصنف حد درجہ نفرت اور تعصب کا شکار ہے۔

سوانح عمری ملک العلماء علاّمہ عبدالحکیم سیالکوٹی

فوق کی مذکورہ تصانیف میں ہر لحاظ سے اہم ہے یہ عہد جہانگیری و شاہ جہاں کے ایک زبردست عالم کی مستقل سوانح عمری ہے اور کافی دلچسپی سے لکھی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اس تصنیف میں منشی صاحب مولانا حالی کے طریق تصنیف سے متاثر ہوئے تفصیلی حالات کے علاوہ مولانا کے کاموں اور تصانیف پر بھی تبصرہ کیا ہے۔

فوق کی تصانیف کے انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھے سوانح نگار نہیں ہیں اور تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

مولوی نذیر احمد کا نام بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے اگرچہ عام طور پر مولوی نذیر احمد اردو ادب میں ناول نگار

Marfat.com

اور مترجم کی حیثیت سے متعارف ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جن کی قصہ نویسی میں ناول کے مستقل اور اتنے زبردست عناصر غالب نظر آتے ہیں۔ لیکن یہاں وہ ہمیں ایک سوانح نگار کی حیثیت سے نظر آتے ہیں ۔ "امہات الامہ" ان کی وہ مشہور تصنیف ہے۔ جس نے اس ناول کو سوانح نگاروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اگرچہ امہات الامہ کے علاوہ ان کی کوئی دوسری سوانحی تصنیف نہیں ہے لیکن اس ایک ہی تصنیف کی وجہ سے ان کا شمار بھی سوانح نگاروں میں ہوتا ہے ۔

نذیر احمد کی یہ تصنیف بڑے بحث و مباحثہ کا باعث رہی ہے اور اس وقت جب کہ یہ طبع ہو کر عوام کے سامنے آئی ۔ علمائے عصر نے اس کو ہدف ملامت بنایا اور سوخلنی ٹھہرا کر نذر آتش کر دیا اور لطیف یہ ہے کہ یہ کتاب مصنف نے عیسائی پادریوں اور ان مناظرین کے جواب میں لکھی تھی ۔ جنھوں نے رسول اکرمؐ کی کثرت ازدواج پہ حملے کئے تھے ۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اس کے دیباچہ میں ذکر کیا ہے اس کے : علاوہ اپنے مخصوص منطقی اور مدلل انداز میں انسان کی جبلی اور فطری خواہشات کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کا احترام ایک صحیح اور مکمل انسان پر کس درجہ لازم ہے ۔ انھوں نے اس امر پر زور دیا ہے ۔ کہ رسول اکرمؐ قطع نظر نبوت اور رسالت کے ایک بشر تھے جو تمام بشری اور مادی خصائص سے متصف ہوتا ہے ۔ اور اس طرح عام انسانی معیار اور

Marfat.com

اقدار پہ ان کے افعال کو پرکھنا چاہیے اور اس عام انسانی سطح پر لاکر نذیر احمد اپنے ہیرو کے اس مرتبہ اور مقام کو فراموش کر بیٹھے جو اس کی امت اور دوسرے انصاف پسند دنیا والوں نے اس کو دے رکھا ہے. جو اس کے شایان شان ہے۔ وہ اپنی دھن میں یہ بھول گئے کہ اہل نظر کا قول ہے کہ :۔

"با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"۔

اور انھوں نے آنحضرتؐ اور امہات المومنین کی سوانح حیات لکھنے کے لئے وہی زبان استعمال کی ہے جو وہ اپنی ناولوں میں استعمال کرتے ہیں۔

دراصل وہ دکھانا یہ چاہتے تھے کہ آں حضرتؐ نے مختلف اوقات میں یہ عقد زیادہ تر ملکی اور پیغمبرانہ مصلحتوں کی بنا پر کئے تھے۔ اور اس سے محض تعداد ازدواج کا بڑھانا مقصود نہ تھا اپنے دعوت کی تائید میں مولوی صاحب نے آں حضرتؐ کی خانگی اور نجی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ یہ ایسا موقع نہ تھا کہ محض اپنی مسرت اور راحت کے لیے آنحضرتؐ کثرت ازدواج کو گوارا کرتے بلکہ آپؐ کی زندگی تو بڑی کٹھن آزمائش تھی۔ اور اس میں ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات تھیں کبھی دو وقت کا کھانا بھی اطمینان سے نہ ملا۔ اور اکثر گھر میں چراغ بھی نہ جلتا۔ غرض کہ اس زندگی کا نقشہ بڑی اچھی طرح کھینچا ہے۔ لیکن ان سے یہی شکایت ہے کہ بڑے

Marfat.com

عامیانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ چونکہ وہ پہلے ناول نگار ہیں اور بعد میں مورخ اس لئے وہی پیرایہ اختیار کیا ہے۔ بعض وقت مکالموں کی وجہ سے یہ رنگ اور بھی گہرا ہو گیا ہے مثلاً۔

"ابوسفیان اور ہرقل قیصر روم کا مکالمہ"

(امہات الامہ صفحہ ۱۵۳)

نذیر احمد صاحب نے اپنے ناولوں میں بھی جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ عورتوں اور بڑی بوڑھیوں کی سی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی بھی وہی زبان ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کسی منطقی اور محقق مولوی کے بجائے کسی کونے میں تخت پر بیٹھی ہوئی بڑی بی اپنے الفاظ میں یہ واقعات بیان کر رہی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ام سلمہؓ کی ہجرت کا حال اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

"بنو مغیرہ کو جب ہمارے چلنے کی خبر ہوئی اور یہ میرے میکے کے لوگ تھے تو انھوں نے آکر میرے شوہر ابوسلمہؓ کی مزاحمت کی اور سختی سے کہا تم ہماری لڑکی کو کہاں لئے جاتے ہو تمہیں اپنی ذات کا اختیار ہے۔ جہاں چاہو خدائی خوار مارے مارے پھرو ہم اپنی لڑکی کی یوں مٹی خراب نہیں ہونے دیں گے۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ عورت ذات اور وہ بھی بچے والی یوں بے سروسامان جنگلوں بیابانوں میں تمہارے ساتھ سرگرداں پھرے"

Marfat.com

(امہات الامہ صفحہ ۱۲۶)

غرض یہ کہ اس قسم کی زبان استعمال کی ہے۔ اس سے ایک بات تو یہ ہوئی ہے کہ واقعات تو زیادہ نزدیک اور سچے معلوم ہونے لگتے ہیں مگر بعض وقت وہ حد سے تجاوز بھی کر گئے ہیں۔ اور بعض چھوٹے چھوٹے واقعات اور معمولی مخالفتوں کا ذکر ایسے انداز میں کیا ہے کہ وہ بہت بڑی اور ناخوشگوار باتیں معلوم ہونے لگی ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب انھوں نے اپنے اشخاص سوانح کی حمایت میں لکھی ہے۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سے مصنف کو جذباتی وابستگی اور ہمدردی نہیں ہے۔ اعتراض کے جن ناگوار داغوں کو نذیر احمد نے ان مقدس دامنوں پر سے دھونا چاہا تھا۔ اس سے زیادہ گہرے داغ خود ان کے قلم کی بے راہ روی نے ان دامنوں پر لگا دیئے ہیں۔ انھوں نے بار بار امہات المومنین اور حضرت فاطمہ رض کے بارے میں تریاہٹ اور تریا چرتر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"ہمارے ملک میں عورتوں کا طبعی خاصہ تریاہٹ اور تریا چرتر بھی مانا گیا ہے۔ تو وہی بات ہم فاطمہ رض اور عائشہ رض میں بھی پاتے ہیں۔"

(امہات الامہ صفحہ ۱۰۷)

"زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو عائشہ رض کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت چاہتی تھیں۔ اور

Marfat.com

"اس وقت ظاہر ہیں تو باپ کو ناقابل امامت بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہوا کہ ابوبکرؓ سے بڑھ کر پیغمبر صاحب کا کوئی خیر خواہ نہیں ۔"

(امہات الامہ صفحہ ۱۰۸)

آں حضرتؐ کی اولاد کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

"آں حضرتؐ کی نسل نے دنیا میں فتنہ و فساد قائم کیا آں حضرتؐ کی اولاد نرینہ ہوتی تو نوح کے نااہل بیٹے جیسی ہوتی"

(امہات الامہ صفحہ ۱۱۰)

ان اقتباسات کے علاوہ بھی بے شمار ناشائستہ فقرات اور جملے استعمال کئے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مصنف نے جان بوجھ کر یہ الفاظ کسی تحقیر کے خیال سے استعمال نہیں کئے ہوں گے اور بقول بشیر الدین احمد صاحب مرحوم

"بعض جگہ شوخی طبع سے کوئی فقرہ رد میں نکل گیا اور کوئی ایسی بات نہ پائی جس سے اسلام کی توہین یا مسلمانوں کی دل آزادی مقصود ہو۔"

(امہات الامہ صفحہ ۴)

تاہم ان کی اس عامیانہ زبان سے ان کے فن پر بڑا اثر پڑا ہے جس طرح یہ زبان ناول نگاری کا وصف بن گئی تھی۔ اسی طرح اس فن کا

Marfat.com

عیب بن گئی ہے۔

انھوں نے تو اپنی طرف سے معترضین کا منہ توڑ جواب ہی دینا چاہا تھا۔ لیکن نہ جانے خود ان کی بد قسمتی ہے یا ان کے قلم کی کہ انھوں نے جب بھی کسی کے بارے میں اپنی رائے قائم کر کے رائے عامہ کو اس کی طرف کرنا چاہا۔ معاملہ الٹ گیا۔ انھوں نے مراۃ العروس کی ہیروئن "اصغری" کی حمایت اور طرف داری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن رائے عامہ ان کی مردود اور مطعون "اکبری" کے حق میں ہو گئی۔ انھوں نے "نصوح" کو مثالی کردار بنا کر پیش کیا اور لوگ چپکے چپکے "کلیم" کو سرا ہنے بیٹھ گئے۔

یہی حال امہات الامہ میں ہوا۔ ان کے الفاظ نے بساط ہی الٹ دی اور وہ قاری بھی جو کہ آنحضرتؐ اور ان کے اقرباء کے لئے انتہائی عقیدت کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد اپنی عقیدت میں کمی محسوس کرتا ہے۔ اور اس طرح نذیر احمد کو ایک ناکام سوانح نگار کہا جا سکتا ہے کہ باوجود خواہش کے وہ اپنے پسندیدہ اشخاص کا کوئی اچھا اثر قائم نہ کر سکے تاہم ان کی تحقیق اور کوشش قابل توجہ ہے اور شاید اسی لئے علامہ بلگرامی مرحوم نے آرزو کی تھی کہ "کاش امہات الامہ کا ترجمہ میں کرتا۔"

(امہات الامہ صفحہ ۴)

اس دور کے لکھنے والوں میں شاید ہی کوئی اہل قلم نکلے

Marfat.com

جس نے پہلے اس طرح تاریخ نگاری پر قلم نہ اٹھایا ہو چنانچہ مولوی عبدالحلیم شرر کا نام بھی اس سلسلہ میں لیا جاتا ہے۔

مولوی عبدالحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز کو اکثر اردو کے سر والٹر سکاٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور انھوں نے اپنی ناولوں کی بنیاد بتاریخی واقعات اور قصوں کو بنایا ہے۔ اگرچہ ان کے فن میں سر والٹر سکاٹ کی سی پختگی صلاحیت اور فنی شعور مفقود ہے تاہم ان کی تاریخ کی دلچسپی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

مولوی عبدالحلیم شرر نے اپنے ناولوں کو تاریخی رنگ دینے کی کوشش کی اور ان کو ماضی کے قصوں میں بڑا حسن اور دلکشی نظر آئی اور مختلف طریقوں پر انھیں اپنا موضوع بنایا۔ چنانچہ دلگداز میں سیر نسواں کے نام سے ایک سلسلہ جاری کیا جس میں بلاتخصیص مذہب و ملت رنگ و نسل تمام دنیا کی مشہور اور معروف عورتوں کے حالات تحریر کئے۔ ایک اور سلسلہ مضامین سیر رجال کے نام سے شروع کیا۔ اس میں بھی مختلف زمانوں میں مذہب و ملت کے ناموروں کے قصے لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں محض ان لوگوں کی تخصیص نہیں کی ہے جنہوں نے بڑے بڑے کارنامے کئے ہیں بلکہ کسی بارے میں بھی نیک نام یا بدنام شخص کو قابل اعتنا سمجھا ہے مثلاً قیس عامر جو صحرائے عرب کی ایک کالی رنگت والی دوشیزہ کے پیچھے عقل و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا اس کا بھی ذکر

Marfat.com

جہاں تک ان کی معلومات نے ساتھ دیا تحقیق کی روشنی میں کیا ہے اور اسی طرح بڑے بڑے سپہ سالاروں بادشاہوں عالموں اور محققوں کا ذکر کیا ہے۔

ان کے یہ چھوٹے چھوٹے مضامین خاکے کہے جا سکتے ہیں جن میں اشخاص کی زندگی کے مخصوص پہلوؤں ہی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شرر ناول نگار ہیں اور ان کا قلم رنگین اور نیکی عبارتیں لکھنے کا عادی ہے چنانچہ انھوں نے اپنے سوانحی خاکوں کو بھی ناول کا رنگ دے دیا ہے

ناول اور سوانح کی جمالیاتی اقدار میں بڑا لطیف فرق ہے۔ ناول میں بھی سوانح عمری کی طرح کسی مخصوص شخص کی زندگی پیش کی جاتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ناول کے کردار اور واقعات فرضی ہی ہوتے ہیں اور ناول نگار اس امر کا مجاز ہوتا ہے کہ کردار واقعات کو اپنی مرضی اور اسکیم کے مطابق جس رخ چاہے چلائے۔ اس میں صرف وہ سلیقہ درکار ہے جو فرضی واقعات اور باتوں کو اصلیت کا روپ دے سکے۔ لیکن سوانح عمری میں مخصوص اور مقررہ واقعات ہی سوانح نگار کا مقسوم بن جاتے ہیں۔ اور وہ ان سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس کا کمال اور ہنرمندی اسی میں ہے کہ وہ ٹھوس اور جانے بوجھے حقائق کو اس انداز اور سلیقے سے بیان کرے کہ وہ ان میں زندگی دلکشی اور انوکھا پن پیدا ہو جائے۔ شرر کو یہ ترکیب خوب آتی ہے۔ اگرچہ وہ ناول میں زندگی اور حقیقت پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن اپنے سوانحی خاکوں میں انھوں نے ناول کی دلکشی اور حسن کو سمو دیا ہے۔ اسی بات کو بے وہ معمولی پیرائے میں بیان کر سکتے ہیں۔ کچھ ایسے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ یا بات کی دلکشی میں دو چند و سہ چند اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً علیہ بنت مہدی نے سرپیچ ایجاد کئے اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

علیہ کی جبین ناز پر ایک مسّہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا تھا اور خوبصورت گورے مکھڑے پہ جو چاند کا ٹکڑا اٹھا کلف بن کر نمودار ہوتا۔ اس عیب کو چھپانے کے لئے نظر فریب و مکلل بہ جواہر سرپیچ ایجاد کئے۔

(سیر نسواں صفحہ ۵۷)

اسی طرح دلچسپ حکایتوں اور واقعات کی تکنیک سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ اسی علیہ کی معصومیت بھولپن اور سعادت مندی کا واقعہ بیان کر کے اس کی ان صفات کو واضح کیا ہے۔ علیہ ایک باکمال شاعرہ تھی اور شعرائے عرب کے دستور کے مطابق ایک جیتے جاگتے محبوب کا ذکر بھی ضروری تھا۔ چنانچہ علیہ کی نظر انتخاب ہارون کے دو خوش جمال غلاموں رشا اور طل پر پڑی اور ان کے خیال و جمال کی مدد سے اپنے زندگی اور حسن بھرا کرتی تھی۔ جس میں طل کی نسبت زیادہ پر شوق الفاظ استعمال کئے ہیں ہارون الرشید نے بہن کو اس سے منع کیا اور قسم لے لی کہ طل کا ذکر نہ کرنا اور اس سے راہ مراسم چھوڑ دے

Marfat.com

لیکن قسم لینے کے بعد بھی ہارون کو شبہ رہا اور اکثر خاموشی سے علیّہ کے کمرے کی طرف جا کر اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ چنانچہ شررؔ ایک دن کا دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں۔

"ایک دن گیا تو علیّہ تلاوت کلام مجید میں معروف تھی۔ اور ایسی خوش گلوئی سے قرأت کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا دیر تک چپکا کھڑا سنتا رہا علیّہ سورہ بقر پڑھ رہی تھی پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی۔" فان لم یصبا وابل فطل "تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہنچ کے بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

"کالذی منعنا منہ امیرالمومنین"

یعنی وہی جس سے امیرالمومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعہ سے رشید پر عجیب اثر ہوا بے تاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگالیا پیشانی چومی اور کہا۔

لو میں نے طل تمہیں دے ڈالا۔"

(مضامین شرر صفحہ ۷۶)

بعض جگہ مکالموں سے بھی ان خاکوں میں ناول کا رنگ دیا ہے اور اس طرح یہ دلچسپ اور اچھے خاکے بن گئے ہیں۔

ان سوانح نگاروں میں ایک اہم نام مولوی عبدالرزاق کانپوری کا ہے۔ اس باب میں اب تک جن سوانح نگاروں کا ذکر کیا جا چکا ہے

Marfat.com

عبدالرزاق صاحب ان سب سے زیادہ اس فن سے واقف ہیں خود اپنی علمیت اور استعداد کے علاوہ وہ مولانا حالی اور مولانا شبلی کے تصور اور فن سوانح نگاری سے واقف اور متاثر ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اپنا مزاج بھی سوانح نگار کا مزاج ہے اور وہ سوانح نگاری اور تاریخ کے خفیف لیکن اہم فرق سے بھی واقف ہیں۔ اور انھوں نے مشرق و مغرب کے تصور سوانح کا بخوبی مطالعہ کیا ہے۔

اپنی مشہور اور گراں قدر تصنیف "البرامکہ" کے دیباچے میں کار لائل اور ڈاکٹر اسمائلس کے مقولوں کے علاوہ مولانا حالی کی حیات سعدی کے دیباچے سے بھی اقتباسات دیئے ہیں۔ ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بھی حالی اور شبلی کی طرح یہی خیال ہے کہ انہی لوگوں کے حالات لکھنے کے قابل ہیں جنھوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں کئے ہیں اور ان کو شبلی کا یہ خیال بہت پسند آیا کہ "سلسلۂ ناموران اسلام" شروع کیا جائے اور مسلمان فرماں رواؤں کے حالات زندگی لکھنا شروع کئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

"لیکن نہایت خوشی ہے کہ سب سے پہلے ہمارے محترم قبلۂ التعظیم شمس العلماء مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی فیلو یونیورسٹی الہ آباد۔ وپروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ نے ایک سلسلہ رائل ہیروز آف اسلام۔ (ناموران فرماں روایان اسلام) کا لکھنا شروع کیا ہے"

Marfat.com

(البرامکہ دیباچہ صفحہ ۶)

اسی خیال سے متاثر ہو کر انھوں نے سلسلہ نامور وزرائے اسلام شروع کیا اور البرامکہ کو منتخب کیا۔ چنانچہ اس کا ذکر اپنے دیباچہ میں کرتے ہیں۔

"میں نے بھی بیوگرافی پر قلم اٹھایا ہے اور اس مقصد کے واسطے خاندان برمکہ کا انتخاب کیا ہے جو خاص فضائل سے منسوب تھا۔ برامکہ کے جود و کرم کے افسانے اور علمی کارنامے بطور ضرب المثل کے آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں۔"

(دیباچہ صفحہ ۱۴)

انھوں نے اس خاندان کے مفصل حالات بطور تذکرے کے ترتیب وار لکھے ہیں جن کا مقصد ان کا نام زندہ کرنے کے علاوہ یہ بھی تھا۔

"ان کے فضل و کمالات سے قوم میں ایک عمدہ تحریک پیدا ہو"

(دیباچہ صفحہ ۱۵)

اس کے علاوہ آل برمکہ کے اس تذکرے سے مصنف کا ایک مقصد اور بھی تھا وہ ہارون رشید کے دامن سے اس بدنما داغ کا دور کرنا تھا جو آل برمک کے قتل سے اس پر لگ چکا تھا۔ کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں خاندان برامکہ اور ہارون الرشید کی ناچاقی لکھتے ہیں جس

Marfat.com

تذرمحبت میں نے کی ہے۔ اس کی علت غائی شہرت وناموری جلب منفعت کی توقع یا قوم سے ستائش کی تمنا نہیں ہے۔ بلکہ اصلی مقصد اور صدق عقیدت یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید عباسی سے جو خاندان رسالت کا ایک ممبر ہے وہ غلط اور بے ہودہ الزام دور کروں جو خلافت اور وزارت کے باہمی میل جول اور یک جہتی سے تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔

(البرامکہ صفحہ ۴۲۶)

ان کے اس انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرزاق میں تاریخ وسوانح نگاری کا بڑا لطیف اور معتدل امتزاج تھا۔ سوانح نگار جب اپنی توجہ تمام دنیا سے ہٹا کر کسی مخصوص شخصیت کی طرف مرکوز کرتا ہے تو اس انتخاب کا جواز بھی ہوتا ہے۔ سوانح نگار میں لگاؤ محبت اور شفقت کا مادہ ہوتا ہے۔ اور مورخ بے رحم اور بے لاگ فطرت کا حامل ہوتا ہے تاریخ وسوانح کے نقادوں نے مورخ اور سوانح نگار کا فرق ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"سوانح نگار اور مورخ کا فرق پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر اور آپریشن کرنے والے سرجن کا سا ہے۔ اول الذکر بے دردی و بے رحمی سے کاٹ چھانٹ کرتا ہے۔ اور موخرالذکر احتیاط نرمی اور ہمدردی سے نازک رگوں

Marfat.com

کو چھیڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ زبردست فرق ہے لیکن یہ کسی ڈاکٹر کی خوش نصیبی ہے کہ اس میں ہر دو صلاحیتیں جمع ہو جائیں وہ ایک کامیاب اور ہمدرد سرجن بھی ہو اور موقع پر ایک بے رحم اور بے گانہ پوسٹ مارٹم کرنے والا بھی بن سکے یہی صفت مولوی عبدالرزاق میں موجود ہے۔ ان کے دل میں اپنے اشخاص قصہ کے لئے انتہائی محبت اور احترام کا جذبہ ہے لیکن یہ جذبہ وسیع ہے محدود نہیں ہے۔ اس کی وسعتیں خاندان برامکہ کے حریف ہارون الرشید کے لئے بھی ہیں۔

انھوں نے جہاں تک سوانح عمری کا تعلق ہے۔ ایک اچھے اور متین سوانح نگار کا فرض ادا کیا ہے۔ لیکن جہاں حقائق اور واقعات کا موقع آیا ہے۔ ان کا طریق کار اس مورخ یا سائنس دان کا سا ہو جاتا ہے جو اپنے موضوع کو اس زاویئے سے دیکھتا ہے جس سے اس کو کام اپنا ہوتا ہے۔

چنانچہ جہاں وہ آل برمک کے زوال و تباہی پر دل سے متاسف ہیں اور ان کو ہارون الرشید کا یہ فعل غیر مستحسن اور یہ اقدام غلط نظر آتا ہے وہاں وہ ان اسباب و علل کو بھی نظر انداز نہیں کرتے جو آل برمک خصوصاً جعفر کی بعض بداعتدالیوں کا نتیجہ ہیں۔

ایک سوانح نگار کا دل ہی جانتا ہے کہ یہ کیسا نازک مرحلہ ہے ایک طرف تو فن کا تقاضا ہے کہ صحیح راہ پر دیانت داری سے

Marfat.com

چاپلوسی طرف نتیجہ شخصیت کی محبوبیت قدم قدم پر قلم پھسلنی ہے لیکن عبدالرزاق صاحب اس مرحلہ سے بخیر و خوبی گزر گئے۔ ان کا طرز بیان بڑا معتدل اور سنجیدہ ہے وہ اپنے اشخاص تذکرہ کی حقیقی عظمتوں کا ذکر بھی بڑے متین اور باوقار انداز میں کرتے ہیں۔ ان کا قلم ہر قسم کی بے راہ روی سے پاک ہے اور اپنے ہیروؤں کی تعریف بڑے جامع اور معتبر الفاظ میں کرتے ہیں مثلاً فضل برمکی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"مختصر الفاظ میں فضل کی یہ تعریف ہے کہ وہ تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔ جس طرح اس کی تلوار کی سطح زمین پر یادگاریں باقی ہیں۔ ویسے ہی اس کی قلمی فتوحات کے دفتر آج ہمارے پیش نظر ہیں مستند مورخین (ابن خلکان) نے خاندان برامکہ پر ریمارک کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا ہے کہ۔ "فیاضی میں فضل سب سے افضل تھا۔ اگرچہ بلاغت اور انشا میں جعفر فضل پر فائق تھا۔ زمانہ جاہلیت کو اگر حاتم طائی پر فخر ہے تو عہد اسلام کو فضل پر ناز ہے۔"

(البرامکہ صفحہ ۱۴۸)

اس کے باوجود ایک جگہ بڑی صاف گوئی سے لکھتے ہیں کہ "فضل برمکی بغایت نخوت پسند تھا۔" اگرچہ ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر دیتے ہیں کہ اس کی یہ نخوت پسندی عادت سے زیادہ ادا میں شمار کی جا سکتی ہے۔ یہ نخوت کسی لمبے چوڑے لکچر سے نہیں دیا ہے۔ بلکہ ایک معمولی سے واقعہ کے

Marfat.com

ضمن صفائی پیش کردی ہے اور قاری کو یہ محسوس ہونے نہیں دیا ہے کہ مصنف بہ جبر اپنا یہ خیال منوانا چاہ رہا ہے۔

اسی طرح تمام حقائق اور واقعات مختلف روایتوں اور تحقیقی۔ قصوں ہی کے ذریعہ بیان کئے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہم کو آلِ برمک کے زوال کی طرف لاتے ہیں۔ اور کچھ پہلے ہی سے اس امر کا متوقع بنا دیتے ہیں لیکن کچھ اس ترتیب اور طریقہ سے آگے بڑھتے جا رہے ہیں کہ اس میں ایک طرح کا (suspence) تعطل پیدا ہوتا ہے۔ اور پڑھنے والا اس جانے بوجھے انجام کی طرف شوق تجسس کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ کشاکش (conflict) جو ہارون اور جعفر کے دلوں میں برپا ہے قاری کے ذہن میں بھی حشر برپا کر دیتی ہے۔ اور اس طرح یہ سنجیدہ تذکرہ ایک ایک حزنیہ کے عظمت اور حسن کا حامل بن جاتا ہے اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا مصنف نہ صرف ایک سوانح نگار کا دل اور مورخ کا مزاج رکھتا ہے۔ بلکہ اس کا قلم اس ادبی حس کا بھی حامل ہے جو کسی فن پارے میں ادبیت کے عناصر پیدا کر دیتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق صاحب "لائف اینڈ ٹائمز" کے انداز پر سوانح عمری لکھنے کے قائل نہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے وہ سیاسی اور تمدنی پس منظر پیش نہیں کیا ہے جس میں برامکہ نے اپنے کارنامے سرانجام دیے عروج کی انتہائی منزلوں پہ پہنچ کر زوال کی آخری حدوں کو بھی دیکھا۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب اپنے وقت کے بلند پایہ سوانح نگار ہیں۔ اور ان کی مایہ ناز تصنیف "البرامکہ" اردو کی اعلیٰ اور بلند تصانیف میں سے ہے۔ اسی سلسلہ کے ایک اور مصنف قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری جج ریاست پٹیالہ ہیں۔ اگرچہ یہ بیسویں صدی میں موجود تھے۔ لیکن ان کا شمار عہد سرسید ہی کے سوانح نگاروں میں کرنا چاہئے۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے اصحاب البدر۔ تاریخ المشاہیر اور رحمۃ اللعالمین سوانحی تصانیف ہیں۔

اصحاب البدر جنگ بدر کے تفصیلی حالات اور اس میں حصہ لینے والے ۳۱۳ صحابہ کرامؓ کا مختصر تذکرہ ہے قاضی صاحب کا رجحان تاریخی تحقیق کی طرف زیادہ ہے اور تذکرہ بھی تاریخی مقاصد کے پیش نظر مرتب کیا ہے۔ غزوۂ بدر کے اسباب و حالات پر تفصیلی اور تاریخی روشنی ڈالی ہے۔

اصحاب بدر کا تذکرہ مہاجرین کے عنوان سے شروع کیا ہے اور سب سے پہلے مہاجر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع کیا ہے یہ تذکرہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے دوسرے تمام تذکروں سے جدا گانہ ہے اور پڑھنے والا قاضی صاحب کی تحقیق و تجزیہ کا قائل ہو جاتا ہے۔ موصوف نے بڑی محنت و توجہ سے اس کو مرتب کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنہ ولادت کو تمام دنیا کے مروجہ و مشہور سنین کی مطابقت سے پیش کیا ہے۔ اور ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی تاریخ ولادت

Marfat.com

اپنے سنین کے حساب سے معلوم کر سکتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے تمام واقعات اور حالات کو بھی مختلف سنین اور تواریخ کے حساب سے بیان کیا ہے مثلاً بعثت نبوت کا سنہ مکہ میں تبلیغ کی مدت۔ معراج ہجرت مدینہ منورہ کی مدت قیام اور وفات ان سب کا حساب لگا کر لکھتے ہیں۔

"عالم دنیوی میں حضورؐ نے ولادت سے لے کر وفات تک ۲۲۳۳۰ دن چھ گھنٹے قیام فرمایا اور یہ چھ گھنٹے اکتیسویں دن میں لگے۔"

(اصحاب البدر صفحہ ۲۱)

پھر ان تمام ایام میں سے بھی تبلیغ رسالت و نبوت کے دنوں کی تعداد یعنی ۸۶۵۶ دن تبلیغ رسالت و نبوت کے بھی نکال کر بتا دیئے ہیں آں حضرتؐ کے مشہور و مشہود لقب اور قرآن کریم میں جن مخصوص اور پسندیدہ خطابات سے آپؐ کو مخاطب کیا گیا ہے ان کی فہرست مختصر شجرہ نسب حضورؐ جن غزوات میں بہ نفس نفیس شریک ہوئے ان کی تعداد و فہرست سب درج کر دیا ہے۔

غرض یہ کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اہم دلچسپ معلومات کا مختصر اور جامع ذخیرہ پیش کر دیا ہے۔ اس نوع کے تذکرے کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ بچوں اور طلبار کی بھی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے

Marfat.com

نہیں کیا ہے۔

"حضورِ پرنور کے حالات مبارکہ بچوں کو ہماری کتاب مہرِ نبوت میں اور اہلِ علم کو رحمۃ اللعالمین میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔"

(اصحاب البدر صفحہ ۲۳)

خلفائے راشدین کے ذکر میں ان کے تعارف کے بعد ان کے مخصوص فضائل نمبر وار گنوا دیئے ہیں اور آں حضرتؐ کے حالات میں بھی دیگر اصحاب کی بہ نسبت کسی قدر تفصیل سے کام لیا ہے۔ لیکن اس میں تاریخی عنصر زیادہ غالب نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے تذکرے میں سوانحی عنصر قدرے غالب ہے۔ کیونکہ اس میں فضائل اور تاریخی واقعات کے علاوہ ان کی شخصیت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے ان کا حلیہ بھی لکھا ہے اس کے علاوہ ایک نئی چیز پر بھی روشنی ڈالی ہے یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے باہمی تعلقات جن کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر دو بزرگوں کے تعلقات کو بھیانک اور گھناؤنی صورت میں دکھلایا کرتے ہیں لیکن اس کی کچھ اصلیت نہیں۔"

(اصحاب البدر)

قاضی صاحب نے چند ایسے واقعات کا ذکر کر کے جن سے ہر دو حضرات کے خوشگوار تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا ہے

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے تذکرے میں تاریخی عنصر غالب ہے۔ حضرت علیؓ کے ذکر میں سوانحی غرض اسی طرح اپنے اس مختصر تذکرہ رجال میں قاضی صاحب نے اصحاب البدر کو ہم سے متعارف کروا دیا ہے۔ دراصل اس سے سوانح نگار سے زیادہ مورخ استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔

قاضی صاحب کی دوسری مشہور تصنیف رحمۃ اللعالمین ہے۔ جس طرح مولانا شبلی کی بہترین تصنیف اور شاہکار سیرت النبیؐ ہے اسی طرح قاضی سلیمان کی تمام تصنیفوں میں رحمۃ اللعالمین ہی مشہور اور پسندیدہ مانی گئی ہے۔ اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مصنف ایک سیدھے اور سچے مسلمان تھے۔ جن کی آنحضرتؐ کے ساتھ محبت اور شیفتگی انتہائی حدوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ سیرت نبویؐ کو لکھنا معمولی کام نہ سمجھتے تھے اور ان کو یہ بھی احساس تھا کہ ان جیسا کثیر المشاغل شخص اس فرض سے خیر و خوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس معاملے میں وہ بنے محتاط تھے اسی قدر اس کو کرنے پر مستعد تھے۔ جس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں۔

"ایک فرض کا احساس ہے۔ جو سکوت پر غالب آگیا ہے۔
اور دردِ محبت ہے جس نے بے حس قلب کو تڑپا دیا ہے۔
توفیقِ الٰہی ہے جو برابر اس کام پر مجھے لگائے رکھتی ہے۔
جذبۂ ربانی ہے جس کی کشش طریقِ حق پہ لئے جاتی ہے"

(صفحہ ہ جلد دوم رحمۃ اللعالمین)

Marfat.com

چنانچہ اس شوق بے حد اور جذبۂ بے تاب کی راہ نمائی میں انھوں نے یہ مقدس کام شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں پوری احتیاط کی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے وہ تمام امتیاز اور محاسن جو اس دور میں کسی بھی حیثیت سے پیش کرنے کے لائق تھے اس کا پورا استقصا کیا ہے ان کی اس تصنیف کی اہمیت کا اندازہ سید سلیمان ندوی کے دیباچہ سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے اس کی جلد سوم کے شروع میں لکھا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سید سلیمان ندوی اس میدان کے مرد ہیں۔ اور انھوں نے اپنے واجب التعظیم استاد مولانا شبلی نعمانی کی مایۂ ناز لیکن نامکمل تصنیف سیرت النبیؐ کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ اور وہ سیرت نبویؐ کی اہمیت اور مشکلات سے بخوبی واقف ہیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں۔

"مرحوم نے اسلام کے فضائل میں تفسیر و تاریخ میں اپنی متعدد یادگاریں چھوڑی ہیں۔ مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف رحمۃ اللعالمین ہے۔"

(دیباچہ صفحہ ۹)

سید صاحب کے دیباچہ ہی سے اس کتاب کی نوعیت اور خصوصیت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

رحمۃ اللعالمین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے

Marfat.com

صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے عادی کا ابطال بھی اس میں جا بجا موجود ہے (دیباچہ صفحہ ۹)

چنانچہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے متقدمین اور معاصرین کے دستور کے مطابق اس تصنیف سے سوانح اور مناظرے دونوں کا کام لیا ہے

کتاب کی تین جلدیں ہیں پہلی جلد میں صرف وہی حالات ہیں جو خاص رسول اکرمؐ کی ذات سے متعلق ہیں۔ بیان میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ہر واقعہ کو علیٰحدہ فصل اور عنوان کے تحت بیان کیا ہے جس سے تسلسل میں بڑی کمی آگئی ہے۔ اور سوانحی انداز سے زیادہ مورخانہ انداز کی ہو گی ہے

دوسری جلد میں آں حضرتؐ کی ذات گرامی کے علاوہ شجرہ غزوات ازدواج مطہرات کی فہرست معہ حالات دی گئی ہے اور اس کا سبب یہ بتاتے ہیں۔

> "جلد دوم میں ایسے ضروری مضامین ہیں جن میں بعض کو علمارسیرت آغاز کتاب ہی میں جگہ دیا کرتے ہیں۔ مگر میں نے حصہ اول کو صرف ایسے مالا بدمنہ حالات مبارکہ بہ اختصار کے ساتھ ملتوی رکھا تھا کہ اگر بقیہ جلدیں شائع نہ بھی ہو سکیں تب بھی وہ ناتمام کی صورت میں نامکمل نظر

Marfat.com

(دیباچہ جلد دوم صفحہ ۵)

اس جلد کی تکمیل و ترتیب میں مصنف نے جس محنت اور توجہ سے کام لیا ہے۔ وہ قابل تحسین ہے۔ اس جلد میں ہمیں بہت سی ایسی نئی چیزیں بڑے منظم انداز میں نظر آتی ہیں جو کسی دوسری سیرت النبیؐ میں نہیں ملتی ہیں۔ مثلاً ان تمام غزوات و سرایا کی ایک فہرست اور نقشۂ کیفیت جن میں رسول اکرمؐ نے آٹھ سال کے اندر حصہ لیا تھا۔ اس نقشہ کی ترتیب یوں ہے۔:-

۱۔ غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ
۲۔ لشکر اسلام کی تعداد مع نام سردار
۳۔ لشکر دشمن کی تعداد مع نام سردار
۴۔ نقصان مسلمانوں میں زخمی اسیر یا شہید۔
۵۔ نقصان دشمن کا زخمی اسیر یا مقتول۔
۶۔ کیفیت۔

اسی طرح ان تمام شہدار کی فہرست با اعتبار غزوات جنھوں نے ان میں حصہ لیا بھی درج کی ہے۔

آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کے ذکر سے پہلے ان کے شجرات درج کئے ہیں۔ ان کے مختصر حالات کے علاوہ معترضین کے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے جو انھوں نے آنحضرتؐ پر کئے ہیں

Marfat.com

اس کے بعد آں حضرتؐ کی تمام خصوصیات اور عادات کا ذکر ہوا۔ انبیا علیہم السلام کے مقابلہ میں آپ میں موجود تھیں ترتیب وار علیحدہ علیحدہ فصول میں کیا ہے۔

مصنف کی بڑی کوشش یہی رہی ہے کہ اپنے صاحب سوانح کے متعلق جو کچھ بیان کریں اس پیرائے میں بیان کریں کہ قاری کے دل میں اس کے لئے جذبۂ محبت اور احترام زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

"یاد رکھنا چاہیے کہ معجزۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھنے کا مقصد اس خاکسار کا بلکہ علمائے کبار کا یہی ہوتا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باوجود کے متعلق پڑھنے والے کے قلب کو ایمان قرار کا ایقان روح کو راح اور صدر کو انشراح حاصل ہو جائے اور محبت کا وہ پاک چشمہ جو خاشاک علائق دنیوی سے دب گیا تھا پھر فوارہ کی طرح اسی بلندی پر چلا جائے۔"

(جلد دوم صفحہ ۴۱۸)

لیکن اس کوشش کے باوجود سیرت کے ان محبوب پہلوؤں پر اتنا زیادہ زور نہیں دیا جو لوگوں کو رسول ہاشمیؐ کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ بلکہ تاریخی حقائق ہی پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس میں ایک نقشہ بھی شامل کیا ہے۔ جس میں سنین ہجری کے واقعات دوسرے سنین

Marfat.com

وایام کے مطابق دکھائے گئے ہیں۔

تیسری جلد میں مناظرانہ رنگ زیادہ نمایاں ہے قاضی صاحب انجیل پر زبردست عبور رکھتے ہیں۔ اور دوسری کتب الہٰیہ سے بخوبی واقف ہیں ان کے بیانات کی روشنی اور دوسرے مذاہب اور انبیاء کے اقوال وبیانات سے نبوت اور اسلام کی صداقت کی گواہی اور ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

قاضی صاحب بحیثیت سوانح نگار اتنے اہم اور بلند نہیں ہیں جتنا ایک مورخ اور مناظر کی حیثیت سے ان کا لب ولہجہ مناظر ہونے کے باوجود بہت سلجھا ہوا اور شائستہ ہے اور ایک سچے مسلمان کی طرح ان کے قلم سے کسی بھی آسمانی کتاب یا مذہب کی توہین یا دل آزاری نہیں ہوئی

قاضی سلیمان پر آکر عہد سرسید کے سوانح نگاروں کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور ہمیں ان سوانح نگاروں کی بعض فنی خامیوں کے باوجود اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی قلمی کاوشوں سے اردو کے سوانحی سرمائے میں اچھا خاصا اضافہ کیا ہے۔

—— ×:(۱)ہ د ۱ر ——

Marfat.com

چھٹا باب

اُردو سوانح نگاری حالی و شبلی کے بعد

گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اردو میں سوانح نگاری باقاعدہ اور مستقل فنی حیثیت سے "حیات سعدی" کی تصنیف کے بعد ہی متعارف ہوئی ہے۔ لیکن اس صنف ادب پر ابتدا ہی سے کسی نہ کسی صورت میں قلم اٹھایا جاتا رہا ہے۔ بیشتر اہل قلم حضرات نے اپنی دوسری علمی کاوشوں کے ساتھ ہی توشۂ عاقبت کے طور پر انبیاء اور دوسرے بزرگان دین کے فضائل اور مناقب قلم بند کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کے سرمایہ ادب کا کثیر حصہ کتب تذکرہ، سیرت و سوانح پر مشتمل ہے۔ جس کا پورا احاطہ کرنا بڑا صبر آزما اور دقت طلب کام ہے۔

بہر حال فن سوانح نگاری مختلف مدارج اور منازل طے کرتا ہوا بیسویں صدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن ابھی تک یہی محسوس

Marfat.com

[illegible] یہ اہم فن جس کو ہماری زبان میں بھی اہم ہی کہا گیا ہے بعض افادیت پسند ہاتھوں میں ایک آلۂ کار بن کر رہ گیا۔ کبھی تو اس کو لکھ کر منفعت زادِ آخرت کی غرض سے اور کبھی مختلف قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس کو کام لایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جدید زمانے میں بھی جبکہ ہماری دوسری اصنافِ ادب جدید تصورات سے نہ صرف روشناس ہو چکی ہیں۔ بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ انہی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اردو سوانح نگاری نے ابھی تک خود کو جدید تقاضوں کے مطابق نہیں بنایا اور ہم اردو کی بعض اہم اور قابلِ ذکر سوانح عمریوں میں وہی انداز اور رنگ پاتے ہیں۔ جو انگریزی سوانح عمریوں کا اٹھارہویں صدی کا آغاز میں تھا۔

لیکن اس بنا پر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اردو سوانح نگاری جدید تقاضوں اور تصورات سے کلیتہً عاری ہے موجودہ صدی نے ہماری زبان میں سوانح نگاری کے بعض اچھے نمونے بھی پیش کئے ہیں اس صدی میں فنِ سوانح کے طالب علم کو سوانح نگاری کے دو بڑے دبستان نظر آتے ہیں ایک وہ فریق جس نے اپنی سوانح نگاری کی بنیاد جذبات اور خاص مقاصد پر رکھی تھی اور دوسرا وہ گروہ جو سوانح نگاری کو شخصیت کا مطالعہ اور کردار کا آئینہ بنانا چاہتا ہے اور جس نے اپنی سوانح نگاری کی بنا زیادہ حقیقت پسندانہ نظریہ کے ساتھ رکھی ہے۔

یہ جذباتی اور افادی نظریہ رکھنے والے سوانح نگار وہ ہیں جو

Marfat.com

سلسلہ دار المصنفین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کے پیش نظر مولانا
شبلی کی تصانیف سوانح کا نمونہ ہے۔ اس دلبستان یا جماعت کے قابل
ذکر مصنفین سید سلیمان ندوی عبدالسلام ندوی۔ حبیب الرحمٰن خان
شیروانی اکرام اللہ ندوی۔ سعید انصاری۔ شاہ معین الدین وغیرہ ہیں
جیساکہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس اسکول کے مصنفین کا زاویہ
نظر مقصد اور طریق کار وہی ہے۔ جو خود مولانا شبلی کا تھا۔ یہاں پر مولانا
شبلی کا نظریہ دہرا دینا بے جا نہیں معلوم ہوتا۔ شبلی مغرب کے تصور
سوانح سے آشنا تھے۔ اور اس میں بھی کارلائل کے مداح اور اس کے
نظریۂ فن سے زیادہ متاثر تھے۔ اس کی کتاب "Theory of
Heroes کے مداح تھے اس کی Great men"
& Hero worship سے انھوں نے استفادہ بھی کیا ہے
اور اسی لئے انھوں نے اپنے تصنیفی پروگرام میں سلسلۂ نامورانِ روایاتِ
اسلام کو جگہ دی اور وہ ان کی تصانیف کا گراں قدر حصہ ہے۔ انھوں
نے اپنی مشہور کتاب سیرت النبیؐ کی بنا رکھی مغربی اصول سوانح ہی پہ
رکھی تھی وہ تحقیق و تفتیش کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ اس کے باوجود ان
تصانیف اور تحریر میں جذبات کو بڑا دخل تھا۔ اگر یہ منظر سے دیکھا
جائے تو اس سلسلہ اور پروگرام کی بنا ہی جذبات پر رکھی گئی تھی یعنی
خود اپنے جذبہ کی تسکین اور اسلاف کے کارناموں سے بے پروا اور
بے حس قوم میں جذبات انگیزی مقصود تھی۔ چنانچہ دار المصنفین اور اس

Marfat.com

...لکھنے والے قدیم اہی خصوصیات سے متصف تھے۔

اس گروہ کے سرخیل سید سلیمان ندوی مولانا شبلی کے عزیز ترین شاگرد ہیں قطع نظر سوانح نگاری کے موصوف نے علمی ادبی لسانی اور سیاسی موضوعات پر بھی تصانیف کی ہیں۔ آپ کا اردو کے مشہور اور بڑے انشا پردازوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر و اسلوب اپنا انفرادی رنگ رکھنے کے باوجود شبلی سے متاثر معلوم ہوتا ہے اور ان کی عبارتیں اکثر استاد و شاگرد کی طبعی مناسبت کی غمازی کرتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں بھی شبلی کی سی مبالغہ آمیزی اور جذبات انگیزی ملتی ہے مثلاً حیات شبلی کی ایک عبارت ہے۔

"سلطان محمود نے ہندوستان کی سرزمین کو اسلام کے نعروں سے پرشور کر دیا اور غزنی سے لے کر پنجاب تک یک لخت اسلام کی حکومت قائم کر دی۔"

(صفحہ ا حیات شبلی)

"ہندوستان کی سرزمین کو اسلام کے نعروں سے پرشور کر دیا اور یک لخت اسلام کی حکومت قائم کر دی۔" اس قسم کے فقرات ہیں جن میں واقفیت کے باوجود مبالغہ موجود ہے اور یہ جملہ مولانا شبلی کے اس جملہ کی طرح ہے۔

"اسلام ایک ابر کرم تھا جو سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن بقدر استعداد فیض پہنچا۔ جس خاک میں جس

Marfat.com

قدر قابلیت تھی اسی قدر زیادہ فیض یاب ہوئی۔"

لطف یہ ہے کہ اپنے استاد کے اسی اقتباس سے سید صاحب نے مذکورہ عبارت والے باب کا آغاز کیا ہے اور بظاہر سرسری نظر ڈالنے سے عبارت اور اسلوب کا ذکر اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سید صاحب کے انداز سوانح نگاری کی خود بخود تشریح اور وضاحت ہو جاتی ہے اور بحیثیت تاریخ و سوانح نگار ان کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طرز اور اسلوب ایک حقیقت نگار سوانح نگار کا اسلوب نہیں۔ ایک مورخ کی طرح سوانح نگار کو بھی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے اس کے الفاظ بھی مصور کے موقلم کی طرح محتاط اور سنبھلے ہوئے ہونا چاہئیں تاکہ وہ صحیح مرقع تیار کر سکے اور تصویر میں رنگ بھرتے وقت صحیح خدوخال نمایاں ہوں نہ نقش اتنے مدہوم اور پھیکے ہوں کہ شکل نظر نہ آئے۔ نہ اتنے شوخ اور گہرے ہوں کہ اصلی خدوخال دب جائیں۔ لیکن سید صاحب کا طرز بھی اس احتیاط کا قائل نہیں معلوم ہوتا۔ اس طرح یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب خالصتاً ایک سوانح نگار کا مزاج نہیں رکھتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سوانح نگاری سے بلحاظ فن واقف ہیں اور یہی سبب ہے کہ انھوں نے ایک سوانح نگار کا مزاج نہ رکھتے ہوئے بھی اہم اور قابل قدر سوانح عمریاں تصنیف کی ہیں۔ ان کی مشہور سوانحی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

Marfat.com

(۱) رحمت عالم (۲) حیات امام مالکؒ (۳) سیرت عائشہؓ (۴) حیات شبلی۔ (۵) سیرت النبیؐ میں شریک تھے۔ (۶) قیام

رحمت عالم سیرت النبیؐ پر مختصر کتاب ہے جو بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اور اس میں چند امور کا خاص لحاظ رکھا ہے اس کا ذکر خود کرتے ہیں۔

"ایک زمانے سے دوستوں کا اصرار تھا کہ چھوٹے لڑکوں اور معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے لئے سیرت کی ایک ایسی چھوٹی سی کتاب لکھوں جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لئے آسان ہو پھر اس میں کوئی اہم بات چھوٹنے بھی نہ پائے۔"

(رحمت عالم صفحہ ۱)

یعنی یہ آسان بھی ہو اور جامع بھی ساتھ ہی عبارت کی سادگی اور طرز ادا اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا جائے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کی عبارت سادہ اور دل نشین ہے۔ کتاب کی دلچسپی اور اثر کا بڑا لحاظ رکھا ہے رسول اکرمؐ کی ہجرت اور مدینہ میں داخلے کے موقع کو بڑی جزئیاتی تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کی دلکشی میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ آپ کو ہجرت سے پہلے مکہ میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور پھر اس بے بسی اور بے کسی اور اہانت آمیز سلوک کو بھی بالتفصیل بیان کیا ہے اور پھر اہل مدینہ کے پُرخلوص۔ عقیدت مندانہ اور پرجوش استقبال کا اس طرح ذکر کر کے تقابل کے ذریعہ بڑا

Marfat.com

خوشگوار اثر ڈالا ہے اور قاری کو ایک خاص مسرت اور تسکین بخشتی ہے۔ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

آپ کے ننھیال رشتہ دار بنو نجار ہتھیار لگا کر آپ کو لینے آئے قبا سے شہر مدینہ تک ہر قبیلہ کے معزز لوگ دو رویہ کھڑے تھے۔ آپ جس قبیلہ کے آگے سے گزرتے وہ عرض کرتا کہ اے خدا کے رسولؐ یہ گھر یہ مال یہ جان حاضر ہے۔ آپؐ شکریہ ادا کرتے دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آیا تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔" (رحمت عالم صفحہ ۴۸)

اس قسم کے خوشگوار مسرت اور تسکین کے ایک اور موقع سے فائدہ اٹھایا ہے ایک ایسا شخص جو دنیا میں ایک خاص پیام اور مشن لیکر آیا ہوا ہے مشن کی انتہائی منزل کو دیکھ کر خصوصاً اس وقت جبکہ خود اس کی کشتی حیات کنارے سے آلگی ہو ابدی سکون اور مسرت محسوس کرتا ہے ایسے وقت میں اپنے مشن کی تکمیل کا نظارہ ہی حاصل حیات ہوتا ہے۔ اپنے صاحب سوانح کے جذبہ کو سید صاحب نے فراموش نہیں کیا ہے بلکہ خود بھی اس سے محظوظ ہوئے ہیں اس موقع کا جب آں حضرت نے اپنی وفات کے دن کچھ افاقہ محسوس کیا اور نماز فجر کا نظارہ کرنے کے لئے حجرہ کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو بے حد مسرور ہوگئے ہیں۔ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

آپ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے دیکھ کر مسکرا دیئے کہ خدا کی زمین پر آخر وہ

Marfat.com

۔۔۔ پیدا ہو گیا۔ جو رسول اللہ کی تعلیم کا نمونہ بن کر خدا کی یاد میں لگا ہے۔"

(رحمت عالم صفحہ ۱۳۸)

موضوع سیرت ایک ایسا موضوع ہے جس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مواد اور معلومات کا لاانتہا ذخیرہ موجود ہے مصنف نے اس میں سے بڑے سلیقہ اور ہنر مندی سے انتخاب کیا ہے۔ اس طرح کہ تمام اہم اور جذباتی واقعات بھی آگئے اور کتاب میں بے جا تفصیل اور طوالت بھی نہیں پیدا ہوئی بجائے اس کے کہ کم سن یا نوآموز قاری اکتا جائے اس کی دلچسپی برابر قائم رہتی ہے۔ واقعات کا حسن انتخاب اس کتاب کی خوبی ہے۔

حیات امام مالک اس سوانح عمری کے لکھنے کی ضرورت مصنف نے اس خاص مقصد اور سبب کے پیش نظر محسوس نہیں کی جس نے برسوں ان کے استاد مولانا شبلی کو مضطرب اور بے چین رکھا تھا۔ یعنی قدیم و جدید کی آویزش نئے تعلیم یافتہ طبقے میں اسلامی علوم سے بے اعتنائی اور سرد مہری جیسا کہ خود لکھتے ہیں۔

"آج کل ملک میں اسلامی علوم کی طرف سے سرد مہری اور بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ اور جو انگریزی تعلیم کی

Marfat.com

وسعت کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے مصلحین کے سامنے مختلف صورتیں پیش ہیں منجملہ ان کے ایک صورت یہ ہے کہ ملک میں تاریخ کا مذاق کسی قدر پیدا ہو گیا ہے۔ اکابر اسلام کی سوانح عمریوں کے پردے میں علوم اسلامیہ کی تاریخ لکھی جائے اور اسی ضمن میں ضروری مسائل کی تشریح کی جائے "۔

(دیباچہ حیات امام مالک صفحہ ۱)

اسی طرح یہ بات صاف ہو گئی کہ مصنف کا مقصود اصلی امام مالک کی سوانح عمری کے پردے میں علوم اسلامیہ کی تاریخ اور مسائل کی تشریح تھی اس طرح انھوں نے ان کی سوانح عمری کو آلہ کار بنایا۔ امام صاحب کے نسب ولادت اور خاندان کا مختصر حال لکھتے ہی تعلیم و تربیت کا ذکر شروع کر دیا ہے۔ نہ تو بچپن کے کسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اور نہ ہی اس امر کی وضاحت کی ہے۔ کہ آیا یہ حصہ دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا ہے یا اس بارے میں فقدان معلومات اور اطلاعات کی بنا پر خاموشی اختیار کی ہے بہرحال تعلیم کا ذکر آتے ہی اپنے مقصود اصلی اور مشن کی تکمیل میں مصروف ہو گئے ہیں علم فقہ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے لگے ہیں۔ فقہائے مدینہ اور شیوخ وتابعین کی فہرست اور ذکر پیش کرنے کے بعد مستند اور بلند پایہ علماء کا ذکر اور علمی پایہ بیان کیا ہے اپنی اس تصنیف میں سید صاحب مولانا شبلی سے بلحاظ فن بہت

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ قریب نظر آتے ہیں مصنفی انداز اور طریق کار جو سیرت النعمان اور غزالی میں بڑے پیمانے پر ملتا ہے۔

امام صاحب کے اجتہاد میں علمی فضیلت اختیار اور درس کے حالات بھی بیان کئے ہیں

چونکہ مصنف کے پیش نظر اسلام کے اس زبردست عالم اور آزادہ رو فقیہہ کا علمی پہلو تھا اسی لئے اس کو بہت اچھی طرح پیش کیا ہے۔ امام مالک کے علم و فضل کے علاوہ اس زمانے کے شیوخ کے طریق درس کا نقشہ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ اس وقت کی درس گاہوں کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

"مختلف شیوخ کی مجالس میں درس کا طرز مختلف تھا اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا کہ وہ خود کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے طلبا بہ ترتیب پس و پیش قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے شیخ زبانی یا اپنا جزو حدیث ہاتھ میں لے کر املا کراتا تھا طلبار لکھتے جاتے اگر غیر معمولی اجتماع ہوتے تو تھوڑی تھوڑی دور پر مستملی کھڑے ہوتے تھے جو شیخ کے الفاظ بعینہ آگے کو پہنچاتے امام مالک بھی کبھی کبھی اس طریقہ سے درس دیتے تھے"

(حیات امام مالک صفحہ ۴۳)

پھر خاص امام صاحب کی مجلس درس میں طلبار کی مودب

Marfat.com

نشست وسکوت کا حال بھی اس طرح لکھا ہے کہ ایک طرف تو طلبار کے ذوق وشوق کا اندازہ ہوتا ہے دوسری طرف امام صاحب کے رعب ووقار کا اندازہ ہوتا ہے۔

"تمام لوگ سرنگوں خاموش مودب بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ بھی جب امام کی مجلس میں آکر شریک درس ہوتے تو وہ بھی اسی طرح مودب ہو کر بیٹھتے تمام مجلس پر ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو۔"

علمی پہلو کے علاوہ سیرت کے چند پہلو اور بھی پیش کئے ہیں مثلاً امام صاحب بڑے نفاست پسند تھے ان کی نشست گاہ کی زیب وزینت خوشبوؤں اور بخورات کا اور اسی طرح ان کے لباس کی پاکیزگی اور نفاست کا خصوصیت اور تفصیل سے ذکر کر کے ان کے شستہ اور اعلیٰ مذاق کا ثبوت دیا ہے۔

امام صاحب اسلامی مساوات جرأت دبے باکی کا نمونہ تھے وہ مہدی اور ہارون الرشید جیسے بادشاہوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے نہ کبھی ان کی خاطر اپنے اصول توڑتے اور نہ ان کے روبرو حق بات کہنے سے چوکتے ان کی یہ ادا ہمارے مصنف کو بھائی ہے اور اس کا ذکر متعدد واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

Marfat.com

یہ ایک باوقار سنجیدہ اور خاموش طبع عالم کی سوانح عمری ہے اور مصنف نے بھی اس کو متانت اور سنجیدگی سے ہی پیش کیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ان کا قلم شعریت اور مصوری کی طرف مائل نظر آتا ہے۔

جاہ وجلال اور شان وشکوہ سے کاشانہ" امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ طلبار کا ہجوم مستفیدوں کا اژدحام امرار کا ورود علمار کی تشریف آوری سیاحوں کا گزر حاضرین کی مودب نشست درخانہ پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب وقار طاری کردیتا تھا"

(صفحہ ۳۲ حیات امام مالک)

امام صاحب کی وفات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچے ہیں "گریہ جاری تھا لب متحرک تھے کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اب بھی اسی طرح طلبار کا ہجوم تھا۔ لیکن صدر نشین بزم اب حیات جاوید کے بستر پر آرام کر رہا تھا۔"

(صفحہ ۰ ۷ حیات امام مالک)

ان عبارتوں پر بھی دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مولانا شبلی ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ ان کی ایک چیز اور بھی شبلی سے مماثلت رکھتی ہے یعنی اپنی شخصیت اور آواز کو نمایاں کرنا۔ مولانا شبلی کی طرح سید صاحب بھی کبھی کبھی ماضی کا مقابلہ حال سے کر کے اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں۔

Marfat.com

• آج علمار کا بخل و افلاس دیکھ کر کون نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علمائے سلف کی فیاضیاں شاہانہ فیاضیوں سے کم نہ تھیں۔•

(حیات امام مالک صفحہ ۸۴)

تصانیف پر خصوصاً "موطا" پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے

فن سوانح نگاری کے نقاد ان سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہیرو کے شخصی اور نجی حالات و واقعات کو اندھیرے میں رکھا ہے اور مطلقاً پیش نہیں کیا لیکن اس بارے میں اتنے سخت محاسبہ کی زیادہ ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ اول تو مصنف نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ خالصتہً سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اوائل اسلام کے علمار اپنے علم کی تحصیل و تدریس میں اس درجہ منہمک رہے ہیں کہ انھوں نے خود اپنی شخصی اور نجی زندگی کو زیادہ سے زیادہ مختصر کر دیا تھا جہاد نفس ہی ان کی پہلی اور آخری منزل ہوتی تھیں اور جو شخص ہر وقت اپنے نفس اور خواہشات کے محاسبہ اور تربیت میں مصروف ہو اس کی ظاہری زندگی میں کم سے کم کمزوریاں نظر آنا یقینی امر ہے اور کوئی تعجب نہیں جو ایسے اشخاص کا سوانح نگار ان کی بشری کمزوریاں دکھانے سے قاصر رہ جائے۔ اس کے علاوہ مشرق کے سوانح نگار سے یہ توقع کرنا بھی عبث ہے کہ وہ اپنے یہاں کے اس تصور سے قطعی بیگانہ ہو جائے کہ ع۔

(خطائے بزرگاں گرفتن خطا است)

Marfat.com

اور مغرب کے بعض ملامت پسندوں کی طرح ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر عیب و خطا کے عرفنے پیش کرنے کی کوشش کرتے۔

سیرت عائشہ رض سید سلیمان ندوی کی اس تصنیف سے پہلے اوائل اسلام کی کسی خاتون کی مختصر مستقل سوانح عمری نہیں لکھی گئی تھی اور اس طرف سب سے پہلے موصوف ہی نے توجہ کی ہے۔ یہ سوانح عمری نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ امت مسلمہ کی قابل صد احترام ماں کی پہلی سوانح عمری ہے جس میں ایک عورت کی زندگی اور فطرت کے بوقلموں اور گوناگوں پہلو پیش کئے گئے ہیں۔ اور عورت ایک بیٹی بیوی بہن سوتیلی ماں عالمہ فاضلہ مجاہدہ قابل احترام اور ہر دلعزیز ہستی کے روپ میں نظر آتی ہے

مصنف کا خیال ہے کہ یہ اتنا جامع اور ہمہ گیر موضوع ہے کہ اس کے کسی نہ کسی پہلو سے عورت فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

"ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت عائشہ رض میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات اور انقلابات، مصائب۔ شادی۔ رخصتی سسرال۔ شوہر۔ سوکن۔ لاولدی۔ بیوگی۔ غربت رشک وحد غرض ہر موقع اور ہر حالت کے لئے قابل تقلید واقعات موجود ہیں۔ علمی عملی اخلاقی ہر قسم کے گوہر گراں مایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے۔ اس لئے سیرت عائشہ رض اس

Marfat.com

کے لئے آئینہ خانہ ہے۔

(دیباچہ صفحہ ۲ سیرت عائشہ رض)

اگرچہ کتاب کا ماخذ کتب احادیث ہیں اور وہی مقررہ اور جانے بوجھے واقعات ہیں جو بار بار ملتے ہیں۔ لیکن مصنف نے بڑی خوبی اور احتیاط سے واقعات کو پیش کیا ہے۔ حضرت عائشہ رض کی سیرت کے تمام پہلوؤں علم وفضل، مذاق، شعر وسخن فقہ وحدیث کے علم میں احتیاط معززی اور نکتہ سنجی کو بالترتیب واقعات کی مدد سے پیش کیا ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ کوشش یہ کی ہے کہ ان کی فطرت کے تمام تر بشری پہلوؤں کو پیش کرنے میں کوتاہی نہ ہو اور اس سلسلہ میں ان کو معلومات کے جو مواقع ملے ہیں۔ ان کو بڑی اچھی طرح استعمال کیا ہے حضرت عائشہ کو چھ سال کی عمر ہی سے اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشرقی تذکرہ اور سوانح نگاری میں وہ پہلی شخصیت ہیں جس کے بچپن کے ہر واقعہ کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور جس کے عہد طفلی کی جزئیاتی تفاصیل موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بچپن کے معصوم مشاغل کھیل کود اور کھلونوں تک کی تفصیل ملتی ہے۔ یہ مصنف کا فائی انتخاب اور رجحان ہے کہ جہاں تک انھوں نے حضرت عائشہ رضا کے بچپن کے ان واقعات کا انتخاب کیا ہے جو ان کی غیر معمولی شخصیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہاں ان کی بشری خصوصیات اور معصوم طفلانہ باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور بعض وقت وہ ایک چھوٹی سی معصوم بچی کے سوا کچھ نہیں نظر آتیں

Marfat.com

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"حضرت عائشہؓ کم سن بچی تھیں کبھی کبھی بچپن کے تقاضے سے
ماں کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر بیٹھیں تو ماں سزا دیتی
تھیں آں حضرت صلعم اس حال میں دیکھتے تو رنج ہوتا
اس بنا پر ام رومان سے تاکید کر دی تھی کہ ذرا میری
خاطر سے ان کو ستانا نہیں۔ ایک بار آپ حضرت ابوبکرؓ
کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کواڑ سے لگ
کر رو رہی ہیں آپ نے ام رومان سے کہا میری بات کا
لحاظ نہیں کیا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میری بات
باپ سے جا کر لگا آتی ہے آپ نے فرمایا یہ کچھ بھی کرے۔
لیکن اس کو ستاؤ نہیں۔"

مشرق کی لڑکی خواہ کتنی ہی ذمہ دار بلند مرتبت اور ذی فہم کیوں
نہ ہو جائے وہ ہمیشہ اپنے باپ کا لحاظ کرتی اور اس سے ڈرتی رہتی
ہے۔ چنانچہ مشرق کی یہ عظیم المرتبت بیٹی بھی ہمیشہ اپنے باپ کا احترام
ہی نہیں کرتی رہی بلکہ ان سے ڈرتی بھی تھی۔ اس قسم کے واقعات کا
ذکر مختلف مواقع پر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"حضرت عائشہؓ شادی کے بعد بھی اپنی لغزشوں پر باپ
سے ڈرا کرتی تھیں۔ کئی موقعوں پر حضرت ابوبکرؓ نے
ان کو سخت تنبیہ کی ایک دفعہ آنحضرت صلعم کے سامنے

Marfat.com

یہ موقع آیا تو آپ نے ان کو بچا لیا۔" سیرت عائشہؓ صفحہ
حضرت عائشہؓ کی قیادت میں جنگ جمل کا لڑا جانا اسلئے باعث حیرت نہیں تھا کہ
مصنف انکی سیرت کے اس پہلو پر پہلے بھی روشنی ڈال چکا تھا کہ آپ بڑی جری دلیر
اور باعمل قسم کی عورت تھیں چنانچہ جنگ جمل کے اسباب وعلل بیان کرتے۔
وقت جہاں یہ بتایا ہے کہ اس جنگ میں غلط فہمیوں اور سازشوں کا ہاتھ زیادہ
تھا اور طرفین میں باہمی کوئی مخاصمت یا دشمنی نہ تھی وہاں ان کی سیرت کے
اس پہلو کو بھی اس جنگ کا ایک سبب بنایا ہے۔

"حضرت عائشہؓ فطرۃً نہایت بلند حوصلہ جری اور دلیر دل
تھیں آن حضرت صلعم سے انھوں نے اجازت
چاہی تھی کہ وہ جہاد میں شریک ہوا کریں۔"

(صفحہ ۱۴۱)

اس کے علاوہ آں حضرتؐ کے سامنے غزوات میں اور جنگوں
میں برابر دلچسپی لیتی تھیں اور کسی نہ کسی طرح شریک رہتی تھیں چنانچہ
ان کی فطرت کے اس پہلو کو اس جنگ کا بڑا سبب ٹھہرایا ہے۔
عورتوں کی فطرت میں ناز اور خودداری کا مادہ ہوتا ہے اور
سید صاحب نے حضرت عائشہؓ کی سیرت کا یہ پہلو بھی پیش کیا ہے
"بایں ہمہ عجز و انکساری نہایت خوددار تھیں واقعہ افک
کے موقع پر جب آنحضرت صلعم نے برأت کی آیتیں
پڑھ کر سنائیں اور ماں نے کہا اپنے شوہر کا شکریہ ادا

Marfat.com

کرتے۔ بولیں میں صرف اپنے پروردگار کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھ کو پاک دامنی وطہارت بخشی ہے۔

(صفحہ ۱۸۷ سیرت عائشہؓ)

وہ آں حضرت صلعم سے خفا ہوتیں تو آپ کا نام لے کر قسم کھانا چھوڑ دیتیں۔

(صفحہ ۱۸۷)

عورتوں کی فطرت ہوتی ہے کہ آپس کے تعلقات میں ان میں بڑی جلدی رنجشیں اور شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں خصوصاً ایسے حالات میں جب وہ ایک دوسری کو اپنی زندگی میں برابر کا شریک پاتی ہیں تو یہ کبیدگیاں اور کشیدگیاں دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ بھی ایک عورت کی فطرت رکھتی تھیں بہرحال ان کو بھی دوسری امہات المومنین سے رنجشیں اور شکایتیں بھی ہو جاتی تھیں اور باوجود آں حضرتؐ کی ہر وقت محبت اور سلوک اور خطا پوشی کی تلقین اور تعلیم کے اکثر تلخیاں بھی پیدا ہو جاتی تھیں اور جلد ہی بڑی سادگی سے صفائی بھی ہو جاتی تھی۔ سید صاحب نے اس کا ذکر بھی بڑے غیر جانب دارانہ طریقے سے کیا ہے۔ لیکن ان تحریر یا اظہار خیال میں نذیر احمد کی سی بے باکی اور بے راہ روی نہیں ہے۔ جس نے ان امہات الامۃ کو ان کے پایہ سے گرا دیا ہے۔

Marfat.com

سیرت عائشہ رضہ کے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سید سلیمان ندوی نہ صرف فن سوانح نگاری سے بخوبی واقف ہیں۔ بلکہ اس کا احترام بھی حتی الامکان کرتے ہیں۔ اور یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان کی نظر میں حضرت عائشہ رضہ کا جو مقام اور مرتبہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ بہت کم سوانح نگار اس امتحان میں پورے اترتے ہیں جس ورجہ واجب الاحترام ماں کی تمام بشری خصوصیات یہاں تک کہ کمزوریاں بھی غیر جانب داری اور دیانت داری سے پیش کر دی ہیں

حیات شبلی سید سلیمان ندوی کی مشہور ترین سوانحی تصنیف حیات شبلی ہے تنقید اور سوانح کی دنیا میں موصوف اپنی اسی تصنیف کی وجہ سے متعارف اور مشہور ہیں۔ ان کی اس تصنیف کے بارے میں اکرام صاحب کی رائے ہے۔

> "سید سلیمان نے حیات شبلی لکھ کر حالی سے وہ تاج
> فضیلت چھین لیا ہے جو حیات جاوید کی بدولت اس
> کے سر پر تھا۔"
>
> (شبلی نامہ صفحہ)

دراصل حیات جاوید اور حیات شبلی میں چند باتیں مشترک ہیں ہر دو تصنیفات نہ صرف مصنفین کے معاصرین کے سوانح حیات پر مشتمل ہیں بلکہ مصنفین کو اپنے اشخاص سوانح سے گہرا لگاو بڑا انس اور انتہائی عقیدت تھی وہ ان کو اپنے وقت کے بہترین اور مکمل ترین

Marfat.com

انسان سمجھتے تھے اور ان کے افعال وحرکات کے خلوص صداقت اور اہمیت سے اسی قدر واقف تھے۔ جتنا کہ وہ لوگ خود واقف ہوں گے۔ حیات جاوید اور حیات شبلی کے مصنفین اپنے صاحب سوانح کی آنکھوں سے دیکھتے انہی کے کانوں سے سنتے اور انہی کی زبان سے بولتے ہیں دونوں اپنے اپنے اشخاص سوانح سے اس درجہ قریب اور متعلق رہے ہیں کہ ان کے متعلق ان کے ذخیرہ معلومات میں اطلاعات اور مواد کا لا محدود سرمایہ موجود ہے۔ اور جب اس قدر اور بکثرت مواد اور معلومات موجود ہوں تو ان کا انتخاب اور ترتیب اس درجہ مشکل ہوتی ہے کہ لٹن اسٹریچی کا مقولہ ہے۔

"عہد وکٹوریہ کی تاریخ کبھی نہیں لکھی جائے گی کیونکہ ہم اس کے بارے میں بہت زیادہ جانتے ہیں۔"

اسی طرح ایک دوسرے نقاد کا قول ہے کہ۔

"کوئی بیٹا یا بیٹی اپنے ماں باپ کے متعلق آزادانہ نہیں لکھ سکتا جس قدر زیادہ قرابت داری ہوگی فیصلہ اسی قدر نا قابل اعتبار ہوگا۔"

سید سلیمان ندوی کے لئے یہ کام اس لئے اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے استاد کی سوانح عمری لکھ رہے تھے جس میں قرب کے علاوہ احترام اور عقیدت بھی شامل ہے۔ ان کے امور کے علاوہ حیات جاوید اور حیات شبلی میں ایک اور قدر بھی مشترک

Marfat.com

نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مولانا حالی اور سرسید صاحب دونوں کو اپنے موضوعات کے بارے میں قلم اٹھانے وقت اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ ان کے موضوعات یعنی سرسید احمد شبلی نے اپنے خلوص جوشِ عمل اور مشن کی تکمیل کی دھن میں مخالفین اور معترضین کی بڑی تعداد پیدا کرلی ہے اور دونوں مصنفین اپنے اپنے اشخاص سوانح کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتے تھے۔ ان مصنفین کا یہ جذبہ اور مقصد ہم کو سولہویں صدی کی انگریزی سوانح میں جارج کیوینڈش کی سوانح نگاری کی یاد دلاتا ہے جو اس نے اپنے مرحوم آقا کارڈینل وولزے کے بارے میں لکھی تھی وہ چار سال تک ہر وقت وولزے کی خدمت میں رہا یہاں تک کہ اس کے دم واپسیں پر بھی موجود تھا۔ جب دوسرے سوانح نگاروں نے وولزے کے حالات اور شخصیت کو مسخ طریقہ پر پیش کرنا شروع کیا تو اکتیس سال بعد اس نے قلم اٹھایا کہ وولزے کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے پیش کر دے۔ اس نے اپنے مقدمہ میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ وولزے کے خلاف پھیلائے ہوئے باطل دعوؤں کی تردید کرنا چاہتا ہے۔ Cavendish نے اپنی کتاب انگلش بیاگرافی میں ایس پیش لفظ کا بڑا حصہ نقل کر دیا ہے مختصراً کیونڈش کا یہی مدعا تھا کہ وہ اپنے آقا کے خلاف پھیلائے مسموم واقعات اور خیالات کا ازالہ کرے جس کی زندگی اس کی نظروں میں اعلیٰ بلند اور قابل قدر تھی۔

Marfat.com

باوجود اس کے کہ کیونڈش نے وولنرے کی شخصیت کو نمایاں کرتے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اور بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے لیکن اس کی سوانح نگاری کو مخلصانہ اور سچی کہنے میں تامل کیا جاتا ہے اور اس پر چند اعتراضات بھی وارد کئے گئے ہیں۔

(۱) وولنرے کی شخصیت کی مکمل اور کامیاب مصوری کرنے سے قاصر رہا ہے۔

۲۔ مصنف وولنرے کی اخلاقی کیفیتوں اور اقدار سے زیادہ متاثر ہے اس نے زیادہ تر اس کا ذکر کیا اور ان کے نتائج بیان کئے ہیں۔

۳۔ اس کے بچپن کے حالات تاریکی میں رکھے ہیں۔

۴۔ کتاب کے آخر میں بھی اخلاقی نصیحت آموزی سے باز نہیں آیا

۵۔ ایک اہم اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ وولنرے کی پیچیدہ طبیعت کو خاطر خواہ طور پر پیش کرتے میں ناکام رہتا ہے ۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کی فطرت کے بعض انوکھے پہلوؤں سے واقف تھا لیکن وہ اس کو پیش نہیں کرنے سے قاصر رہا۔ اور اس کا دلکش طرز بیان باوجود اپنے موضوع کو دلکش بنا کر پیش کرنے کے کیونڈش کو اچھا سوانح نگار نہ بنا سکا۔

ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ تقریباً اسی نوع کی سوانح نگاری حالی نے انیسویں صدی میں کی اور اسی قسم کے اعتراضات ان پر عائد کئے

Marfat.com

گئے۔ اور پھر اس کے عرصۂ دراز کے بعد جب سید سلیمان ندوی نے اسی قسم کی سوانح عمری لکھی تو ان کا فن بھی انہی عناصر کا حامل نظر آتا ہے اور ان پر بھی وہی اعتراضات وارد کئے جا سکتے ہیں۔ جو سولھویں صدی کے مغربی مصنف جارج کیونڈش پر کئے گئے تھے البتہ حالی کی علمی سنجیدگی اور سوانح نگاری سے مناسبت نے ان کو فن سے زیادہ قریب رکھا ہے

سید صاحب اپنے استاد کے سچے اور صحیح جانشین کہے جانے کے مستحق ہیں۔ خصوصاً حیات شبلی میں ان کا تصور سوانح اور انداز تحریر مولانا شبلی ہی کے خیالات کا عکس ہے اور اس میں انھوں نے بھی وہی طریق کار اختیار کیا ہے۔ جو مولانا شبلی کا تھا یعنی اس سیاسی سماجی اور تاریخی پس منظر کے ذریعہ صاحب سوانح کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جس میں اس کے سیرت و کردار کی تشکیل ہوئی ہو۔

حیات شبلی میں سید صاحب نے محض وقتی ماحول اور حالات پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس دور اور تاریخی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ لیا ہے جس نے رفتہ رفتہ زمانے کو ان حالات اور منازل تک پہنچایا جس میں شبلی نے آنکھ کھولی جس زمانے نے ان تقاضوں اور انتشار کی تشکیل کی جن کو شبلی نے دیکھا سمجھا جانا اور اس سے مطابقت یا مخالفت کی چنانچہ مغلیہ دور آخر کا تمام سیاسی سماجی اور تاریخی پس منظر دیا ہے۔ پھر یہ بھی ثابت کیا ہے کہ شبلی وقت اور زمانے کی ضرورت کے عین مطابق پیدا ہوتے تھے۔ اور ان کا ہر قدم اسی ضرورت کے

Marfat.com

سے تھا ان کا کہنا ہے کہ زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے ایسے اشخاص پیدا ہوتے ہی رہے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے دین حنیف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس وعدہ کا پورا ہونا یقینی امر ہے۔ لیکن اس کے یقینی ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ تدبیر بھی فرماتا ہے کہ ہر زمانے میں اس زمانے کی ضرورت کے مطابق ایسے اشخاص پیدا فرماتا ہے جو اس ضرورت کو پورا کر کے دین الہٰی کی حفاظت کا کام انجام دیتے ہیں۔"

(حیات شبلی صفحہ ۱۲)

متعدد علماء اور سیاسی رہنماؤں کے نام گنوانے کے بعد وہ اپنے ہیرو کا ذکر کرتے ہیں۔

"جب یورپ کے مستشرقین نے مسلمانوں کی تصنیفات کو پڑھ کر ان کے علوم کو سیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے علوم و تاریخ و تمدن کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا اور ان کے یہ اعتراضات بڑی تیزی کے ساتھ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سرایت کرنے لگے۔ اس دور میں اسلام کی خدمت کی سعادت جس کے حصہ میں آئی وہ ہمارے ان اوراق کا ہیرو ہے۔" (حیات شبلی)

Marfat.com

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ہمارا مصنف اپنے ہیرو کو عام انسانوں
سے بلند ہی نہیں سمجھتا بلکہ ایک خاص مقصد کا حامل جانتا ہے اس کی
پوری زندگی پر اس کا فرض اور مقصد چھایا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ مامور من اللہ
ہے چنانچہ قاری کو شروع ہی سے یہ توقع نہ رکھنا چاہیئے کہ مصنف ہیرو
کا ایسا مرقع پیش کرے گا جس میں اس کی کمزوریاں خوبیاں اور عیب
دوش بدوش نظر آئیں گی

سیاسی اور تاریخی پس منظر کے علاوہ سید صاحب نے اعظم گڑھ
کے اطراف وجوانب کی مختصر سی تاریخ بھی لکھی ہے وہاں کے مدارس اور
مشہور خاندانوں کی اہمیت اور علمی رجحانات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور
اس طرح یہ دکھایا ہے کہ ان کے ہیرو نے قدیم علمی فضا میں ذہنی نشوونما
پائی۔ جس کے پیچھے موروثی روایات ونسلی خصوصیات سب ہی کچھ موجود
ہیں کتاب کے تین بڑے حصے ہیں معمولی حالات۔ کارنامے اور تصانیف
عام عادات وخصائل اور حالات پہلے حصہ میں ان کے خاندانی حالات
کے سلسلہ میں ان کے نسلاً راجپوت ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کے جد
اعلیٰ کے مسلمان ہونے کا دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ جس کو شبلی
کے متعلق بعض لکھنے والوں خصوصاً اکرام صاحب نے "شبلی نامہ" میں
بڑی اہمیت دی ہے۔ اور وہ شبلی کی زندگی کے بیشتر انقلابات اور
واقعات کی نفسیاتی بنا شبلی کی زود اشتعال اور حساس فطرت کو
بتاتے ہیں۔ جو ان کے جد اعلیٰ سے وراثتہً شبلی کو ملی تھی۔ ان کی زود رنجی

Marfat.com

اثر پذیر طبیعت اور رقیق القلبی کا ذکر کئی موقعوں پر کیا ہے۔ جو عام طور پر ان کی فطرت کے اچھے پہلو ہی کو نمایاں کرتے ہیں۔ مثلاً اعظم گڑھ کے مدرسہ اسلامیہ کو ویران دیکھ کر ان کا دل بے قرار ہو گیا تھا اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"مولانا مرحوم آخر عمر تک جب کبھی اعظم گڑھ آتے تو اکثر اس موقع پر تشریف لے جاتے اور تاثر کی جو کیفیت اس وقت مولانا پہ ہوتی وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ زبان قلم اس کی صحیح مصوری سے عاجز ہے۔ ایک مرتبہ شام کا وقت تھا اور غالباً جنوری یا فروری کا مہینہ۔ سرسبز و شاداب کھیت لہلہا رہے تھے۔ بہار کا موسم تھا ولولہ انگیز موسم شام کا سہانا وقت کھیتوں کی طراوت بخش ہریاول ایک ایسا روح پرور سماں تھا کہ مغموم سے مغموم دل بھی تھوڑی دیر کے لئے باغ باغ ہو جاتا ہے۔ مگر مولانا ٹہلتے ٹہلتے دفعتاً ایک کھیت کی مینڈھ پر رک گئے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔"

(حیات شبلی صفحہ)

سید صاحب مولانا کے کارناموں کے علاوہ معمولی کاموں کو بھی بیان کرتے وقت اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کا فعل ناگزیر اور ان کا اقدام بجا تھا۔ چنانچہ وہابیوں کے خلاف ان کے جوش و خروش

Marfat.com

اور مناظروں کے لئے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ قومی تفرقے کا باعث تھا اور اختلافات پڑھنے لگے تھے یہاں تک کہ۔

"ان کے سبب گویا یوں کہئے کہ خود مولانا شبلی کے خاندان میں آکر تفرقہ پڑ گیا تھا غرض یہ اسباب تھے جن کی بنا پر مولانا شبلی نے مقلدین کی مدد کے لئے کمر ہمت چست باندھی۔"

(حیات شبلی صفحہ ۱۵۲)

اسی طرح سید صاحب اپنے ہیرو کی اہمیت ثابت کرتے رہتے ہیں اور ان کے ہر فعل کی اہمیت کو حق بجانب ٹھہراتے ہیں۔

مولانا شبلی کی زندگی کا ایک زبردست اور اہم واقعہ ان کا علی گڑھ سے الحاق اور وابستگی اور پھر اس کے بعد علیحدگی اور ترک تعلق ہے۔ ان دونوں واقعات نے دو مختلف مرتبہ ان کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور ان کی زندگی اور خیالات کے بہاؤ کا رخ یکسر بدل دیا حیات شبلی نامکمل رہ جاتی ہے اگر اس وابستگی کے بعد اس قطع تعلق کا اور اس کے اسباب کا ذکر نہ کیا جاتا۔ یہ جتنا اہم موقع ہے اتنا ہی اس کو پیش کرنا بھی مشکل ہے۔ یہی موقعے ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ایک ذہین قاری لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کے خیالات محسوسات اور قوت فیصلہ بیدار ہوتی ہے۔ اور اس میں قوت شناخت اور

موازنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور سوانح عمری کے بعض کرداروں کو اپنے محسوسات پر پرکھتا ہے۔ لیکن سید صاحب اس موقع سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ انھوں نے بڑی توجہ اور محنت سے اپنے استاد کے اس اقدام کے جواز کے اسباب وعلل پیش کئے ہیں ان کو اس امر کا احساس نہیں رہا کہ جس انداز اور پیرائے میں وہ ان اسباب وعلل کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ شبلی کے شاگرد رشید کا انداز تحریر سمجھ کر جانچا اور پرکھا نہیں جائے گا۔ شبلی کے سوانح نگاری میں بعض ایسے مواقع بھی ہوتے ہیں۔ جب لوگ اس فن سے بے تعلقی اور بے لاگی کا مطالبہ کر بیٹھتے ہیں جو ایک مورخ کے لئے ضروری ہے۔ بہرحال انھوں نے سرسید احمد خان کی ان بے اعتدالیوں اور قابل گرفت باتوں کو چن چن کر پیش کیا ہے۔ جن کی بنا پر شبلی ان سے اور ان کی تحریک کے بعض پہلوؤں سے بیزار ہو گئے بلکہ مخالفت پر بھی آمادہ ہو گئے۔ لیکن انھوں نے شبلی کی اس افتاد طبع کا ذکر نہیں کیا جس نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو تلخ اور اہم سمجھا اور دیکھا۔ باوجود اس کے یہ تصنیف مولانا شبلی کے متعلق اطلاعات اور معلومات کا بیش قیمت سرمایہ رکھتی ہے۔ پھر بھی آٹھ سو سینتالیس صفحوں کی اس کتاب کو شبلی۔ کی مکمل اور جامع سوانح عمری کہنے میں تامل کیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی اسی سلسلے کے ایک اور مصنف ہیں۔

Marfat.com

آپ کی تصانیف (۱) فقرائے اسلام (۲) سیرت عمر بن عبدالعزیز (۳)
اقبال کامل ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی کا نظریہ سیرت نگاری افادی
اور مقصدی ہے۔ فقرائے اسلام ایک مختصر تذکرہ ہے جس کی تصنیف
کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ۔

"اس میں جن علماء کے حالات درج کئے گئے ہیں ان
کے پڑھنے سے ان لوگوں کو عبرت اور بصیرت حاصل
ہوگی جو اس زمانے میں علم و مذہب کے لئے مصائب
برداشت کرنے میں جھجکتے ہیں"

(فقرائے اسلام صفحہ ۴)

اس تذکرہ میں مصنف نے سب سے اول نام رسول خدا صلعم کا
رکھا ہے۔ اور اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ آپ نے راہ خدا میں جو مصائب
برداشت کئے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مصنف نے آپ کی بلند کرداری
کو اسی صفت یعنی فقر و فاقہ سے نمایاں کیا ہے۔

"انسان غربت کی حالت میں بدمعاملگی پر مجبور ہو جاتا
ہے۔ جود و سخا ایثار جہان نوازی سوال سے نفرت صدقہ
سے اجتناب، عدم قبول احسان ایسے اخلاقی محاسن
ہیں کہ ایک فاقہ زدہ شخص کے لئے تقریباً ناممکن ہیں
ایک محتاج شخص عزم و استقلال پر قادر نہیں ہو سکتا ایفائے
عہد نہیں کر سکتا۔ فقر و فاقہ کی حالت میں سنگدل ہو جاتا ہے

Marfat.com

وہ ایسی حالت میں عزیزوں بچوں غلاموں اور اولاد کی
کی محبت کیا کرسکتا ہے "

(خفرائے اسلام صفحہ ۱۳)

مولانا عبدالسلام ندوی کی تحریر میں ایک خاص خشکی اور بے گانگی ہے اور انھوں نے شعرالہند جیسے موضوع کو بھی بڑے اختصار سے اور خشک پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ سوانح نگاری میں جہاں تک واقعات کا تعلق ہے یہ بیگانگی عیب میں شمار نہیں ہوتی۔ پھر بھی سوانح نگار کی اپنے موضوع کے ساتھ دلچسپی ضروری ہے مولانا نے اس تذکرے سے بیگانگی اور بے تعلقی کا برتاؤ کر کے ان کو بے جان تاریخی موضوعات بنا دیا اور سوانح نگاری کے لحاظ سے تذکرہ غیر اہم ہے۔

سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں مولانا اپنی مخصوص بے تعلقی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔ اس تصنیف میں جہاں مولانا کے ہیرو کی شخصیت نظر آتی ہے۔ وہاں خود ان کی شخصیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اول تو موضوع کا انتخاب ہی اپنے مصنف کے نظریئے اور مزاج کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خود بھی انھوں نے اپنے سبب انتخاب پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولانا شبلی نے رائل ہیروز آف اسلام کے لئے خاندان بنو امیہ کے خلفاء میں ولید بن عبدالملک کو منتخب کیا تھا۔ جس نے اپنے

Marfat.com

اکیس سالہ دور حکومت میں نہ صرف سلطنت کی بنیادیں مستحکم کیں بلکہ فتوحات اور عمارات میں بھی نمایاں اور قابل قدر اضافے کئے۔ شبلی اسلام کے شاندار ماضی کے شاندار پہلوؤں ہی کے مورخ تھے۔ لیکن مولانا عبدالسلام صاحب کا نقطۂ نظر شبلی سے مختلف ہے انھوں نے اپنی سیرت نگاری کے لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو منتخب کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک۔

"اسلام کا روشن ترین زمانہ صرف وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا اور خلافت راشدہ تک پہنچ کر ختم ہوگیا۔ اس لئے خلفائے اسلام کا قابل فخر کارنامہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دنیا کو اس نقطۂ نورانی سے آگے بڑھایا بلکہ ان کا حقیقی شرف یہ ہے کہ انھوں نے زمانے کو اس قدر پیچھے ہٹایا کہ وہ عہد صحابہ سے جاکر مل گیا۔"

(دیباچہ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ صفحہ ۲)

سطور بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں شرف وعظمت کی کیا اقدار ہیں ان کا یہ انتخاب ان کے نظریئے کے عین مطابق ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے زمانے کی باگ پھیر کر اس کو عہد صحابہ سے ملادیا۔ عمر بن عبدالعزیز کا غیر متوقع انتخاب اور پھر وہ اصلاحیں اور تبدیلیاں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز

Marfat.com

جانب نارائن بیان سے گرز گیا ہے

اقبال کامل یہ شاعر مشرق کی سوانح عمری تو نہیں البتہ حالات زندگی اور ان کے کلام پر تنقید ہے۔ ان کے اس انتخاب پر حیرت ہوتی ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی کا قلم اور ایک فن کار وہ بھی شاعر کو اپنا موضوع بنائے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت اس وقت ہوتی ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے متعلق دوسرے لکھنے والوں کے بر عکس وہ اس کو نہ پیغامبر مفکر فلسفی سیاست داں یا مرد مومن بنا کر پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ان کو سب سے پہلے ایک فن کار سمجھتے ہیں۔ ایسا فن کار جس کے فن میں فکر کی گہرائی ہے اور زندگی کے تقاضوں کے متعلق پیغام ہے جس میں امید ہے اور اس سب سے زیادہ فنی شعور اور پختگی ہے۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا ہے چنانچہ اس بارے میں مصنف کا سرمایۂ معلومات محدود نہ تھا جو اس کو کسی تصنع اور تکلف سے کام لے کر مواد کی کمی کا عیب چھپانا پڑتا اس کے برعکس یہاں دوسری دشواری مواد کی کثرت اور اطلاعات کا ہجوم دیکھ کر مصنف چلا اٹھا ع۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

لیکن مصنف نے اس امر کی بڑی احتیاط کی کہ یہ خواب پریشان نہ ہو جائے۔

Marfat.com

"با این ہمہ میں نے کوشش کی ہے کہ میری اس کتاب سے یہ خواب پریشان نہ ہونے پائے بلکہ اس کی ایک ایسی تعبیر نکل آئے جو اس کو خواب پریشان کے بجائے رویائے صالحہ بنا دے۔"

(دیباچہ اقبال کامل صفحہ ۲)

چنانچہ انھوں نے انتخاب کے وقت بڑی احتیاط سے کام لیا ہے انھوں نے اس تمام مواد کا مطالعہ اس نظریہ سے کیا ہے کہ:۔

"اس میں کون سا حصہ قابل اخذ و انتخاب ہے کون سی باتیں منتشر و پراگندہ ہیں۔ جن کو ایک خوبصورت ترتیب سے یکجا جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور کون سی چیز تشنہ و ناکمل ہے جس کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔"

(اقبال کامل صفحہ ۲)

انھوں نے حالات زندگی کے بارے میں زیادہ دماغی و قلمی کاوش سے کام نہیں لیا ہے۔ معمولی تغیر و تبدل کے بعد حوالے کے ساتھ اسی مواد کو درج کر دیا ہے۔

"اس مواد کو تقریباً انہی کے الفاظ و عبارت میں مناسب ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔"

چونکہ وہ ان کو ایک فنکار کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے ان کی سیرت و عادات کے ان

Marfat.com

محاسن ملاتے اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان کا ایک سیاسی پس منظر بھی پیش کیا جائے تاکہ ان حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے جس سے صاحب سوانح کو دوچار ہونا پڑا اسی کی روشنی میں ہیرو کی شخصیت اور اس کے کارناموں کی اہمیت متعین ہوتی ہے۔ لیکن بیشتر سوانح نگار اس منزل پر آکر افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض لکھنے والے تاریخی واقعات اور پس منظر کو اتنی طوالت اور اہمیت دیتے ہیں۔ کہ اصل موضوع کی حیثیت ضمنی ہو جاتی ہے اور بسا اوقات سوانح نگار اپنی شخصیت اور طرز کو نمایاں کرنے کے شوق میں تاریخی واقعات کو یکسر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ دراصل تاریخی واقعات کا احترام اور معقول استعمال سوانح نگار کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہمارے مصنف نے ایسے بہت سے سیاسی خاکے کے ذریعہ بتایا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلامی جمہوریت کی قیادت کس طرح خاندان بنو امیہ میں منتقل ہو کر شخصی حکومت اور میراث بن گئی اور پھر کس طرح اس رواج کے خلاف عمر بن عبدالعزیزؒ تک پہنچ گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت اسلامی تصور جمہوریت کو کس طرح پامال کیا جا رہا تھا۔ پھر اس وقت جبکہ عنان سلطنت ان کے ہیرو کے ہاتھ میں آئی تو حدود سلطنت کہاں تک پھیل چکی تھیں۔ اور ان کو کتنی بڑی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا تھا۔

اس کے بعد ان کے حصول خلافت ان کی منفردانہ کارگزاریوں، اصلاحات اور احساس فرض کو بڑی تفصیل سے جذباتی طور پر بیان

Marfat.com

کیا ہے۔ دراصل یہی خاص موضوع ان کا مقصود اصلی ہے۔ اور وہ یہی بتانا چاہتے تھے۔ کہ کس طرح ان کی شخصیت نے زمانے کا رخ بدل کر اس کو عہد راشدین سے جا ملایا تھا۔ اسی خاص مرکزی نقطہ کی روشنی میں وہ ان کی سیرت کے تمام پہلوؤں کو یکے بعد دیگرے پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا اپنے تمام پیش روؤں یعنی بنو امیہ کے نام نہاد خلفاء کے طور وطریق کے خلاف دلیرانہ اور مجاہدانہ اقدامات کرنا۔ اس تمام مغصوبہ مال اور جاگیروں کو واپس کر دینا جو عوام سے چھین کر بنو امیہ نے اپنے خاندان والوں میں تقسیم کر دی تھیں اور اس کے بارے میں خاندان والوں کی مخالفتوں اور ناراضگیوں کا متانت حلم اور استقلال سے مقابلہ کرنا خلافت سے پہلے کی زندگی تن آسانی تنعم خوش لباسی اور نفاست پسندی عزلہ اور جاہ پسند اور خلافت ملنے کے بعد انکساری حلم مروت جفاکشی کا ذکر کر کے ان کی سیرت اور مزاج کے اس بڑے انقلاب کو پیش کیا ہے۔ عام اصلاحات کے علاوہ ان کے خاص خاص انتظامات اور اصلاحات کا ذکر بھی بالترتیب علیٰحدہ علیٰحدہ عنوانات کے ماتحت ذکر کیا ہے۔ ان کی جامع اور محبوب شخصیت ان کی طبیعت کے متضاد پہلوؤں یعنی اولاد سے بے انتہا محبت دوسری طرف سختی ہے ان کی تربیت کی طرف توجہ پر بڑی اچھی طرح روشنی ڈالی ہے۔ اس سیرت میں ان کی بے تعلقی ایک وجہ بن گئی ہے۔ اور انھوں نے

Marfat.com

[illegible] انھوں نے اپنے موضوع کے حالات بیان کرتے وقت
شامل کر دئے ہیں۔ یہ کتاب اقبال کی سوانح عمری سے زیادہ اقبال
کے مطالعہ کے لئے مناسب اور موزوں ہے

حبیب الرحمان

جذباتی رنگ میں لکھنے والے ایک اور سوانح نگار حبیب الرحمٰن خان شیروانی ہیں۔ آپ
کی تصنیفات ذکر جمیل۔ نابینا علمار علمائے سلف۔ سیرت صدیق
میں نابینا علمار اور علمائے سلف مختصر سے تذکرے ہیں۔ جن میں کوئی
خاص قابل ذکر بات نظر نہیں آتی۔

ذکر جمیل۔ رسول اکرمؐ کا تذکرہ ہے۔ اس کے متعلق یہ فیصلہ بھی
مشکل ہے کہ یہ میلاد شریف کی نوع سے متعلق ہے یا تذکرے سے شروع
میں تو بالکل وہی انداز ہے۔ اسی طرح آپؐ کی ولادت کا حال اور مختلف
روایات بیان کی ہیں۔ اکثر نعتیہ نظمیں بھی دی ہیں۔ پھر صحیح اور مستند
حالات درج کئے ہیں۔ دراصل یہ میلاد شریف کی پہلی ترقی یافتہ شکل
کہی جا سکتی ہے۔

سیرت صدیقؓ۔ مشکل سوانح عمری ہے اور اس میں حضرت ابوبکرؓ
کے حالات قبل از اسلام بعد از اسلام اور خلافت کے بعد درج کئے
ہیں۔ ایک خاص چیز یہ ہے کہ اپنے ہیرو کے خصائل۔ تدبیر حکمت بے
نفسی اور خلوص کو ان کے ان خطبات کی مدد سے پیش کیا ہے جو انھوں
نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد استشہاد کے موقعوں پر اور خلیفہ

Marfat.com

رسول کی حیثیت سے دیئے۔ انتظام مملکت اور فتوحات کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔ ذاتی حالات بہت اختصار سے بیان کئے ہیں۔ لیکن ایسے واقعات منتخب کئے ہیں جن سے ان کے سیرت اور مشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔

"خلافت سے پہلے محلے کی لڑکیاں ان کے پاس بکریاں لائیں اور دودھ دوھ دیتے۔ جب خلیفہ ہو کر محلے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا اب یہ دودھ نہیں دوہیں گے۔ تو یہ کہہ کر کہا ضرور دوہوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے امید ہے کہ منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہ آئے گا۔"

(سیرت صدیق رضؓ صفحہ ۷)

اسی طرح ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"ایک روز سرور عالمؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر دریافت کیا آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ میں نے؟

جنازہ کے ساتھ کون گیا؟" حضرت ابوبکرؓ میں!

"محتاج کو کھانا کس نے کھلایا۔؟" حضرت ابوبکرؓ میں نے!

"بیمار کی عیادت کس نے کی؟" حضرت ابوبکرؓ میں نے!

(سیرت صدیق صفحہ ۸)

ان دونوں واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت صدیق رضؓ

Marfat.com

پہلو وہی اللہ واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو ان کے فنکارانہ
مزاج کو نمایاں کرتے ہیں مثلاً انکی خودداری اور استغنار کے متعلق جو واقعہ
بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایک فنکار کی نظر میں بلند اور اسکے مزاج میں کس حد
استغنا ہوتا ہے وہ واقعہ ہے جب پنجاب میں یہ تحریک شروع ہوئی تھی کہ دو لاکھ کی
رقم جمع کر کے ان کی خدمت میں پیش کی جائے۔ لیکن ان کی خودداری
اور غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی غریب قوم پر ایسا بار ڈالیں۔ ان
کا فن حقیقی فن تھا۔ اور وہ منت غیر کا طالب نہ تھا۔ چنانچہ انھوں
نے اس کی مخالفت کی اور کہا ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ میرے اوقات کا بیشتر حصہ فکر معاش
اور دنیوی مکروہات میں ضائع ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی
درست ہے کہ اگر میں زندگی کی کشمکش سے علیحدہ
ہو جاؤں تو میری شاعری اس تڑپ سے محروم ہو
جائے گی جس کا سب سے بڑا منبع خود زندگی ہے"

(اقبال کامل صفحہ ۱۸)

تنقیدی حصہ پر انھوں نے اپنی دماغی کاوشوں سے کام لیا
ہے۔ اگرچہ بظاہر کسی شخص کے کاموں اور تصانیف کی تنقید کو
سوانح نگاری میں زیادہ اہمیت نہیں۔ لیکن بعض دفعہ سوانح نگار
یہ تنقید صاحب سوانح کے مزاج اور رجحانات کی روشنی میں کرتا
ہے۔ اور اس سے ایک دلچسپی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

علامہ اقبال پر ایک فلسفی صوفی مفکر کی حیثیت سے ان کے مذہبی اور سیاسی افکار کی روشنی میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے لیکن عبدالسلام صاحب کا کہنا ہے کہ لکھنے والے یہ نظرانداز کر دیتے ہیں کہ وہ ایک شاعر تھے اور ان کے افکار شاعرانہ طرز و اسلوب میں ہی لکھے گئے ہیں۔ اکثر ان کے مسائل و افکار کو پیش کرتے وقت ایسی ہی مثالیں دی جاتی ہیں جن میں شاعری کے عناصر کم پائے جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب بھی خود کو شاعر نہیں کہتے اور غزل گو شاعر بننے سے تو ان کو شدت سے انکار ہے۔ لیکن مصنف کا کہنا ہے کہ:۔

"میرے نزدیک ان کا کلام خشک فلسفیانہ صوفیانہ اور سیاسی مسائل کا مجموعہ نہیں ہے یعنی وہ صرف ناظم نہیں وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں اس لئے میں نے فلسفیانہ صوفیانہ مسائل سے پہلے ان کی ذات کو شاعر کی حیثیت سے پیشِ نظر رکھا ہے۔"

(دیباچہ صفحہ ۳)

زیادہ تر ان کی غزلیات قطعات اور نظموں سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں جن میں شاعری اور فلسفہ دونوں کا خوشگوار امتزاج موجود ہے۔

باوجود اس کے کہ مصنف نے اقبال کے حالات زندگی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ اس لگاؤ اور انس سے محروم

Marfat.com

عقیدت ٹپکتا تھا ہر ادا ثابت کرتی تھی کہ ایک
عقیدت مند مرید اپنے مرشد کی خدمت میں عرض پرداز ہے
مثلاً عروج حیدر آباد کے زلزلے میں ایک مجمع نے یہ سماں
دیکھا کہ وقار الملک کی ترکی ٹوپی ان کے ہاتھ میں ہے گھٹنا
ٹھہا سر سید کے سامنے جھکا ہوا ہے زبان سے کہہ رہے ہیں
یہ سر حاضر ہے۔ جوتیاں مار لیجئے مگر عرض یہی کروں گا کہ رائے
آپ کی غلط تھی۔"

(صفحہ۔ادبیاچہ وقار حیات حبیب الرحمان خان)

غرض انکا یہ دیباچہ بڑا جامع ہے اور یہ مختصر سا خاکہ جو انھوں نے اس
دیباچہ میں وقار الملک کا کھینچا ہے ان مذکورہ سوانحی تصنیفات پر بھاری
ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اس کتاب کی تیاری میں مولوی اکرام اللہ
صاحب کو جو مشورے دیئے یا معلومات و اطلاعات کے ذرائع بہم پہونچائے
ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو سوانح نگاری کا صحیح تصور تھا۔

مولوی اکرام اللہ ندوی سلسلہ ندویہ کے تربیت یافتہ ہیں
حبیب الرحمان خاں شروانی کی فرمائش
پر انھوں نے نواب وقار الملک کی سوانح عمری "وقار حیات" کے
نام سے مرتب کی ہے۔ مولوی صاحب کی یہ تصنیف ان کی تحقیق
وتلاش انتھک محنت ان کے قلم کی دیانت داری متانت اور خوش خلیقگی
کی بہترین مثال ہے۔

Marfat.com

زمانہ نواب وقار الملک کو سرسید کے ایک رفیق قریبی کی حیثیت سے ہی جانتا ہے لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ نواب وقار الملک کبھی منشی مشتاق حسین بھی تھے جو تحصیل مراد آباد میں بیس روپے ماہوار کے محرر انکم ٹیکس تھے۔ پھر منشی مشتاق حسین کی زندگی میں یہ زبردست انقلاب کیسے آگیا وہ زمین سے آسمان پر کیسے پہنچ گئے۔ یہ کوئی اتفاق نہ تھا یہ کوئی طلسم یا اسم اعظم نہ تھا جس نے ان کو انتہائی پستی سے اٹھا کر عروج و کمال کی انتہائی بلندی پر پہنچا دیا۔ بلکہ یہ ایک جفاکش دیانت دار منتظم اور مخلص انسان کی زندگی کے تدریجی مراحل تھے۔ اور اس کی بے شمار کوششیں اور کام تھے وہ چھوٹے چھوٹے کام اور فرائض جو ہر معمولی ملازمت پیشہ کے ذمے ہوتے ہیں۔ اس کی صلاحیتوں اور تدبیر سے کارنامے بن گئے۔ ان فرائض کی ادائیگی میں ان کارناموں کی انجام دہی میں صاحب سوانح کو یقیناً دقتیں اٹھانا پڑی ہوں گی۔ لیکن نہ اتنی جتنی اس کے سوانح نگار کو انھیں یکجا و مرتب کرنے میں پیش آئی ہوں گی۔ صاحب سوانح کی زندگی میں واقعات اچانک یا سوچے سمجھے ہوئے یکے بعد دیگرے آتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ اپنی صلاحیت۔ لیاقت اور استعداد کے مطابق ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ لیکن غریب سوانح نگار دیدہ و دانستہ ان واقعات کو پھر سے آواز دیتا ہے اور وہ سب کے سب اس کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنے صاحب سوانح کی کشت حیات سے۔ ریزہ ریزہ دانہ دانہ چنتا پھرتا ہے ان کا انبار لگاتا ہے پھر ان کو علیحدہ علیحدہ

Marfat.com

دل عادات اور کیس شخصیت کے مالک تھے۔

اپنے ہیرو کے فضائل اور عظمت خود اپنے بیان اور لمبی چوڑی تمہیدوں یا مختلف واقعات سے ظاہر کرنے کے بجائے وہ خطبہ درج کیا ہے جو حضرت علیؓ نے ان کی وفات کے بعد ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیا اور اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اکثر مورخین ہر دو حضرات کے تعلقات میں کشیدگی بھی بتاتے ہیں۔ اس خطبہ نے بغیر کسی کوشش کے اس کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس میں کچھ زیادہ حقیقت نہیں۔

"تمہاری آواز سب سے پست تمہارا تفوق سب سے اعلیٰ تمہارا کلام سب سے زیادہ باوقار۔ تمہاری گفتگو سب سے زیادہ باصواب تمہاری خاموشی سب سے زیادہ طویل تمہارا قول سب سے زیادہ مبلغ تمہاری ذات سب سے زیادہ شجاع اور معاملات سے زیادہ واقف عمل میں سب سے زیادہ بزرگ۔ واللہ تم اہل دین کے سردار تھے۔ جب لوگ دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے جب وہ دین پر بیٹھے تو تم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ تم اہل ایمان کے مہربان باپ تھے اس مہر پدری سے وہ تمہاری اولاد بن گئے۔"

(صفحہ ۱۰۷)

Marfat.com

مجموعی طور پر حبیب الرحمٰن خان شروانی کو اعلیٰ درجہ کا سوانح نگار نہیں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ موصوف نے اکرام اور ندوی کی تصنیف وقار حیات کے دیباچہ میں وقار الملک کی شخصیت اور سیرت کو بڑے جامع الفاظ میں متعارف کروایا ہے۔ اور ان کے دیباچے ہی کو دیکھ کر ہم کو کتاب کے ہیرو کے متعلق بہت کچھ معلومات ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ان کی مستعدی اور ہمت کے متعلق لکھا ہے۔

"بزدلی اور کاہلی یہ لفظ ان کی لغات زندگی میں لکھے ہی نہیں گئے آخر میں کمزوری سے گھٹنوں میں درد ہے تاہم بلند زینہ چڑھتے اترتے ہیں۔ جب عرض کی اس زحمت فرمانے کی کیا ضرورت تھی جواب دیا بلکہ دل پر لکھ دیا کہ انسان کو اتنی محنت کا خوگر رہنا چاہیئے۔"

(دیباچہ از حبیب الرحمٰن خان شروانی وقار حیات صفحہ)

سرسید احمد خان کے ساتھ دیرینہ اور وفادارانہ رفاقت کے باوجود بعض امور میں اختلاف بھی تھا۔ لیکن کس نوع کا یہ حبیب الرحمان خاں ہی کے الفاظ میں دیکھئے۔

"اس رفاقت کا دور اس صدی کا ایک ثلث ہے اس دراز مدت میں ایک بار سے زیادہ اختلاف ہوا شدید ہوا اظہار اختلاف کا لہجہ بھی مریدانہ اور عقیدت مندانہ تھا۔ اختلاف پر اصرار کے وقت بھی تحریر سے تقریر سے حرکات سے سکنات سے

Marfat.com

ہی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دوروں اور معائنوں کے سلسلے میں دیتے رہے تھے۔ لہٰذا اس طرح مصنف اپنی طرف سے اپنے ہیرو کی صفات کے متعلق کوئی خاص دعویٰ نہیں کرتا بلکہ ان کاموں اور جذبات کا سرسری ذکر کرتا جاتا ہے۔ اور ان کی فطرت کے تمام پہلو خود بخود قاری کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ اور بغیر مصنف کے ایک لفظ کہے ہوئے یا سفارش کئے ہوئے وہ خود بخود صاحب سوانح کی شخصیت سے مانوس اور مرعوب ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً ان کا رعایا سے ملاقات کرنا اور تحقیق کرنا اور اس سلسلے میں ان کا طریق کار انہی کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے جو ان کے انتظام اور تدبیر کے ساتھ ہی ان کی فطرت کی بھی آئینہ دار ہے

> "شروع شروع میں میں نے دیکھا کہ لوگ بہت خوش اور محتاط ہیں۔ اور جب ان سے دریافت کیا کہ تم کو کسی قسم کی تکلیف یا کوئی شکایت ہو تو کہو علی العموم اس کا یہی جواب ہوتا کہ ہم سب خوش ہیں۔ سب راضی ہیں۔ سرکار کا انتظام درست ہے ہم کو کوئی تکلیف اور شکایت نہیں ہے۔ لیکن جب ان کے ساتھ زیادہ خلا ملا اور ان کی تکلیفوں کا خود اپنی طرف سے ذکر اور اس پر افسوس کیا گیا اور ان کے ذہن نشین کر دیا گیا کہ نواب مدار المہام سرکار عالی نے مجھ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ جو کچھ دکھ درد رعایا کو ہے۔ اس کو رفع کرنے کا بندوبست کیا جائے تو پھر

انھوں نے شکایتوں کے دفتر کھول دیئے اس قدر کہ ان
کی یادداشتیں لکھنا اور ان پر غور کرنا اور ان کی حقیقت
اور علت کو دریافت کرنا اور ان کے رفع کرنے کی
تجویزیں سوچنا خود ایک بڑا کام ہے "
(صفحہ ۷۹)

اس پورے اقتباس کے بعد انھوں نے اپنی طرف سے محض
اتنا اضافہ کیا ہے۔

"مندرجہ بالا الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولوی مشتاق
حسین کو رعایا کے مصائب و مشکلات کا کس قدر خیال تھا
اور اپنے فرائض کو کیسے صحیح طریقہ سے ادا کرنا چاہتے تھے۔
(وقارحیات صفحہ ۷۹)

رعایا کی بدحالی سے ان کو سخت رنج تھا۔ اور ساتھ ہی وہ عوام کے
ہمدرد اور قدر دان تھے اور ان کے اوصاف کے مداح۔ جیسا کہ انکی
رپورٹ کے اس حصہ سے ظاہر ہے۔

"اس محنتی اور راستباز اور کفایت شعار گروہ کو اگر
آسودہ حال ہو جانے کے مواقع مل جاویں تو اس کا بھی
بخوبی یقین ہے کہ بہت کم مدت میں ان کی حالت درست
ہو جاوے گی ۔ تلنگانہ کا ایک تعلقہ جہاں سرسری بندوبست
سرسری اور ہو جاوے اپنی رعایا کی حالت کو پانچ برس کے

Marfat.com

دسروں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ کام آسان تو نہیں ہے اور پھر ایسے شخص کے حالات اور کاموں کی فہرست تیار کرنا جس کے چھوٹے چھوٹے بے حقیقت کام ہی اس کے کارنامے ہوں۔ اپنی اس محبت اور دقت کا ذکر مصنف نے تو سرسری ہی کیا ہے لیکن ان کی تلاش اور چھان بین کی گواہی کی حبیب الرحمٰن خان شروانی دیتے ہیں۔ اور ان کے انہماک کا عالم بتاتے ہیں۔

"موسم نہایت گرم مئی جون کا تھا۔ مولوی صاحب صبح سے تلاش مقصود میں نکل جاتے شام کو واپس آتے اس اثنا میں کا غذات گھنٹوں پڑھتے لوگوں سے ملتے ضرورت ہوتی تو میلوں پیدل چلتے۔ شام کو یہ حالت ہوتی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا۔"

(دیباچہ وقار حیات صفحہ، حبیب الرحمان خاں)

وقار الملک کے کاموں کی اہمیت اور ان کے انتظامات واصلاحات میں ان مشکلات کا جو انھیں درپیش تھیں۔ اس وقت تک اندازہ لگانا مشکل ہے جب تک اس وقت کی وہ سیاسی فضا اور حالات نہ معلوم ہوں جس سے حیدر آباد گزر رہا تھا۔ اس کو انھوں نے بڑی تلاش اور محنت سے فراہم کیا۔

"میں حیدر آباد کی عام حالت وسیاست سے قطعاً بیگانہ وناآشنا تھا۔ اور خصوصیت کے ساتھ نواب وقار الملک

Marfat.com

کے عہد کی سیاست کو سمجھنا چاہتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں اعلیٰ
حضرت نظام الملک آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کے
کے عہد میں حیدرآباد بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہر
طرف اصلاح بیداری زندگی اور زندہ دلی کے آثار
نمایاں ہیں۔ لیکن گذشتہ عہد کا حیدرآباد کچھ اور تھا جب تک
اس عہد کی حالت معلوم نہ ہو نواب وقار الملک کی
خدمات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

(دیباچہ مصنف وقارِ حیات صفحہ ۳)

پھر ان کے تمام کاموں اور ان رپورٹوں کا جزئیاتی جائزہ لیا
ہے جو وہ وقتاً فوقتاً داخل کرتے رہے تھے۔

دیہاں صوبہ داری کے دفتر میں نواب صاحب مرحوم کے
عہد کے کاغذات کا کافی ذخیرہ تھا۔ ہزاروں صفحے تو مختلف
مقدمات کے فیصلوں کے متعلق خود نواب صاحب مرحوم
کے ہاتھ کے لکھے۔ اس طومار کا پڑھنا اور سمجھنا اور ضروری
مضامین کا انتخاب کرنا آسان کام نہ تھا لیکن مسلسل مصروفیت
نے اس دشواری کو حل کر دیا۔

(دیباچہ مصنف وقارِ حیات صفحہ ۴)

اس کتاب میں چند باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صاحب سوانح
کے مزاج اور طبیعت کا اندازہ محض ان رپورٹوں کے اقتباسات سے

Marfat.com

[illegible] دریافت کرسکتا ہے کہ وہ ساہوکاروں کے پھندے سے نجات پا سکتے ہیں۔"

(وقارحیات صفحہ ۸۵)

ان سرکاری رپورٹوں اور خالص دفتری کاروبار کو کچھ ایسی سادگی اور سلاست سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو اس میں خشکی یا بے کیفی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت لطف آتا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ امور صاحب سوانح کی شخصیت اور ذات پر حاوی نہیں ہیں بلکہ اس کی زندگی کے بڑے دلچسپ حصّے اور پہلو بناکر پیش کئے ہیں اسی طرح حیدر آباد کی سیاسی فضا وہاں کے تخریب پسند شر پسند عناصر اندرونی سازشوں اور امراء کے باہمی تعلقات چپقلشوں کا حال بھی ضمنی طور پر انہی واقعات میں اس طرح کھپاتے چلے گئے ہیں۔ کہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں معلوم ہونے لگی ہیں۔ کتاب کی دلچسپی اور نفس موضوع میں ذرہ برابر خلل نہیں پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ سیاسی پس منظر خود صاحب سوانح کی شخصیت اس کی خدمات اور مشکلات آپس میں مربوط ہو کر ایک ناول کی طرح مسلسل اور دلچسپ ہو گئے ہیں۔

یہ رپورٹیں ایک طرف تو صاحب سوانح کے حسن انتظام دقت نظر ذکاوت اور اس کی ہمدردی و نیک سیرت کو خود بخود واضح اور نمایاں کرتی جاتی ہیں اور اس کے دلی جذبات عوام سے ہمدردی ان کی فلاح و بہبود کے خیال سے قاری کو آشنا کر دیتی ہیں دوسری طرف ان کے

Marfat.com

ذریعہ حیدرآباد کی سیاسی۔ اقتصادی اور ملکی تاریخ خود بخود مرتب ہو جاتی ہے۔

اتنی لمبی روداد اور طویل وقفے کے بعد جب ان کا ہیرو آفتاب اقبال کے نصف النہار پر پہنچ جاتا ہے۔ تو ایک بار پھر قاری کے ذہن کو اس امر کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ان کا ہیرو کس حیثیت سے عروج کو پہنچا اور کیوں پہنچا۔

• دیانت و صداقت انسان میں جرأت اور دلیری پیدا کر دیتی ہیں اور یہ چیزیں نواب وقار الملک کا خاص جوہر تھیں۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو امروہہ کے منشی مشتاق حسین جو تحصیل مراد آباد میں بیس روپیہ ماہوار کے محرر انکم ٹیکس تھے حیدر آباد کے نواب وقار الملک نہ ہوتے۔

(وقار حیات صفحہ ۲۹۸)

اسی طرح علی گڑھ یونیورسٹی کی خدمات اور مسلمانوں کی سیاسی قیادت کا ذکر بھی بتدریج کرتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی وفات تک پڑھنے پر ان کی زندگی کا ہر پہلو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے ذاتی اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں پر دوبارہ روشنی ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں کبھی کبھی ان کی تحریریں سچے اور مخلصانہ جذبات بھی شامل ہو گئے ہیں۔ لیکن کہیں غلط جوش یا مبالغہ کا نام نہیں۔ بلکہ جس موقع کی عکاسی کرنا چاہی ہے۔ اس کا صحیح تصور سامنے آجاتا ہے

Marfat.com

نواب وقار الملک کے آخری ایام حیات میں ان کا قوم کی نظر میں جو مقام تھا اور قوم کی جو حالت تھی اس کا بڑے پیارے اور موثر الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

"لیکن اب بھی وہ تمام مسلمانان ہند کی امیدوں کا مرکز تھے اب بھی قوم کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوتی تھیں اب بھی یہ حالت تھی کہ قومی معاملات کے متعلق جو لفظ ان کے لب و دہن سے نکلتا تھا اس کی صدائے باز گشت تمام ہندوستان میں سنی جاتی تھی۔ سرسید کی برہم شدہ بزم کی یہ آخری شمع بھی اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہونے والی تھی۔ لیکن اس جھلملاتی ہوئی حالت میں بھی نوجوانوں کے لئے رہنما بھی اور قوم اس کی دھندلی روشنی میں راستہ تلاش کر سکتی تھی۔"

(وقار حیات صفحہ ۷۰۶)

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ وقار حیات تاریخ و سوانح کا سنجیدہ باوقار اور حسین امتزاج ہے اور اردو کی چند بہترین سوانح عمریوں میں شمار ہونے کے لائق ہے

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر آچکا ہے کہ ہماری جدید سوانح نگاری کے دو دبستان بن گئے ایک وہ گروہ جو جذباتی اور افادی نظریئے کے تحت سوانح نگاری کرتا ہے اور اس فن کو قومی ترقی اور عظمت کا

Marfat.com

ذریعہ بنانا چاہتا ہے اور دوسرا فریق یا دبستان وہ ہے جو کسی بھی انسان
کے حالات زندگی سیرت یا کردار کو محض اس کی شخصیت کے لئے پیش
کرتا ہے اس گروہ کا دائرۂ عمل اور نظریۂ فن زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے
یہ لکھنے والے شخصیت نگاری میں تاثرات کی آمیزش کے بھی قائل ہیں
اور سوانح عمری میں جزئیات کی تحقیق کے بھی شائق ہیں۔ ان میں سے اکثر
واقعات کا صحیح اور جذباتی سراغ لگاتے ہیں۔ لیکن ذاتی تاثرات سے
عموماً احتراز کرتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر مورخانہ ہے۔ بعض کا رجحان خارجی
جزئیات کی ترتیب کی طرف ہے اور بعض واقعات زندگی سے زیادہ
اوصاف اور سیرت نگاری کی طرف مائل ہیں مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید
دور کے سوانح نگاروں کے اس گروہ نے اردو میں ہر قسم کی سوانح عمریوں
کا اضافہ کیا ہے۔ جو ہر لحاظ سے قابل توجہ اور گراں قدر ہے۔ ان میں
سے چند قابل ذکر اور اچھے سوانح نگاروں کے بارے میں کچھ لکھنے سے
پہلے مولوی افتخار عالم مصنف حیات النذیر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا
ہے کیونکہ مولوی افتخار عالم صاحب جدید دور کے ہر دو دبستانوں میں
عبوری کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ وہ خوش نصیب مصنف ہے
جس کی تصنیف پر اردو کے تین بڑے محسنوں یعنی حالی، شبلی اور مولوی
عبدالحق نے مقدمے لکھے ہیں۔

حیات النذیر۔ بقول حالی مولوی نذیر احمد کی مفصل اور مشرح
سوانح عمری ہے۔ اور جس کے بارے میں مولانا شبلی کا کہنا ہے کہ بڑی

Marfat.com

[illegible] لکھی ہے اور در اصل یہ مولانا نذیر احمد کی بڑی جامع سوانح عمری ہے اور محض اسکو پڑھ لینے سے قاری مولانا کی زندگی کے ہر رخ سے آشنا اور مانوس ہو جاتا ہے۔ ان کا بچپن زمانۂ طالب علمی شادی ملازمت تصنیفات غرض ہر قسم کے مشاغل اور ان کے خانگی حالات سے بھی پڑھنے والا خوبی مطلع ہو جاتا ہے۔

حیات النذیر کو مصنف نے سات حصوں میں تقسیم کیا ہے حصہ اول ان کی ابتدائی زندگی، تعلیم نکاح اور دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہونے تک ہے اور حصہ دوم ان کی کاروباری زندگی پر مشتمل ہے۔ جس میں ملازمت کے سلسلہ میں امتحانات تجربات۔ انگریزی، تلنگی زبانوں سے واقفیت اور ان کی بڑھتی ہوئی خوش بختی اور ترقیوں کا ذکر ہے۔ تیسرا حصہ ان کی اس زندگی کا آئینہ دار ہے۔ جو انھوں نے حیدرآباد میں گزاری تھی وہاں کا قیام ملازمت سیاسی حالات اختلافات استعفا چوتھا حصہ ان کی نجی اور شخصی زندگی کا مرقع پیش کرتا ہے۔ پانچواں حصہ ان کی تصنیفات پر مشتمل ہے۔ چھٹا حصہ ان کے مذہبی معتقدات پر اور ساتواں حصہ مختلف ضمیموں سے مل کر مرتب ہوا ہے۔ جو مصنف نے صاحب سوانح کی وفات کے بعد شامل کرنا ضروری سمجھے۔

اس جامع اور مفصل سوانح عمری میں ایک چیز کھٹکتی ہے اور وہ اس کی بے جا طوالت ہے جو واقعات اور بات کا لطف کھو دیتی ہے۔ مثلاً مولانا نذیر احمد کی پیدائش کے بارے میں یہ کہنا چاہتے تھے

Marfat.com

کہ ان کا سنہ ولادت تحقیق نہیں اس کے لئے لمبی چوڑی تمہید اٹھاتے ہیں اور پھر بتاتے ہیں کہ ہندوستان میں دھوم دھام سے سالگرہ منانے کا رواج ہے اور یہ بدعت ہے پھر کہتے ہیں کہ نذیر احمد کا خاندان اس بدعت کا قائل نہ تھا اور وہ بھی اس انداز میں گویا ڈانٹ کر یہ بات ذہن نشین کرانا چاہ رہے ہیں۔

" ناظرین میں سے اکثر کو معلوم ہے اور جن کو معلوم نہیں وہ معلوم کر لیں کہ صاحب سوانح عمری کا خاندان مولویوں مفتیوں اور مشائخ کا خاندان تھا وہاں ان مراسم کا کیا ذکر یہ باتیں تو وہاں بدعت میں شامل ہوں گی "

(صفحہ حیات النذیر)

مولانا شبلی نے اس کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے "سوانح نگاری کا آج کل جو طرز ہے وہ ایک قسم کی وکالت کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ یہ حسن ہے یا عیب یہ تصنیف بھی اس وصف سے خالی نہیں۔"

(مقدمہ از شبلی نعمانی صفحہ ۱۲)

اگرچہ مصنف نے مولانا شبلی کے اس بیان کی خاص تعدید کی ہے اور فٹ نوٹس میں لمبے چوڑے دلائل سے ان کے اس بیان کو غلط ثابت کرنا چاہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کا انداز بیشتر کچھ ایسا ہی ہے کہ گویا وہ صفائی پیش کر رہے ہیں یا وکالت کر رہے ہیں

Marfat.com

مصنف مولوی نذیر احمد کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے جب ان کی ان تصانیف کا ذکر آتا ہے جن پر اعتراضات کئے گئے تھے وہ بر ممکن کوشش نہ صرف اپنے صاحب سوانح کو حق بجانب ظاہر کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ بلکہ ان کو شاہ ولی اللہ صاحب پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔ جس پر مولانا حالی نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس سے یہ ہی نہ سمجھ لینا چاہئے کہ موصوف نے محض اپنے موضوع کی حمایت و طرف داری ہی نہیں کی بلکہ جدید تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے ان کی کمزوریوں کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

"ریڈ صاحب نو عمر آدمی تھے اور کنوارے یعنی مجرد اس وجہ سے ان کے مزاج میں ایک قسم کی جلدی تھی اور ادھر ہمارے مولانا بھی مزاج کے دھیمے نہ تھے۔ ان وجوہ سے شکر رنجی ہو گئی مگر بعد کے مراسم سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی خلوص بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔"

(صفحہ ۴۴، حیات النذیر)

اس کتاب کی تصنیف میں مصنف نے مولانا کے اقتباسات اور خطوط سے بڑی مدد لی ہے اور یہ بہت دلچسپ ہو گئی ہے۔ غرض کہ حیات النذیر نقائص اور محاسن کا مجموعہ ہے ایک پر لطف بات یہ ہے مصنف کی تحریر میں صاحب سوانح کا رنگ غالب نظر آتا ہے چنانچہ کبھی تو نذیر احمد ہی کی سی چٹخ پٹخ اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں کبھی ٹھوس علمی اور منطقی پیرایہ اور یہیں آکر یہ سوانح عمری بے کیف

Marfat.com

ہو جاتی ہے بحیثیت مجموعی طور پر اس پر مولانا شبلی کا قول صادق آتا ہے کہ

"مولانا نذیر احمد اس پائے کے شخص تھے کہ اگر یورپ میں پیدا ہوتے تو ان کی بیسیوں سوانح عمریاں لکھی جاتیں ملک اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا مسرت کی بات یہ ہے کہ یہ ضرورت بوجہ احسن پوری ہوئی۔"

(مقدمہ از مولانا شبلی حیات النذیر)

اس میں شک نہیں کہ مولوی افتخار عالم نے بڑی محنت اور دماغ سوزی سے مولانا نذیر احمد کی یہ سوانح عمری تیار کی ہے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ :- مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ میں مرزا صاحب کی لکھی ہوئی ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی کا بھی تذکرہ کیا جائے اور اس طرح یہ امر بھی واضح ہو جائے گا کہ مولوی افتخار عالم کی اس مفصل اور مشرح تصنیف کے آگے مرزا صاحب کا یہ مختصر سا مضمون کیا مقام رکھتا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے اردو والا طبقہ مرزا فرحت اللہ بیگ کو مزاح نگار کی حیثیت سے جانتا ہے اور ان کی شگفتہ تحریر ہر موضوع کی شگفتگی اور زندگی عطا کر دیتی ہے اور جب موضوع بھی ڈپٹی نذیر احمد جیسا شگفتہ اور جاندار ہو تو پھر شگفتگی کا کیا کہنا چنانچہ نذیر احمد کی اس کہانی میں ان کے انداز بیان میں سوانحی تصانیف کی طرح سنجیدگی اور متانت کا ڈھونڈنا عبث ہے۔ اپنی شوخی تحریر کا انہیں خود احساس ہے۔ لیکن اس بارے

Marfat.com

میں دہ بھولیں چنانچہ اس کے متعلق انھوں نے خود ہی کہہ دیا ہے ۔

"لیکن تشتو میشو گلاف کا یہ نظم پڑھانے سے پہلے میں اپنے طرزِ بیان کے متعلق معافی مانگ لیتا ہوں ۔ کیونکہ میری شوخی بعض جگہ حدِ تجاوز سے بڑھ جائے گی ۔ لیکن آپ تمام قارئین کرام کو یقین دلاتا ہوں ۔ کہ اگر مولوی صاحب خود اپنی سوانح عمری لکھتے تو اسی رنگ میں لکھتے اور اگر آپ ان کی صحبت میں رہے ہوتے تو آپ کو بھی ان کے حالات لکھتے وقت میری ہی طرح معافی مانگنی پڑتی ۔ ورنہ آپ کی تحریر بجائے مولوی نذیر احمد صاحب کی سوانح عمری کے کسی شیخ شو ملّا کے بے لطف واقعات کا مجموعہ ہو جاتی خدا بہتر جانتا ہے کہ اس وقت بھی لکھتے لکھتے پنسل ہاتھ سے رکھ دیتا ہوں اور ایک عالم بے خودی مجھ پر چھایا جاتا ہے مولوی صاحب کی کوئی بات نہ تھی جس میں خوش مذاقی کا پہلو نہ ہو کوئی قصہ نہ تھا جس میں ظرافت کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہو ۔"

(صفحہ ۵ مضامین فرحت)

مرزا صاحب نے اپنی اس مختصر سی کہانی میں حقیقت اور جذبات نگاری کا پورا پورا التزام کر رکھا ہے ۔ اور یہ ان کی حقیقت نگاری ہی تھی جس نے ان کو اتنے دن تک یہ داستان سنانے سے

بازرکھا۔ کیونکہ ابھی تک اردو میں بے دھڑک شخصیت نگاری پوری طور پر وجود میں نہیں آئی تھی اور ان کو یہ اقدام کرتے ڈر ہی لگتا تھا کہ۔

اپنی چھوڑ گھسیٹی میں نہ پڑ جاؤں رہ رہ کر جوش آتا تھا اور ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔

(مضامین فرحت صفحہ ۶)

آخر کو وہ دن آ ہی گیا کہ مرزا صاحب نے برسوں پرانی امانت جو ان کے ذہن و دماغ میں محفوظ تھی سپرد قلم کر ہی دی
خدا بھلا کرے مولوی عبدالحق صاحب کا کہ انھوں نے مجھے اس اگر مگر سے نکالا اور دل کی باتوں کو حوالہ قلم کرنے پر آمادہ کر دیا اب جو کچھ کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے لکھوں گا اور بے دھڑک لکھوں گا خواہ کوئی برا مانے یا بھلا۔

(صفحہ ۶ مضامین فرحت)

مرزا صاحب نے مولوی صاحب کے حلیہ اور رہن سہن کی مصوری میں کمال کر دیا ہے۔ ایسے مناسب اور موزوں الفاظ استعمال کئے ہیں کہ پڑھنے والے کے سامنے جیتے جاگتے نذیر احمد باہمہ وضع داری زبانت شوخی ظرافت آکھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب کا حلیہ پیش کرنے میں زبردست ملکہ

Marfat.com

حاصل ہے۔ مولوی نذیر احمد کی آنکھوں کی چمک کی تصویر ان الفاظ سے بہتر الفاظ میں کھینچنا محال ہے۔

"آنکھوں میں غضب کی چمک تھی، وہ چمک نہیں جو غصہ کے وقت نمودار ہوتی ہے۔ بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اگر میں ان کو مسکراتی آنکھیں کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔"

(مضامین فرحت صفحہ ۱۵)

مصنف کا بحیثیت شاگرد صاحب سوانح سے جو تعلق تھا اور اس کی حیثیت سے انھوں نے جو مطالعہ صاحب سوانح کی شخصیت کا کیا اس کے علاوہ بھی انھوں نے اس کہانی میں ان کی زندگی کے چند اہم اور نمایاں واقعات کا ذکر باتوں باتوں میں بڑی خوبی سے کر دیا ہے بلکہ خود صاحب سوانح کی زبانی بیان کروایا ہے۔ مثلاً مولانا کی تعلیمی زندگی اور مشکلات دہلی کالج کا داخلہ اسی طرح مرآۃ العروس اور چند پند کا اتفاقیہ منظر عام پر آنا۔ ایل۔ ایل ڈی کی ڈگری کا ملنا محسن الملک سے ان کے خوشگوار اور کشیدہ تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور یہ لطف ہے کہ اس طرح انھیں بیان کیا ہے کہ بات میں بات نکلتی چلی آتی ہے سچ تو یہ ہے کہ نذیر احمد کے اس شوخ و گستاخ شاگرد کے قلم نے ان کا جتنا دل کش سچا مکمل اور زندہ خاکہ پیش کیا ہے وہ مولوی افتخار عالم کی مبسوط

Marfat.com

اور جامع کتاب نہ پیش کر سکی تھی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ مولوی صاحب کی شخصیت کی بہت اچھی تصویر ہے۔ مرزا صاحب کی یہ کہانی اردو کے سوانحی ادب میں ایک نئی چیز ہے۔ اور کسی محبوب اور محترم ہستی کو ظرافت و مزاح کے رنگ میں پیش کرنے کا بہترین نمونہ بھی ہے۔

بلاشبہ یہ مختصر سی کہانی مرزا صاحب کے قلم کا بہترین عطیہ ہے جس سے انھوں نے اردو ادب کو نوازا ہے۔

مولانا اسلم جیراج پوری

مولانا اسلم جیراج پوری، حیات جامی حیات حافظ۔ سیرت عمر بن العاص کے مصنف ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ سے جو رسالہ خاتون نکلتا تھا اس میں مشہور خواتین سلف پر مضامین لکھتے رہے ہیں۔

حیات جامی ۔ مولانا جامی کی سوانح عمری ہے اس تصنیف میں مصنف نے زیادہ تر صاحب سوانح کے ہمعصروں کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں ہی کے واقعات منتخب کئے ہیں۔ مثلاً رشحات لطائف الطوائف تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ مجالس العشاق۔ ہی ان کی اس تصنیف کے ماخذ ہیں۔ یہ مولانا جامی کا مختصر تذکرہ ہے جس میں ان کی پیدائش۔ خاندان اور تعلیم کے ذکر کے علاوہ ان کی سیرت کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو اکتسابی ہیں اور

Marfat.com

خود اپنی ہی کوشش اور محنت سے استفادہ پذیر ہوئے مثلاً ان کی علمیت تصوف عشق وغیرہ وغیرہ، نجی حالات زندگی کے علاوہ ان کے مزاج طبیعت پر بھی روشنی ڈالی ہے مولانا جامی کی یہ سوانح عمری کسی خاص انداز کی حامل نہیں ہے اور نہ کوئی خاص قابل ذکر بات اس میں ہے۔

سیرت عمرو بن عاص بھی مولانا اسلم جے راج پوری کی لکھی ہوئی ہے عمرو بن العاص تاریخی ہستی ہیں اور تاریخ دان دنیا ان کو اسلام کے ایک بڑے سپہ سالار کی حیثیت سے جانتی ہے ان کے تمام قابل ذکر حالات زندگی اور کارنامے تاریخ سے ہی متعلق ہیں مسلمانوں کی فتوحات میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ اسلم صاحب نے ان کی یہ سوانح عمری بھی تاریخی انداز ہی پر لکھی ہے۔ ابتدائی اور خاندانی حالات مختصراً بیان کئے ہیں۔ ان کے اصل کارنامے اسلام لانے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور یہیں پر انھوں نے تشریح اور تفصیل سے کام لیا ہے۔ آخر میں ان کی وفات اولاد اور ترکہ کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر ان کی سیرت اور فطری صلاحیتوں کو بھی مختصراً بیان کیا ہے۔

حیات حافظ حیات حافظ کی تصنیف میں مصنف نے زیادہ تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ خاں کی کے نفحات الانس تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، سفینۃ اولیاء

Marfat.com

روضۃ الصفا ۔ حبیب السیر وغیرہ کے علاوہ مغربی مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ مسٹر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا لوتسا کی ، روزگار وُن آف پرشیا انسائیکلو پیڈیا ۔ برٹانیکا بھر گور اوسلی کے بایوگرافیکل نوٹس آن پرشیا وغیرہ سے معلومات حاصل کی ہیں ۔ روایت اور درایت کا بھی التزام رکھا ہے چنانچہ حافظ شیرازی کے متعلق جتنے بے بنیاد قصے اور روایتیں مشہور تھیں سب سے احتراز کیا ہے ۔ بلکہ ایسی روایتوں کو قدیم زمانے میں لوگ صاحبان کمال کی طرف طرح طرح کی روایات منسوب کر دیتے تھے اور خواجہ حافظ کو بھی اسی شرف سے نوازا گیا چنانچہ لکھتے ہیں ۔

> اتفاق رہی ہے ان کی شاعری انسانی فطرت سے بالاتر سمجھی گئی کسی نے ان کو خضر کا شاگرد بتایا کسی نے ملہم سمجھا کسی نے مجذوب صوفی کہا ۔ کسی نے رند مے پرست اور عاشق مزاج ٹھہرایا اور اسی قسم کی طرح طرح کی روایتیں ان کی طرف منسوب کی گئیں یہی مجالس میں بیان ہونے لگیں ۔ ان طلسمی حکایتوں میں ان کی زندگی کے اصل حالات اور واقعات کی طرف کسی نے توجہ نہ دی اور زمانے کی موجیں اپنے ساتھ ساتھ ان کو لیتی گئیں ۔

Marfat.com

(صفحہ ۹۳ حیات حافظ)
مصنف نے باری باری تمام مشہور و معروف فرضی روایتوں اور حکایتوں کی نفی کی ہے۔ اول تو عام طور پر خواجہ حافظ کے لئے مشہور ہے کہ ابتداء میں وہ تقریباً بالکل جاہل تھے اور دوسری غلط فہمی وہ ہے جو عام طور پر شاخ نبات کے بارے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا بھی ازالہ کیا ہے عام طور پر شاخ نبات کو۔ خواجہ حافظ کی بازاری محبوبہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لغت میں بھی اس کے معنی ایک شیرازی محبوبہ ہی لئے جاتے ہیں۔ لیکن اسلم صاحب نے اس غلط فہمی کو اس طرح دور کر دیا کہ۔

شاخ نبات کے معنی نیشکر ہیں جس سے مراد کلک کا قلم ہے خواجہ حافظ نے اپنے دیوان میں جابجا شاخ نبات اپنے ہی قلم کو لکھا ہے۔"

(صفحہ ۱۴۳ حیات حافظ)
حافظ کی رنگین و شاعرانہ فطرت میں انھوں نے فارس کی آب و ہوا اس وقت کے عام مذاق اور روح عصر کی کارفرمائی بتائی ہے۔ اسی طرح حافظ کے نظریہ حیات کو یعنی کنج خلوت میں ایک گھڑی اطمینان کے ساتھ گزار دینے کو تمام دنیا کی بادشاہی پر جس میں ہزاروں جھگڑے ہوں۔ ترجیح دی ہے۔) جس کو فرار بھی کہا جاتا ہے۔ اسلم صاحب

Marfat.com

کے نزدیک ان کے زمانے کی بیدردیاں۔ ہولناک خوں ریزیاں
زمانے کے انقلاب کا نتیجہ نفیس۔ کلام پہ مفصل تبصرہ کیا ہے
نمونہ کلام کے لئے علاوہ کلام حافظ سے فال نکالنے کے دلچسپ
موضوع پر بھی اظہار خیال کیا ہے مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اسلم
صاحب کی لکھی ہوئی حیات حافظ کی دوسری سوانح عمریوں
سے نسبتاً بہتر ہے۔

کچھ عرصہ سے اردو کے چند سوانح نگاروں کا رجحان سوانح
عمری میں جزئیات کی تحقیق کی طرف ہے اور ان لوگوں کی انتہائی
کوشش یہی ہوتی ہے کہ واقعات کا سراغ مورخانہ نقطہ نظر سے
لگائیں اور جزئیات کو صحیح اور حقیقی شکل میں تلاش کرتے ہیں
یہ لکھنے والے ذاتی تاثرات سے عموماً احتراز کرتے ہیں۔ ان
لکھنے والوں میں نمایاں اور مشہور مصنفین مہر۔ اکرام صاحب اور
شیخ چاند ہیں۔ ان کا شمار اپنے رنگ کے کامیاب مصنفین میں
ہے۔ غلام رسول مہر صاحب کی مشہور و معروف تصنیف غالب ہے
اور یادگار غالب کے بعد غالب کی یہ دوسری جامع سوانح عمری
ہے۔ مہر صاحب نے اس سوانح نگاری کو ایک نئے انداز کی
سوانح نگاری سے متعارف کرایا ہے یعنی صاحب سوانح کے
کلام نظم و نثر اور اس کی نجی تحریروں سے اس کے حالات زندگی
فراہم کئے ہیں۔ جن کی صداقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ

Marfat.com

بڑی محنت و جستجو مصنف کو اس سلسلے میں کرنا پڑی ہے اور صاحب سوانح کی زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے پہلو کو بھی ان کی تحریروں کی روشنی میں جانچا مختلف تحریروں سے اس کا مقابلہ کر کے اس کی صداقت اور اہمیت کا اندازہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خود صاحب سوانح کی بھی خوبی ہے اور بقول مولانا عبدالمجید سالک۔

"اگر مرزا غالب ایسے اچھے اور جامع رقعات نہ لکھ جاتے تو مہر صاحب سوانح نگاری میں اتنے زیادہ کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن مہر صاحب کا شرف یہ ہے کہ انھوں نے اس مواد سے فائدہ اٹھایا جس کی توفیق مرزا کے عقیدت مندوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہوئی"

(دیباچہ از سالک صاحب صفحہ ۷)

مصنف نے بہت ہی معمولی معمولی باتوں کو صاحب سوانح کی متعدد اور مختلف تحریروں سے پیش کیا ہے مثلاً۔ "دستنبو" کے سرورق پر وہ نام اور خطاب جس طرح لکھوانا چاہ رہے تھے اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"نام عرب اور فارسی تحریرات میں جابجا تصریحات ملتی ہیں غالب کی مشہور کتاب "دستنبو" پہلی مرتبہ آگرہ میں منشی شیو نرائن آرام کے مطبع مفید خلائق میں چھپی تھی

Marfat.com

اور چھپائی کا سارا انتظام منشی ہرگوپال تفتہ منشی نبی بخش حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ مہر کے سپرد ہوا تھا۔ غالب ایک خط میں تفتہ کو دستنبو، کے سرورق کی عبارت کے متعلق ہدایت دیتے ہوئے رقم فرماتے ہیں۔"

(صفحہ ۲ غالب)

محض تفتہ ہی کے نام کے خط کی عبارت نہیں درج کی ہے بلکہ اس سلسلے میں جتنے خطوط ہیں اس کا ذکر انھوں نے کیا ہے سب کی عبارتوں کو درج کیا ہے۔

داستان غدر اس کتاب کا اہم حصہ ہے۔ غدر کے متعلق جن لوگوں کے بیانات ملتے ہیں وہ یا تو خود اس میں شریک اور اس کے حامی تھے یا پھر مخالفین اور انگریزوں کے ان کے علاوہ ان بڑے بوڑھوں کے بیانات بھی ہیں جن کے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیب داستاں کے لئے کچھ بڑھا چڑھا کر بھی بیان کیا ہوگا۔ غالب نہ تو اس ہنگامے میں شریک تھے اور نہ وہ ان مظالم کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ جو انگریزوں نے دہلی والوں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے تھے۔ وہ ان ہنگاموں سے الگ شہر کی اس بربادی اور ویرانی کو بڑی مبصرانہ نظروں سے دیکھتے رہے اور اس کا اظہار اپنے پردیسی احباب و شاگردوں کے خطوط میں بڑے سوز متانت اور غیر جانب دارانہ انداز سے کرتے رہے۔ ان کو اس کا جو صدمہ تھا اس کا احساس

Marfat.com

مصنف نے ان کی تحریروں سے کیا ہے اور لکھتے ہیں۔

اس جلیل القدر انسان کے اندوہ و غم اور فریاد و ماتم کے تو حاوی ہوئی کا نقطہ نہایت سلطنت مغلیہ کی تاریخ کا زمانی کا دہ خون ریز و خون چکان واقعہ محرون ہے جو عام طور پر غدر کے نام سے معروف ہے۔

(صفحہ ۱۱۰)

اس واقعہ کو مصنف نے مرزا صاحب کی تمام تحریروں اور اشعار سے بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ مجتمع اور مربوط کیا ہے۔ چونکہ یہ تمام کے تمام واقعات ان کی ان ہی تحریروں سے اخذ کئے ہیں جو انھوں نے بلا ارادہ تحریر کی تھیں اس لئے یہ صاحب سوانح کی ہی شخصیت میں پیوست نظر آتے ہیں غالب کی ؟؟ اس سوانح عمری کے ذریعہ نہ صرف غالب کے متعلق واقعات انتہائی صحت کے ساتھ با اعتبار سنہ و تاریخ ہم تک پہنچتے ہیں بلکہ غالب کے خاندان کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی بہت کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے بعد کے تمام واقعات اور حالات اور ان کا لوگوں پر خصوصاً غالب کی زندگی پر اثر خود غالب کی زبانی یا یوں کہئے کہ غالب کے قلم سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کے تمام ممتاز اور نمایاں لوگوں سے شاہی خاندان کے بعض افراد کے متعلق بھی بہت سی دلچسپ اور اہم معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح یہ تصنیف غالب بلکہ پورے دور کی ترجمانی اور واضح تصویریں

Marfat.com

جاتی ہے جس کے یقین کرنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مہر صاحب کی یہ تصنیف سوانح نگاری سے زیادہ تاریخی اعتبار سے اہم ہے اور یہ تاریخی اور سوانحی عناصر سے مرکب ہے۔ اگرچہ مہر صاحب نے اپنے دیباچے میں ایک جگہ لکھا ہے

"یادگار اپنی تمام خوبیوں کے باوجود غالب کی صحیح مفصل اور مستند سرگزشت حیات نہیں۔"

(صفحہ ۱۱)

تاہم انھوں نے اپنی تصنیف کی تکمیل میں جابجا کثرت سے مولانا حالی کے حوالوں سے کام لیا ہے۔ اور ان کی تصنیف میں بھی اس سوانحی تسلسل کی کمی محسوس ہوتی ہے جس کی شکایت یادگار غالب سے کی جاتی ہے۔

جس طرح مہر صاحب نے خطوط کلام اور تحریروں سے غالب کی تاریخی سوانح عمری مرتب کی ہے اسی طرح شیخ محمد اکرام نے شبلی کے مکاتیب اور کلام سے ان کی نفسیاتی سیرت نگاری کی کوشش کی ہے جو ایک حد تک کامیاب سیرت نگاری کہی جا سکتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک چیز یہ محسوس ہوتی ہے کہ اکرام صاحب نے باوجود صاحب سیرت کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی اپنی سیرت نگاری کی بنا کسی شدید جذبہ کے ماتحت رکھی ہے جس کو مخالفت ہی کہا جا سکتا ہے ان کی سیرت نگاری کا عام انداز اور رجحان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب سیرت کی قلعی کھول دینا چاہتے ہیں

Marfat.com

خواہ وہ سید سلیمان ندوی کی ان بے جا عادیات کی تردید کرنا چاہتے ہوں جو انھوں نے حیات شبلی کے ہیرو کی حمایت میں پیش کی ہیں اور خواہ عطیہ بیگم سے ان کی خط و کتابت اور ان کے متعلق ان کے جذبات کو ایک نئی روشنی میں پیش کرنا چاہ رہے ہوں ان کا اندازہ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی گندم نما جو فروش کا پول کھول رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکرام صاحب نے بھی اردو کو نفسیاتی و تجرباتی سیرت نگاری سے روشناس کرایا ہے۔ وہ جو سیرت نگار کے متعلق کہتے ہیں۔

"تمام واقعات کا احاطہ کرنے کے بعد وہ دریا کو کوزے میں نہیں ایک ایسے جام بلوریں میں پیش کرتا ہے۔ جس کے اندر سے صاحب تذکرہ کی شخصیت صاف جھلکتی ہے۔"

(دیباچہ شبلی نامہ)

اور انھوں نے خود بھی یہی کوشش کی ہے بہر حال یہ چھوٹی اور مختصر سی سوانح تو کیا سیرت و شخصیت نگاری۔ مولانا شبلی یا بقول شیخ صاحب ایک فنکار کی داستان حیات ہے جو ہمارے اس فنکار اور اردو ادب کے عناصر خمسہ میں سے ایک رکن کی بوقلموں اور حل طلب فطرت کے ایک ایسے پہلو پر روشنی ڈالتی ہے جس کو آشکار کرنے سے سید سلیمان ندوی کا سعادت مند قلم قاصر رہا ہے اور اسی کمی کی اکرام صاحب کو سید صاحب سے سخت شکایت ہے۔ "شبلی نامہ" میں اکرام صاحب نے سید سلیمان ندوی کے بعض بیان پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ سب سے بڑھ کر ایک باقاعدہ باب "وا دی گل"

Marfat.com

کے نام سے مرتب کیا ہے جس میں انھوں نے مولانا شبلی اور عطیہ بیگم فیضی کی مؤانست اور خطوط و کتابت میں ایک پہلو دیکھا اور یہ نتیجہ نکالا کہ :

" انسانی فطرت ایک بڑی پیچیدہ اور جامد چیز ہے ۔"

انھوں نے یہ صرف عطیہ بیگم فیضی کے مجموعہ خطوط اور ڈائری سے استفادہ کیا ہے بلکہ اس بارے میں شبلی کے ان خطوط کے حوالے بھی دیئے ہیں جو انھوں نے اپنے بے تکلف دوستوں کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ ان غزلوں کے مجموعے سے جس کا نام " دستۂ گل " ہے بعض اشعار کے حوالے دیئے اور ایک رنگین طبع شاعر کے کلام کی حیثیت سے اس کو داد بھی دی ہے ۔

" دستۂ گل صحیح معنوں میں پھولوں کا ایک گلدستہ ہے اور پھول بھی ایسے جن کی شادابی اور خوبی رنگ و بو کا ہندوستان کی فارسی شاعری میں جواب نہیں ۔ یہ غزلیں الفاظ کے انتخاب خیالات کی تازگی اور طرز ادا کی شستگی میں ترشے ہوئے ہیرے ہیں ۔ لیکن جذبات کی شدت دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زبردست طوفانی دریا ہے جو مدتوں اینٹ پتھر کے ایک بند سے ٹکراتا رہا ہے اور اب بند توڑ چکا ہے اور پورے زور شور سے بہہ رہا ہے ۔"

شبلی نامہ

مندرجہ بالا طویل اقتباس سے خصوصاً خط کشیدہ سطور سے ہم

Marfat.com

بجز اس کے یہ مطلب اخذ کر سکتے ہیں کہ شبلی کے کلام پر تنقید کا مطلب ان کی فطرت کے بدلتے ہوئے دھارے پر روشنی ڈالنا ہے۔ اور ان چند الفاظ میں انھوں نے صاحب سیرت کی فطرت کے دو متضاد رخوں اور کیفیتوں کی پوری داستان سنا دی ہے۔ اس کے علاوہ شبلی کے اس شعر سے

آں شمامے دوست کی در عدہ بینی بام
کہ دم او صحیفہ۔۔۔ آں دشمن ایمان شدہ ام

میں دشمن ایمان کا اشارہ عطیہ بیگم ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور سید سلیمان ندوی کے اس بیان کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ

"وہ لوگ جن کی سخن فہمی صرف حرفی ہے وہ غلطی سے اس دشمن ایمان کی تلاش بمبئی میں کرتے ہیں حالانکہ وہ علی گڑھ میں تھا یعنی وہ علی گڑھ کی تحریک سے الگ ہو کر ندوے میں شامل ہو گئے۔"

دستہ گل کے علاوہ خطوط شبلی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"خطوط شبلی مشرقی ادب میں ایک بالکل انوکھی چیز ہے بظاہر تو یہ چند صفحات کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن ان چند صفحات میں محبت کا مکمل ڈرامہ آگیا ہے۔"

(شبلی نامہ)

شبلی کا اردو کے بہترین مکتوب نگاروں میں شمار ہوتا ہے اور ان کے خطوط انشا پردازی اور ایجاز کے نہایت خوشگوار نمونے ہیں لیکن

Marfat.com

شبلی کی احتیاط قلم سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے اپنا مقام اور مرتبہ بہت پہلے سمجھ لیا تھا۔ لیکن اس پر بھی اکرام صاحب نے اسی محتاط قلم کے شواہد فراہم کر لئے۔ لیکن انھوں نے ان کے خطوط کے اقتباسات معدودے چند ہی دیئے ہیں اور یہ کہنا ہی بہت جاتا ہے کہ

ہم خطوط شبلی کے طویل اقتباسات نہیں دینا چاہتے جس کسی کو انسانی نفسیات، ادب یا شبلی کی ذات سے دلچسپی ہو گی وہ خود اس گلستاں کی سیر کرے گا۔

(شبلی نامہ)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر نفسیاتی حقیقت کے بیان کے لئے ایک خاص تسلسل اور ترتیب کی ضرورت ہے محض تنقیدی دلائل ہی کافی نہیں ہوتے ہم کسی شخص کے متعلق صاحب سیرت کے جذبات نفرت یا محبت کا محاکمہ اسی وقت کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس کے خطوط اور دوسرے وسائل سے ہم کو ان حالات اور واقعات سے کلی واقفیت نہ ہو جائے جن کی بنا پر پسند و ناپسند کا سوال پیدا ہوا۔ اور چونکہ مصنف نے ان طویل اقتباسات کے دینے سے انکار کر دیا ہے جن سے ان کے دعویٰ کی صداقت کا یقین ہوتا اور قاری کو تسکین ہو جاتی بلکہ وہ اس کی تسکین اور اطمینان کے لئے اس کو خطوط شبلی کے مطالعہ کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس لئے کتاب کا یہ پہلو کمزور اور ناقص کہا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

...کرم ...نے تذکرہ کے علاوہ شبلی کی نثر اور سوانحی تصانیف پر تنقید و تبصرے کو بھی جگہ دی ہے۔ اور ان کے اسلوب و طرز نگارش کو بھی ان کی نفسیات اور افتاد طبع کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے اسی طرح ان کے آخری ایام حیات کی مشکلات و مصائب پر بھی اسی زاویہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ اور دکھایا ہے کہ ان حالات اور واقعات میں اتفاقات کا جس قدر ہاتھ تھا اسی قدر خود شبلی کی افتاد مزاج کا بھی دخل ہے۔ ان کے زاویہ نظر سے شبلی ایک دلچسپ اور عبرتناک نفسیاتی موضوع ہیں۔

> "شبلی کی زندگی میں عبرت اور نصیحت کا بڑا سامان ہے ان کی سیرت میں دو ایک چیزیں کھٹکتی ہیں۔ لیکن اگر انھیں ایک کمزور صحت اور کمزور اعصاب والے انسان کی فروگزاشتیں سمجھ کر یا علم و ادب کے ایک صیقل آئینہ کا زنگار خیال کر کے نظر انداز کر دیں تو دیکھنے والے کو شبلی کی زندگی میں قابلیت، ایثار، بلند ہمتی، مسلسل جد و جہد، جفاکاری حب قومی، دیانت و عزم صفا، دولت کی بے قدری نفاست پسندی اور تنظیم اوقات کے بڑے کار آمد سبق ملتے ہیں۔"

(شبلی نامہ)

اکرام صاحب نے اپنی اس تصنیف میں مندرجہ بالا سطور کو جگہ دے کر اپنی سیرت نگاری کو ایک بڑے نقص اور اعتراض سے

Marfat.com

بچا لیا ہے ورنہ ان پہ یہ اعتراض عاید کرنے کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ

"راست نگاری اور حق گوئی کا یہ مطلب نہیں کہ آزادیِ رائے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے۔ اور موضوعِ سیرت کے متعلق تعصبات رکھ کر اس کی بعض کمزوریوں پر لعنت ملامت کی جائے یا اس کو غلط رنگ میں پیش کیا جائے۔ بہرحال "شبلی نامہ" اردو سوانح نگاری میں ایک نیا اور دلچسپ اقدام ہے۔"

شبلی نامے کے علاوہ اکرام صاحب نے غالب کے حالات زندگی بھی "غالب نامہ" کے نام سے تحریر کئے ہیں جس میں ان کا طریق کار وہی ہے جو غالب میں غلام رسول مہر صاحب کا ہے۔ غالب نامہ کے دیباچہ میں اکرام صاحب اپنا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ

"مرزا کا ایسا تذکرہ مرتب کرنا تھا جس میں واقعات سنہ وفور کی ترتیب سے درج ہوں۔"

(مقدمہ، غالب نامہ)

اگرچہ اس وقت غالب کے کئی تذکرے لکھے جا چکے تھے۔ لیکن اکرام صاحب نے ایک نئی راہ ڈھونڈھ نکالی۔ عام تذکرہ نگاروں نے زیادہ تر فارسی خطوط کو نظر انداز کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے فارسی خطوط سے مواد اخذ و مرتب کرنا شروع کیا۔ علاوہ تاریخی ترتیب کے اکرام صاحب نے ایک اہتمام یہ بھی کیا ہے کہ غالب کی زندگی کے تمام

Marfat.com

مراحل اور ذہنی نشوونما۔ ان کے کلام کے ارتقائی مدارج کو تاریخی اور سیاسی حالات کے پیش نظر پیش کیا ہے اس طرح غالب کی سوانح حیات کے ساتھ ہی ساتھ اس عہد اور انقلاب کی تاریخ بھی مرتب ہوتی جاتی ہے۔ جس نے بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح ان کے موضوع کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا ہے۔ انھوں نے غالب کی زندگی کے ہر پہلو پر بڑی صائب اور سنین کے لحاظ سے روشنی ڈالی ہے اور لطف یہ ہے کہ بے جا طوالت کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔

ان کے کلام پر تبصرہ بھی بالکل نئے انداز میں کیا ہے۔ اس سے پہلے کلام غالب پر اس ترتیب اور لحاظ سے تبصرہ نہیں کیا گیا تھا غالب کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے اور پھر دکھایا ہے کہ بدلتے ہوئے حالات تاریخی اور سیاسی وملکی انقلابات کس طرح ہمارے فنکار کے فن کو تدریجی متاثر کرتے رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی دکھایا ہے کہ اس کا اپنا مزاج عادات وخصائل کس طرح اس کے فن میں دخیل تھے۔ غرض یہ کہ یہ تبصرہ بھی اپنے طرز کا نیا تبصرہ ہے اور غالب نامہ مطالعہ غالب کے لئے بڑی اہم کتاب ہے۔

تحقیقی اور تاریخی نقطہ نظر رکھنے والے سوانح نگاروں میں ایک ممتاز اور نمایاں نام شیخ چاند مرحوم کا ہے۔ اگرچہ شیخ چاند کو باقاعدہ طور پر سوانح نگار کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ۔

Marfat.com

مصنف نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "سودا" سوانح نگاری کے نقطۂ نظر سے نہیں لکھی تھی بلکہ عثمانیہ یونیورسٹی میں داخل کرنے کے لئے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے مقالہ تیار کیا تھا۔ اور انھوں نے سودا پر ریسرچ کی تھی۔ یہ مقالہ ہر لحاظ سے مکمل اور اہم ہے۔ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ان کے اس مقالے کی جانچ کی تھی اور ان کی اس بارے میں رائے ہے کہ

"پورے مقالے کے مطالعہ کے بعد میری یہ پختہ رائے ہے کہ شیخ چاند صاحب مقالہ نگار نے فراہمی مواد مطالعہ بحث اور ترتیب و بیان مطالب میں پوری کاوش اور محنت کی ہے اور اس طرح پوری تیاری کے بعد مقالہ لکھا ہے۔"

اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ تمہید ی جس میں سودا کے تاریخی و معاشرتی ماحول سے بحث کی ہے جس کا اثر سودا کی شاعری پر پڑا اور یہ بھی دکھایا ہے کہ جس وقت سودا نے شاعری کا آغاز کیا ہے تو اردو شاعری کی کیا حالت تھی۔

دوسرے حصہ میں سوانح حیات کلام و تصانیف پر تحقیق بحث ہے تیسرا حصہ تنقیدی ہے اس میں سودا کی شاعری سے بحث کی گئی ہے اور یہ کہ ان کا اردو شعراء میں کیا درجہ اور مقام ہے۔ چوتھے اور آخری حصے میں اس امر پر بحث ہے کہ سودا نے زبان

Marfat.com

کے بنانے میں کیا کام کیا اور ان کا ہمارے ادب میں کیا مقام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت کم کتابیں اس تحقیق و تلاش اور محنت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے مواد اور معلومات کا ماخذ زیادہ تر تین چیزوں کو بنایا (۱) معاصرین کے تذکرے (۲) خود مرزا سودا کے کلام کو (۳) وہ ہجویات جو سودا کی شان میں میر صاحب اور دوسرے شعراء نے لکھیں اور اس کے علاوہ انھوں نے قیاس اور قرائن سے بھی نتائج نکالے ہیں مثلاً سودا کے بچپن کا حال معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن انھوں نے قیاس سے بہت کچھ کام چلا لیا۔

"کابلی دروازے کے علاقہ میں گھر تھا۔ جہاں سودا کا بچپن گزرا اس گھر کا ایک بڑا پھاٹک تھا۔ جس میں آگے چل کر سودا کی نشست رہنے لگی تھی۔ وہ دروازہ تباہی دہلی میں تباہ ہوا۔ اس کے بچپن کے حالات ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ بچپن میں کسی قدر تیز اور شوخ ہوگا۔" (صفحہ ۳۶ سودا)

ان کا فوج میں ملازمت کرنا اور پھر جلد ہی اس سے سبکدوش ہو جانے کا حال بھی ان کے ایک قصیدے کے اشعار سے ہی لیا ہے لکھتے ہیں۔

Marfat.com

"خود سودا نے اس قصیدے میں جو حضرت علی کی
منقبت میں لکھا ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔"
(صفحہ ۷۳ سودا)

ساتھ ہی وہ اشعار بھی درج کئے ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری
کے آغاز کی صحیح تاریخ کے تعین کے لئے جہاں انھوں نے مختلف
تذکروں اور مولانا محمد حسین آزاد کے بیانات کی روشنی میں صحیح
تاریخ کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے وہاں خود ان کے کلام
کی شہادت سے بھی کام لیا ہے۔

"لیکن سودا کے ایک داخلی بیان سے ثابت ہے کہ وہ
فارسی میں طبع آزمائی کو تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ اس کا
ایک قطعہ ہے جس میں فاخر مکین پر طنز کرتے ہوئے ایک
فارسی داں کا قول بیان کیا ہے"
(صفحہ ۸۰ سودا)

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر آچکا ہے کہ شیخ چاند مرحوم نے
ان ہجویات سے جو سودا کی شان میں کہی گئیں نفیس واقعات کا
کھوج لگایا ہے چنانچہ وہ سودا کی کتوں سے دلچسپی اور ان کو پالنے
کا شوق بیان کرتے ہوئے میر صاحب کی ہجو کا حوالہ دیتے ہیں اور
اسی طرح اس کا ہجو کا بھی حوالہ دیا ہے جو خود سودا نے لکھی تھی۔

"سودا کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا ابریشمی بال والے

Marfat.com

کتے پالتا تھا۔ فدوی لاہوری کی ہجو میں جو ترجیع بند لکھا ہے اس میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(صفحہ ۲۰ سودا)

اس کے علاوہ ان کے کتے پالنے کا شوق اور کتوں کے متعلق تفصیلات کا پتہ انھوں نے اس ہجو سے لگایا ہے جو میر صاحب نے خود سودا کی شان میں لکھی تھی۔

" میر صاحب کی لکھی ہوئی ہجو سے پتہ چلتا ہے کہ سودا کو کتوں سے بڑی الفت تھی اچھے بال والے کتے پالتا تھا۔ اور ان کو پیار محبت سے رکھتا تھا وغیرہ وغیرہ "

ساتھ ہی وہ اشعار بھی درج کر دیے ہیں جن میں کتوں کے متعلق تفصیل ملتی ہے

پہلے حصہ میں انھوں نے اس سیاسی اور سماجی ماحول اور کیفیت کا مفصل اور مشرح جائزہ لیا ہے جس میں سودا کی شخصیت اور فن کی تشکیل ہوئی۔ پھر تنقیدی حصے میں اس سیاسی اور سماجی پس منظر پر روشنی ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ سودا کا فن اس وقت کے سیاسی اور سماجی تقاضوں کی کس طرح ترجمانی کرتا ہے۔ ان کی ہجویات اور شہر آشوب پر تنقید کرتے ہوئے سودا کے مزاج پر اس وقت کے انتشار بدامنی اور ابتری کا ردعمل کیا ہوا۔ اس کا تجزیہ بڑی اچھی طرح کیا ہے اور جا بجا اشعار کے حوالوں سے اس

Marfat.com

وقت کے حالات کو پیش کیا ہے۔ یہ تصنیف ادبی سوانحی اور تنقیدی تقاضوں کو بڑے خلوص متانت اور فنی پختگی کے ساتھ پورا کرتی ہے۔ مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی نے اس کتاب کا قطعہ تصنیف کہا ہے اور اس میں ان کی تصنیف کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ بڑی جامع اور مکمل ہے۔

تحریر منشیانہ تو تقریر منطقی

طرزِ مورخانہ سراسر بیان میں

آزاد شبلی حالی و شروانی کے سب تیر

مارے ہدف پہ رکھ کے ہلالی کمان میں

سودا کی شخصیت حالات اور فن کے بارے میں اس سے بہتر کتاب تصنیف میں نہیں ہو سکتی شیخ چاند نے انتہائی تحقیق و تلاش سنجیدگی اور سوجھ بوجھ کے بعد ہمیں ایک ایسے شخص سے متعارف کرایا ہے جس کے کلام کے علاوہ اس کے زندگی کے بیشتر حالات تاریکی اور لاعلمی میں تھے۔

جدید لکھنے والوں نے ایک بالکل نئے طرز کی سوانح یا زیادہ مناسب الفاظ میں سیرت نگاری میں ذاتی تاثرات کی آمیزش سے مختلف شخصیتوں کو پیش کرنا شروع کیا ہے جن میں اکثر خارجی جزئیات کی ترتیب پر زور دیتے ہیں۔ واقعات زندگی کم اور ذہنی زندگی زیادہ صراحت سے بیان کرتے ہیں ان میں مولوی عبدالحق

Marfat.com

... کے نام نمایاں نظر آتے ہیں

چند ہم عصر یا ... اردو کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گذشتہ پچاس سال میں اپنے ہمعصروں کے متعلق وقتاً فوقتاً لکھے تھے اور ان کو ان کے ہونہار اور لائق شاگرد شیخ چاند مرحوم نے یکجا کر دیا تھا

ان مضامین میں بعض ایسے بھی ہیں جو کسی ہمعصر کی وفات پر لکھے گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو کسی ماتمی جلسے کی تقریر کے لئے لکھے گئے تھے۔ مثلاً سید محمود ایسے ہی موقع پر لکھا گیا تھا۔

سر سید احمد خاں پر جو مضمون لکھا ہے وہ دلچسپ اور پر از معلومات ہونے کے علاوہ انکی سیرت کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جو اس سے پہلے اور کہیں نظر نہیں آتے۔ مثلاً انھوں نے یونیفارم کے مسئلہ سے مسٹر تھیوڈر بیک کا اختلاف اور رنگ برنگی لباس اور پگڑیوں کے رائج کرنے کی کوشش کے خلاف جو اقدام کیا جو دلیرانہ اور بے لاگ تقریر کی تھی اس کا اپنے مضمون میں ذکر کر کے سید پر سے انگریز پرستی کا غیر منصفانہ اور بے جا الزام دور کر دیا۔ اگرچہ مولوی صاحب نے کسی طرح ارادۃً یہ الزام دور کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ لیکن اس واقعہ کا ذکر اور اس تقریر کو درج کر دینے ہی سے سر سید کی شخصیت اور سیرت کا ایک بالکل نیا پہلو سامنے آگیا۔ اور یہ عظیم انسان نئے نقطہ نظر سے نظر آنے لگا سرکار پرستی اور انگریزوں کی خوشامد کے الزامات کا جو عموماً سر سید کے خلاف خصوصیت سے نمایاں کیا گیا تھا اور جس کے باعث سر سید کے پرجوش

Marfat.com

حامیوں کو بھی اکثر سر جھکا لینا پڑتا تھا۔ محض اس معمولی سے واقعہ کو بڑی
سادگی سے بیان کر دینے سے ریت کی بے بنیاد عمارت کی طرح ڈھے گیا
بعض مرثیے مولوی صاحب نے بڑی نفاست سے کھینچے ہیں جو دلکش
بھی ہیں۔ مثلاً سر سید راس مسعود کی بڑی اچھی تصویر پیش کی ہے۔ انداز تحریر
سے بوئے محبت آتی ہے۔ اور ان الفاظ میں اپنے بہت پیار سے عزیزوں
ہی کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ مسعود مولوی عبدالحق صاحب کے آگے کے بچے
تھے۔ یہاں تک کہ ان کو مسعود کی تقریب بسم اللہ بھی یاد ہے اور سر سید کا
ان کو اپنی بھاری اور گنجیلی آواز میں لوریاں دینا بھی یاد ہے۔ لیکن اس
بہت چھوٹے بچے کی شخصیت اور وجاہت کو انھوں نے بڑے دلکش
پیرائے میں پیش کیا ہے۔ مسعود کی شخصیت کے دل سے قائل ہیں۔ ان کی
ہر بات ان کو بھلی معلوم ہوتی ہے وہ ان کی کمزوریوں کا ذکر بھی محبت
بھرے لہجے میں کرتے ہیں۔

"مسعود میں مقابلے کی قوت مطلق نہ تھی وہ بڑے ذکی
الحس تھے اور ذرا سی مخالفت میں پریشان ہو جاتے تھے
خاص کر یہ کسی دوست کی طرف سے مخالفت ہوتی تھی تو
انھیں بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ اس میں وہ بہت مبالغہ کرتے
تھے اکثر عقل پر جذبات غالب آجاتے تھے (چند ہمعصر ۱۶۳)

نام دیو مالی اور میرن صاحب یہ دونوں مضمون اس امر کے
شاہد ہیں کہ ایک شخصیت یا سیرت نگار کو ہر انسان میں کچھ ایسی خصوصیت

Marfat.com

[illegible] وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چونکہ اس شخصیت نگاری کی بنا مصنف کے اپنے تاثرات پر ہوتی ہے اور یہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ در اصل شخص کیا تھا۔ اور دوسرے اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اس میں مصنف اپنا زاویہ نظر پیش کرتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ وہ شخص مصنف کی نظر میں کیا مقام رکھتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد علی مرحوم جن کے بارے میں رشید احمد صدیقی صاحب کے تاثرات یہ ہیں۔

"محمد علی کے باب میں بعض کہتے ہیں کہ وہ بڑے تھے لیکن ان کا کوئی کارنامہ نہیں یہ تنگ نظروں کا فیصلہ ہے مرد غازی کے کارنامے کا اندازہ مفتوحات کی وسعت مال غنیمت کی فراوانی جشن و جلوس کی ہماہمی و طرب انگیزی نغمہ اور سلاسل کی چمک اور جھنکار سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی تلوار بکھری ہوئی زرہ بہتے ہوئے لہو دکھتی ہوئی روح اور دمکتے ہوئے چہرے اور ڈوبتے ہوئے سورج سے" (گنجہائے گراں مایہ صفحہ ۸)

مولوی عبد الحق کی چند ہم عصر میں ایک دوسرے ہی روپ میں نظر آتے ہیں ان کی نظر میں محمد علی ان خصوصیات اور اوصاف سے عاری ہیں جو کسی شخص کو بڑا آدمی بناتے ہیں۔

گنجہائے گراں مایہ بھی اسی قسم کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں ان تاثرات اور جذبات کا اظہار

Marfat.com

کیا گیا ہے جہاں شخصیتوں کے بارے میں مصنف اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔

یہ مضامین ان رفتگان کی یاد میں ہیں جو رشید صاحب سے کسی نہ کسی طرح ذہنی اور جذباتی طور پر متعلق رہے تھے اور رشید صاحب نے سالہا سال ان کی پر لطف و بے تکلف صحبتوں میں گزارے ہیں اور ان کے نیک و بد سے بھی واقف رہے ہیں ان میں سے بعض کے ساتھ ان کے تعلقات اس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ ان کی تکلیف یا رنج رشید صاحب کے لئے ناقابل دید اور ان کی برداشت سے باہر ہوتا تھا۔ اور ان کو اپنے ان اشخاص کی کمزوریوں سے بھی الفت تھی۔

گنجہائے گراں مایہ میں سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس کے اشخاص نے کیا کارنامے کئے یا کون سی علمی یا ادبی خدمات انجام دیں۔ اور یہ بھی پتہ نہیں چلایا جا سکتا کہ رشید صاحب کے موضوعات کہاں پیدا ہوئے اور کب پیدا ہوئے۔ ان کے باپ دادا کون تھے ان کی تعلیم و تربیت کیسی ہوئی اور کہاں تک انھوں نے یہ جاننے اور بتانے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے۔ بلکہ انھوں نے تو جس طرح ان کو دیکھا اور پایا وہی تاثرات پیش کر دیئے۔ ان کو بس اتنا سروکار ہے کہ یہ افراد جب خود ان کی زندگی میں داخل ہوئے تو وہ ان کو کیسے لگے یہ بالکل عام انسان تھے جو ہنستے بولتے چلے پھرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ سرد رہی ہوتے تھے اور دلگیر بھی ہو جاتے تھے۔ لیکن مصنف کو ان کی اپنی روزمرہ کی معمولی اداؤں میں بڑی خصوصیت

Marfat.com

[illegible] اندازان کو انھوں نے اسی انداز سے پیش کر دیا ان مختصر اور چھوٹے چھوٹے مضامین سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کے ساتھ مصنف کے کیسے تعلقات تھے اور کون ان کو کس درجہ عزیز تھا۔ مصنف نے اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ اس کے اشخاص کی کون سی بات قاری کو پسند یا ناپسند ہوگی ان کے متعلق جو کچھ جانتے تھے بے کم و کاست لکھ دیا ہے۔ وہ ان کے عیب تھے یا محاسن بہر حال وہ مصنف کو عزیز تھے مصنف کا قاری سے یہ مطالبہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کے تاثرات اور خیالات سے متاثر ہو یا اتفاق کرے بلکہ وہ تو محض صفحۂ قرطاس پر ان نقوش کو ثبت کر دینا چاہتا ہے۔ جو اس کی اپنی نظر میں دلکش تھے۔ وہ ان کی یاد کو ابدیت عطا کرنا چاہتا ہے جو زندگی میں ان کو عزیز تھے اور جدا ہو کر عزیز تر ہو گئے۔ وہ اگر مولانا سلیمان اشرف کی یہ عادت بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر کس و ناکس کو علمی گفتگو کا مستحق نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو بری طرح ٹوک کر خاموش کر دیتے تھے تو ان کو اس سے سروکار نہیں کہ پڑھنے والے کی نظر میں ان کے پیر و کی یہ ادا مستحسن ہوگی یا نہیں ان کو تو بس یہ ادا قابل قدر معلوم ہوئی اور انھوں نے ذکر کر دیا۔ اب یہ ان کے قلم کا جادو ہے کہ پڑھنے والا انہی کے جذبات کی رو میں بہنے لگتا ہے۔ وہ مسکراتے ہیں یا کسی واقعہ سے لطف لیتے ہیں تو قاری بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور مسکرا پڑتا ہے اور جب وہ دلگیر اور محزون ہوتے ہیں تو قاری کا دل بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں گلا رندھ

Marfat.com

جاتا ہے اور جب رشید صاحب کہتے ہیں۔

"یہیں سے وہ آج ہر شوق سے رخصت ہو رہے تھے
وہ شخص جو دوسروں کے لئے سہارا تھا آج ہر سہارے
سے بے نیاز ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں جن میں زندگی خلوص
اور سرداری کی چمک تھی بے نور ہونے لگی تھیں جس
چشمہ سے میں اور کتنے تقویت اور بشاشت حاصل
کرتے تھے وہ خشک ہو رہا تھا ہمیشہ کے لئے خشک ہی
بیٹھا رہا مرحوم کی حالت دیکھ کر طبیعت بے اختیار ہونے
لگی جی چاہتا کاش مولانا ایک لخت تندرست ہو کر بیٹھ
جاتے اور کتنے خوب آتے بیٹھو گپ ہو گی۔ کہ واپس
بڑا ہو گیا ناچے گا نہیں۔ ہاں کہا وہ ایک مجھے بھی دنیا میں
وہ حالت تھی جب آدمی دعا نہیں مانگتا وہ سمجھتا ہے دعا
مانگنا عبث ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہر چیز دگرگوں
ہو جائے۔" (گنجہائے گرانمایہ صفحہ ۵)

تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تمام دلی جذبات نگاری کے دل
میں سما گئے تھے۔ رشید صاحب کے اختصاص کا اور ہمارا ساتھ مید
مفتوں کا ہوتا ہے وہ بھی رشید صاحب کی وساطت اور اجازت سے لیکن
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ برسوں رہے ہیں اور ان کی کمی ہمیں
بڑی طرح محسوس ہوتی ہے۔ مولانا سلیمان اشرف ہوں یا اصغر ایوب

Marfat.com

[illegible] کی موت اور جدائی ہمیں شاق گذرتی ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا اور انکا برسوں کا ساتھ چھوٹ گیا وہی ویرانی
وہی خلا اور تنہائی محسوس ہوتی ہے جو کسی ہمدم دیرینہ کی صورت پر ہم محسوس کرتے
ہیں۔ ان کے اشخاص مولوی ہوں یا شاعر پروفیسر ہوں یا ڈاکٹر ان میں بڑی دلکشی
ہے۔ اور وہ مولوی پروفیسر ڈاکٹر یا شاعر نہیں نظر آتے بلکہ انسان بھولا بھالا معصوم
لیکن عظیم و دلکش انسان نظر آتے ہیں بہت سی باتیں وہ خود نہیں کہتے لیکن قاری
سے اپنے دل کی بات منوا لیتے ہیں مثلاً مولانا ابوبکر کے متعلق انھوں نے نہیں کہا
کہ وہ مکمل انسان تھے مرد مومن تھے چٹان کی طرح خاموش و مستحکم تھے لیکن تمہارے
گراں مایہ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے جذبات نگار
بھی ہیں۔ وہ ہنسانا تو جانتے ہی ہیں لیکن رلانے میں بھی کمال رکھتے ہیں۔
اس سلسلہ میں شوکت تھانوی کی "شیش محل" کا ذکر بھی ضروری
معلوم ہوتا ہے یہ ادبی شخصیتوں کے مزاحیہ مرقعے ہیں۔ شوکت تھانوی مزاح
نگار ہیں اور انھوں نے ان ادبی اور ثقہ ہستیوں کی شخصیتوں کو جنھیں
ہم نامور ادیبوں اور شاعروں کی حیثیت سے جانتے ہیں مزاحیہ انداز
میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہم ان بڑے اور نامور
ادیبوں کی زندگیوں کے بعض ایسے دلچسپ پہلوؤں سے واقف ہو
جاتے ہیں جو ان کی شخصیت کا ایک ضروری جزو ہوتی ہیں اور ہم
ان کو پڑھ کر مسکرا اٹھتے ہیں۔ شوکت تھانوی نے اپنی کتاب
"ان حضرات کے نام جو اپنا تذکرہ پڑھ کر خفا نہ ہو جائیں۔"

Marfat.com

معنوں کی ہے۔ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے مصنف کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی صورت میں مل چکے ہیں۔ اس کے متعلق انھوں نے خود لکھا ہے

"یہ تذکرہ کسی مورخ کے کام آنے والی چیز نہیں ہے اس لئے
کہ ادبی حالات سے نجی حالات پیش کئے گئے ہیں اور وہ بھی ایسے
کہ انکے غلط ہونے کا احتمال صحیح ہونے سے کہیں زیادہ ہے۔"
(شیش محل صفحہ ۹)

اس میں بھی انہیں تاثرات کا ذکر ہے۔ جو مصنف کے دل میں ان شخصیتوں کے لئے پیدا ہوئے۔ انھوں نے اسکی صداقت اور مسلم ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔

"میں نے اپنے نزدیک اپنی ایماندارانہ رائے کا اظہار کیا ہے
مگر مجھے خود نہیں معلوم کہ میرا ایمان کس حد تک ایماندار ہے"
(شیش محل صفحہ ۹)

شوکت صاحب چند مختصر جملوں یا لفظوں میں ہی موضوع کی کسی خصوصیت کا اندازہ بڑے دلچسپ طریقے سے کروا دیتے ہیں۔ مثلاً مولوی عبدالحق صاحب کا حال لکھنے سے پہلے ان کا نام یوں لکھا ہے۔

"مولانا انجمن ترقی اردو ڈاکٹر عبدالحق" (صفحہ ۱۷۷)

یا ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"مولانا اردو کے بہت بڑے تنقید نگار اور کتابوں کے سب سے بڑے مقدمہ باز ہیں۔" (صفحہ ۱۷۸)

Marfat.com

[illegible] کے متعلق ان کی رائے بہت جامع ہوتی ہے کہ ان کا پورا کردار سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً رشید جہاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ان اعتقادات نے ان کو ایثار نفس کشی اور بہادری کے کچھ ایسے راز سمجھا دیئے ہیں کہ ہندوستان کی یہ خاتون روس کی سرخ فوج میں مردوں کے دوش بدوش اکڑ کر کھڑی ہو سکتی ہے اور کیا مجال کہ کوئی دیکھ کر یہ پہچان بھی لے کر اس صف میں بہادر سپاہیوں کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔" (صفحہ ۱۲۷)

شیش محل میں شوکت صاحب نے اگرچہ بہت اختصار سے شعرا اور ادبا کے کردار پیش کئے ہیں۔ لیکن یہ نقوش اصلی خدوخال سے بہت قریب ہیں۔

قاضی محمد عبدالغفار نے ایک اور نئے انداز کی سوانح عمری پیش کی ہے یعنی یہ کہ ادیبوں کی تحریروں سے ان کا شخصی اور نفسیاتی تجزیہ پیش کرنا۔ آثار جمال الدین افغانی اور آثار ابوالکلام ایسے ہی نفسیاتی تجزیے اور مطالعے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ سوانح عمری اور نفسیاتی تجزیے کی بنا پر لکھی گئی ہے جو قاضی صاحب نے ان کی تحریروں یعنی۔ لسان الصدق۔ الہلال تذکرہ غبار خاطر اور دوسری سیاسی اور ادبی تحریروں سے اخذ کیا ہے قاضی عبدالغفار صاحب عام طرز کی سوانح عمریوں کے برعکس صاحب تذکرہ حسب و نسب اور پھر تعلیم و تربیت کے تدریجی بیان کے قائل نہیں ہیں اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"میں خود تو ایسی سوانح نگاری کا قائل ہی نہیں جس کا احساس

Marfat.com

اسان زندگی صرف ایسے واقعات ہوں کہ کب پیدا ہوئے کس
کے بیٹے تھے کہاں تعلیم پائی۔ کیا کیا کام کئے۔ (صفحہ ۱۱ آثار ابوالکلام)
غرض کہ انھوں نے اس مقررہ سانچے سے علیحدہ اپنی راہ نکالی ہے
اور ایک ایسا سانچہ تیار کیا جس میں انھوں نے حادث زندگی اور علائق
حیات کے پس منظر میں ایک بڑے انسان کے ذہنی اور معنوی نفسیاتی وجود
کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس میں ان کو خاطر
خواہ کامیابی نہیں ہوئی البتہ
"ہندوستانی زبان میں سوانح نگاری کے ایک اسلوب کا
آغاز ضرور ہوتا ہے گو کہ وہ کتنا ہی ناقص اور نامکمل سمجھا جائے"
(صفحہ ۱۲ آثار ابوالکلام)
کتاب کے دو حصے ہیں۔ نقش اول اور نقش ثانی۔ نقش اول مولانا کی
علمی اور سیاسی مشغولیتوں اور رجحانات کو ان کی تحریر اور تقریر کی روشنی
میں پیش کرتا ہے۔ نقش ثانی مولانا کی فطرت مزاج اور شخصیت کی آئینہ
دار ہے۔ اس حصہ میں مصنف نے مولانا کی شخصیت کے ان پہلوؤں کا بخوبی
اندازہ لگایا ہے اور بخوبی ظاہر کر دیا ہے کہ یہ سنجیدہ اور خاموش طبع عالم و
فاضل قید و بند کی سختیاں جھیلنے والا سیاسی رہنما ادیب و شاعر۔ بڑی لطیف
حسیات اور ذوق کا مالک ہے اس کے پاس ایک فنکار کا ذہن و دماغ ہے
"اگر وہ اتنے بڑے انشاء پرداز اور ادیب نہ ہوتے تو بہت
بڑے مصور یا مغنی ہوتے یا شاعر ہوتے" (صفحہ ۱۶ آثار ابوالکلام)

Marfat.com

[illegible] لکھتے ہیں:

[illegible] مطلبیاں ہیں۔ اور انسان کے تمام کمالات اور اکثر کمزوریوں کو ساتھ لائے ہیں ان کی بے پناہ انفرادیت میں ان کی انسانی کمزوریاں بھی ان کا کمال بن گئی ہیں۔ (صفحہ ۱۶۸ آثار ابوالکلام)

مولانا ابوالکلام کی سیاسی معروفیتوں۔ قید و بند اور آزادی کی دھن کے ہنگاموں میں ان کی علمی و ادبی دلچسپیاں تقریباً ختم ہو گئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

"ادب کا وہ صاحب کمال آرٹسٹ اپنی سیاسی قیادت کی شہرت اور ناموری میں گم ہو گیا۔" (صفحہ ۲، آثار ابوالکلام)

لیکن غبار خاطر کی اشاعت نے اس خیال کو غلط ثابت کیا اور اس کے مطالعہ کے بعد یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ

جس ساز کے تاروں کو میں نے سمجھا تھا کہ ٹوٹ گئے ہوں گے ان کی آہنگ کو تو میں نے کچھ اور زیادہ دل نواز پایا ان کے اندر زندگی اس طرح بولتی ہوئی پائی اور وجدان لطیف اسی طرح کارفرما پایا جس طرح کہ ۲۵ سال پہلے وہ قلم کو نغمہ اور کاغذ کو رنگ عطا کرتا تھا۔

(صفحہ ۲، آثار ابوالکلام)

غرض یہ کہ قاضی محمد عبدالغفار صاحب نے اس مختصر سے نفسیاتی مطالعہ میں اور غبار خاطر کی سطور میں مولانا کی فطرت کے چند پہلوؤں

Marfat.com

کو جھانکتا ہوا دیکھا ہے۔ چڑے چڑیا سے ان کی دلچسپی ڈاکٹر محمود صاحب کی چیونٹیوں اور چڑیوں کی دعوت کرنا اور پھر کوؤں کی نفسیات کا مطالعہ۔ یا پھر اپنی بیوی کی وفات پر بیمانہ صبر کا لبریز ہو جانا اور مولانا کا بڑی کوشش اور کاوش سے اس کو چھلکنے سے باز رکھنا۔ غرض ان تحریروں سے انھوں نے مولانا کی نفسیات کا دلچسپ مطالعہ کیا ہے۔ اگرچہ اس کو مکمل اور اعلیٰ پیمانہ کا نفسیاتی مطالعہ نہیں کہا جا سکتا۔ نقش اول تو ان سیاسی حالات اور واقعات پر مشتمل ہے جن سے قاضی صاحب کے ہیرو کا مخالف یا موافق کی حیثیت سے واسطہ کسی نہ کسی طور پر رہا ہے۔ چنانچہ یہ تقریباً نصف صدی کے ان سیاسی حالات اور واقعات کی مختصر سی تاریخ ہے جو ہندوستان میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے ہے۔ نقش ثانی میں مصنف نے ہیرو کے شخصی اور نجی پہلوؤں کو نفسیاتی طور پر پیش کرنے کا وعدہ فرمایا تھا مگر وہ اس کو خاطر خواہ طور پر پورا نہ کر سکے انھوں نے مولانا آزاد کی فطرت انہی چار پہلوؤں کو غبار خاطر یا تذکرے یا ان کے خطبات کی روشنی میں نمایاں کیا ہے جن سے ایک عام ذہن رکھنے والا قاری بھی انہی تحریروں کی روشنی میں بخوبی واقف ہو جاتا ہے مثلاً مولانا کی خلوت پسندی رکھ رکھاؤ انانیت۔ علم و فضل کا احساس اور ذوق جمال اور یہ وہ پہلو ہیں جو محض غبار خاطر ہی کے مطالعہ سے ہم پر آشکار ہو جاتے ہیں۔

قاضی صاحب نے اپنی سوانح نگاری کے لئے مقررہ اور معینہ

Marfat.com

[illegible] کیا تھا۔ مگر بعض اسباب
[illegible] کی اس سوانح عمری کا ظرف بہت چھوٹا نظر آتا ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موضوع سے محبت اور عقیدت کی شدت
کی بنا پر ان کو اپنا نقطۂ نظر زیادہ اہم نظر آتا ہے اور اس تصویر کی تزئین
و آرائش کے وقت خود اپنی پسند کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ اس امر کا احساس
اس مقام پر خصوصیت سے ہوتا ہے جب وہ غبار خاطر کا حوالہ دے کر
"چڑے چڑیا کی کہانی" کے متعلق اظہار خیال کرتے کرتے وہ علامہ
اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد کا موازنہ کرنے لگتے ہیں۔

"اقبال نے بھی فلسفۂ خودی ایک رمز ہستی کی حیثیت سے
پیش کیا ہے مگر مولانا اور اقبال کے درمیان فکر و نظر کا
ایک فرق بیّن ہے۔ اقبال رمز خودی کا فلسفہ صرف مسلمان
کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اسی کو اپنا مخاطب بناتے ہیں اور
اسی کو زندگی کا پیغام دیتے ہیں۔ مگر مولانا کا فلسفۂ حیات
اقبال سے زیادہ وسیع زیادہ ہمہ گیر ہے۔"

(آثار ابوالکلام صفحہ ۲۵)

قاضی صاحب نے اقبال کے پیام کے مخاطب کے لئے لفظ
مسلمانوں کے بجائے محض "مسلمان" اور انھیں کے بجائے اسی
کا لفظ استعمال کر کے ایک زبردست نفسیاتی حربے سے کام لیا
ہے۔ اور لیوں اقبال کے پیام کی تنگی اور محدودیت کی شدت کا احساس

Marfat.com

دلاکر فاری کو اپنا ہم نوا بنانا چاہا ہے۔ مگر انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کی اور کھلم کھلا ان کو فرقہ پرست اور تنگ نظر بنا دیا ہے۔

"مگر اب جبکہ ۱/۲ ۳ کروڑ مسلمان خود اپنے ہی لیڈروں کی خود غرضی کا شکار ہو گئے تو یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اقبال کے پیام کی روح انسانیت کی وسیع تر پھیلاؤ میں پھیل سکی اور اسی لئے اقبال کا پیام فرقہ پرستوں کے لئے فرقہ پرستی کا ایک فتنہ انگیز کھلونا بن گیا۔"

(آثار ابوالکلام صفحہ ۲۵۳)

ممکن ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا صحیح ہو کہ -

"خود شناسی اور خودی کا وہ فطری عمل جس کو مولانا نے ایک چڑیا کے بچے کے پروں میں کارفرما دیکھا۔ انسان کے پیکر میں اور کبھی زیادہ نسل اور فرقہ اور مذہب کی تنگ نظری سے آزاد ہے۔"

(صفحہ ۲۵۳)

لیکن خود قاضی صاحب نے علامہ اقبال کے بارے میں اس قسم کی خیال آرائی کر کے اپنے فن کو صدمہ پہنچایا ہے یہ بھول گئے کہ وہ کوئی سیاسی مبصر یا پراگندہ کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے سوانح نگار جو اپنے موضوع کو نفسیاتی اعتبار سے دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہو۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے ایک ایسے شاعر کے

Marfat.com

[illegible] اور صدویت کا ہی نہیں بلکہ فرقہ پرستی اور فتنہ انگیزی کا [illegible] ہے جن کو صرف ۱۴ کروڑ گم کردہ راہ مسلمان ہی نہیں تمام مشرق خصوصاً عالم اسلام (جو اتفاق سے انسانیت کے ایک بڑے حصہ پر مشتمل ہے) اور مغرب کے اہل نظر "شکوہ کرنے والے" شاعر کی حیثیت سے نہیں جانتے بلکہ اس شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں جو خدا کے مقابل انسان کی طرف سے وکالت اور جرح کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے۔

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم　　من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

اور اس طرح ان کی سوانح نگاری کا یہ طرف افسوسناک نظر آنے لگتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ خود ان کا صاحب نظر اور نکتہ سنج ہیرو بھی اپنے سوانح نگار کے اس محاکمہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا ہو جس نے ان کو اقبال سے برتر و بہتر ثابت کیا ہے۔

آخر میں سیدھے سادھے الفاظ میں بیان کی ہوئی ایک سیدھی سادھی معصوم اور مخلص شفیق اور حلیم زندگی کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس نے اپنی زندگی میں اہم اور زبردست کام بھی ایسی خاموشی اور آہستگی سے انجام دیئے گویا بڑی ہی معمولی بات ہو۔ مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری لکھا یا اردو سوانح نگاری کی بنا ڈالی اپنی غزل گوئی کو یکسر قومی شاعری سے مبدل کر دیا یا مسدس لکھی چپ کی داد لکھی یا مناجات بیوہ ان سب کی اہمیت سے وہ بھی واقف تھے اور دوسرے بھی واقف ہیں۔ لیکن ان کے

Marfat.com

طریق کار میں ایک خاص دھیما پن آہستگی اور نرمی ہوتی تھی
چنانچہ یادگار حالی بھی اسی طرز سے لکھی جانا چاہئے تھی۔ حالی نے بڑے
بڑے کام انجام دیئے اور نیچی نگاہوں سے قوم کے حضور پیش کر دیئے
ایسے شخص کی سوانح عمری میں زور شور یا بلند بانگ دعوی کرنا نا
انصافی تھی۔

یادگار حالی کے متعلق اکثر و بیشتر لکھا جاتا ہے لیکن ابھی تک ان
کے حالات اس انداز سے سامنے نہ آئے تھے کہ ان کی شخصیت کے تمام
پہلو جھلکتے نظر آئیں۔ اہل قلم اس ضرورت کو عرصہ سے نظر انداز کرتے چلے
آرہے تھے چنانچہ اس فرض کو اس قلم نے پورا کیا جس کے طبقہ سے
حالی کو خاص انسیت اور ہمدردی تھی۔ صالحہ عابد حسین نے ماؤں بہنوں
اور بیٹیوں کے محسن کے سوانح اور حالات لکھ کر ان کے سر سے ایک بڑی
ذمہ داری ہٹادی اور ان کے احسانات کا بدلہ تو کیا چکایا البتہ اس
طبقہ کی طرف سے ایک ہدیہ عقیدت پیش کر دیا۔

اگرچہ صالحہ عابد حسین مولانا حالی سے خاندانی قرابت رکھتی
ہے لیکن انھوں نے یادگار حالی کو اس نظریہ سے نہیں لکھا ہے۔
بلکہ ان کی ادبی خدمات کی بنا پر یہ تذکرہ لکھا ہے۔

"میری عقیدت ان کے ساتھ خاندانی رشتہ کی بنا پر نہیں
بلکہ اس عظیم الشان خدمت کی وجہ سے ہے جو انھوں
نے اردو ادب شاعری اور اردو زبان کی انجام دی ہے"

Marfat.com

(صفحہ ۸ دیباچہ یادگار حالی)

اس کے علاوہ حالی کی سیرت نے بھی ان کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے وہ لکھتی ہیں۔

"دوسرا سبب میری عقیدت کا حالی کی لاثانی سیرت ہے حالی انسان کی حیثیت سے ایک ولی صفت شخص تھے اور اس بارے میں مجھے اپنے بزرگوں اور مولانا کے دوستوں اور نیازمندوں وغیرہ سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان کی بنا پر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کی ان کی ذات میں انہی قدروں کا جلوہ نظر آتا ہے جن پر انسانی فضیلت کا انحصار ہے۔" (یادگار حالی صفحہ ۸)

یادگار حالی میں ایک خاص نرمی اور لطافت کے ساتھ محبت کا ایک سچا اور بے لوث جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس کے ضمنی حصے ہیں (۱) نشوونما (۲) آب و رنگ (۳) برگ و بار نشوونما میں پیدائش سے لے کر شادی اور شاعری کے آغاز تک کا ذکر ہے۔ آب و رنگ میں جوانی کے حالات اور اس میں وقتاً فوقتاً رد و بدل کو پیش کیا ہے برگ و بار سے مولانا حالی کو بحیثیت شاعر و نثر نگار پیش کیا ہے ان کے کاموں پر تنقید کی ہے۔

برگ و بار اس کتاب کا دلکش ترین حصہ ہے اس میں مولانا حالی کی سیرت اور کردار سے واقفیت ہوتی ہے وہ اپنے گھر میں اپنے خاندان

Marfat.com

اور یہاں بچوں میں ہنستے بولتے اور چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں کبھی وہ اپنے معصوم نواسے سجاد حسین کی ہر آواز پر نیچے اترتے اور اس کو جواب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی عید کی رات کو لڑکیوں کی ہنسی میں شریک ہوتے ہوئے ملتے ہیں کبھی اپنے متعلقین ہمسایوں اور ملازمین کے ہر معاملہ میں دلچسپی لیتے ہوتے ہیں۔ غرض سفر یا حضر خود کہیں مہمان ہو گئے ہوئے ہوں یا ان کے یہاں کوئی آیا ہوا ہو۔ ایک معمولی اور نجی خط لکھ رہے ہوں یا کوئی تصنیف کر رہے ہوں حالی کی خاموش سنجیدہ اور نیک سرشت ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طرز بیان اور لہجہ اپنے موضوع کے شایان شان ہے بڑا دلکش اور دل نواز ٹھہرا ہوا اور دھیما۔ اس کو پڑھ کر قاری کسی الجھن کسی وقت اور پیچیدگی کا شکار نہیں ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے چاند کی نرم نرم کرنیں کسی گھنے درخت کے پتوں میں سے چھن چھن کر آرہی ہیں۔

اس کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حالی کے رہن سہن اور معاشرت کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ عام طور پر ہماری قدیم معاشرت کے عیوب ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس معاشرت اور زندگی کے چند دلکش پہلو اس میں نمایاں ہو جاتے ہیں اور خصوصیات جو اس زمانے میں عام تھیں اب بمشکل ڈھونڈے ہی سے ملتی ہیں۔ پرانے لوگوں کا وہ خلوص ان کی وہ وضعداری اور با اصول زندگی ان کی محبت اور توجہ اپنی ذات اور خاندان سے بڑھ کر تمام خاندان

Marfat.com

اور گھر والوں نوکروں اور ہر آشنا کے لئے وقف ہوتی تھی وہ دوسروں کے دکھ سکھ کو اپنا ہی سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا حالی نے ایک بار کسی انگریز مصنف کے حوالے سے لکھا تھا کہ ہو گراں سمندر کی موجوں کی طرح چلا چلا کر ان سے کہتی ہے کہ جاؤ تم بھی ایسے ہی کام کرو خود ان کی یہ سوانح عمری چاہے قاری کو ان کے جیسے کام کرنے پر اکساتی ہو یا نہ اکساتی ہو لیکن اس کے مطالعے کے بعد قاری ان کی شخصیت کے تمام تر دلکش و دلنواز پہلوؤں کو خود اپنی شخصیت میں پانے کا آرزومند ضرور ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ اس میں تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہتے ہوں اور دوسرے بہت سی معلومات جو اس میں شامل نہیں ہیں کرنا چاہتے ہوں۔ اور اس لحاظ سے بقول مولانا ابوالکلام آزاد

> "بلاشبہ یہ خواجہ صاحب کی مطلوبہ سوانح عمری نہیں ہے لیکن مطلوبہ سوانح عمری کا ایک ایسا قیمتی مواد جس سے زیادہ مستند مواد ہمیں نہیں مل سکتا"

(صفحہ پیش لفظ از مولانا ابوالکلام آزادؒ)

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ صالحہ عابد حسین نے اردو میں ایک مستند دلکش اور اہم سوانح عمری کا اضافہ کیا ہے۔

حالی و شبلی کے بعد یعنی بیسویں صدی کی سوانح نگاری کے پیش نظر جائزے کو کسی طرح بھی مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو بے شمار سوانح

Marfat.com

نگاروں اور خاکہ نویسوں میں سے چند ممتاز اور نمایاں مصنفین کی تصنیفات کا سرسری جائزہ ہے۔ ورنہ ہماری کم سن زبان نے دوسرے اصنافِ ادب کی طرح بلکہ چند ایک اصناف سے بہت زیادہ اس صنفِ ادب کا اچھا خاصہ سرمایہ جمع کرلیا ہے۔ ہماری سوانح نگاری میں برابر نئے نئے اضافے ہو رہے ہیں اور نئے تجربے بھی کئے جا رہے ہیں۔ جدید طرز کا بہترین تجربہ یا اضافہ اردو کی مایہ ناز ادیبہ عصمت چغتائی نے اپنے مرحوم بھائی عظیم بیگ چغتائی کی یاد میں "دوزخی" لکھ کر کیا ہے۔ یہ اپنے طرز کا بالکل نیا اور اچھوتا خراج محبت ہے جو ایک بہن نے اپنے بھائی کو دیا ہے اور مجسم قہقہہ عظیم بیگ چغتائی کے قارئین پر عجیب و غریب انکشاف کیا ہے کہ یہ دنیوں کو ہنسانے والا مصنف کیسی تلخ حقیقتوں کا شکار رہا تھا اور اس کی زندگی مجسم آہ تھی۔

بہرحال اردو سوانح نگاری نے ایک صدی سے کم عرصہ میں خاصی ترقی کرلی ہے۔ اور اگرچہ اس کا موجودہ سرمایہ قابلِ اطمینان نہیں لیکن امید افزا ضرور ہے ہمارے مصنفین میں سے بیشتر بڑی اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں اور ان میں سے اکثر بڑی تلاش محنت اور خلوص سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے اس کے مستقبل سے ناامید ہونے کی وجہ نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

ساتواں باب

آپ بیتیاں

آپ بیتی یا خود نوشت سوانح عمری بھی فن سوانح نگاری سے ہی متعلق ہے اگرچہ مکاتیب اور سفرنامہ بھی کسی شخص کے ذاتی حالات کا حصہ بن سکتے ہیں مگر نصب العین کے اعتبار سے یہ دونوں اصناف سوانح میں داخل نہیں اور ان کو براہ راست سوانح عمری میں شمار کرنا مناسب نہیں۔ البتہ ان کی مدد سے اچھی اور جامع سوانح عمریاں تیار کی جاسکتی ہیں۔ مکاتیب کی مدد سے ہم صاحب سوانح کی زندگی اور اعمال کے بعض ان پہلوؤں سے واقف ہوجاتے ہیں جو کہیں اور یا کسی اور ذریعہ سے ملنا ناممکن ہوتے ہیں۔ ان سے نفسیاتی مطالعہ میں بڑی مدد ملتی ہے۔ سفرنامے اس معاملہ میں اتنی زیادہ مدد نہیں دیتے یہ صاحب سوانح کے اپنے نئے نئے تجربات اور معلومات کا مجموعہ

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے مطالعہ سے مصنف کے اپنے رجحانات ذوق، پسند اور زاویہ نگاہ سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ کون سے مناظر اور مقامات اس کے ذوقِ نظر اور احساس جمال کو تسکین دیتے ہیں وہ بیرونی مقامات اور اجنبی تہذیب و تمدن کو کن اقدار اور معیاروں پر پرکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ڈائریاں یا روزنامچے اگرچہ بظاہر خودنوشت سوانح عمری سے قریب تر ہوتے ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے لکھنے والے کے مزاج اور فطرت کا مکمل جائزہ نہیں لیا جاسکتا یہ دراصل خودنوشت سوانح عمری کے بکھرے ہوئے اور الگ الگ ٹکڑے ہوتے ہیں جن میں واقعات کم اور تاثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کو مکمل سوانح کا قائم مقام سمجھنا سخت غلطی ہے۔ عام طور پر ڈائری لکھنے والے کچھ محتاط ہو کر لکھتے ہیں اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو بے کم و کاست اپنے تاثرات کو صفحۂ قرطاس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس میں جتنا لکھا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ چھپایا بھی جاسکتا ہے۔ اردو میں مکاتیب کا رواج کثرت سے ہوگیا ہے اور تقریباً تمام مشاہیر کے خطوط و مکاتیب شائع ہو چکے ہیں۔ اور جن میں سے بعض اردو کے بیش بہا ادبی سرمائے شمار کئے جاتے ہیں۔ اردو کے عظیم مکتوب نگار مرزا غالب کے خطوط کے علاوہ مولانا شبلی نعمانی مولانا ابوالکلام آزاد (غبار خاطر) مولانا محمد علی اور دیگر ادبی اور سیاسی مشاہیر کے خطوط کو اردو ادب میں ایک بلند مقام حاصل ہے خطوط

Marfat.com

ان مناسب کا موضوع ایک مستقل اور جداگانہ موضوع ہے اور یہاں پہ اس کا ذکر مناسب نہیں نظر آتا۔
سفرناموں کی اگرچہ خاصی تعداد ہے۔ مگر اس کو تسلی بخش نہیں کہا جاسکتا ہمارے اہل قلم اور اہل وطن حضرات میں مہمانی (Enterprise) جذبہ اور اولوالعزمی تقریباً ناپید ہے ان کو دور دراز یا اجنبی مقامات سے بہت کم دلچسپی ہوتی ہے۔ تمدن کے نئے نئے مظاہرے اور نئی نئی تہذیبیں ان کے لئے قابل اعتنا نہیں ہوتیں یہاں تک کہ خود اپنے ہی وطن کے قابل دید مقامات ایلورا کے غاروں یا ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں تاسگا پربت۔ کنچن چنگا کی چوٹیوں میں بھی ان کے لئے کوئی دلکشی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ غیر ممالک میں بھی جاتے ہیں ان کا نقطۂ نظر کسی حد تک کاروباری ہوتا ہے جہاں کہیں بھی جاتے ہیں اپنے گرد وپیش سے بیگانہ ہو کر اپنے کام سے کام رکھ کر واپس آجاتے ہیں۔ ان سے سفرناموں کی توقع ہی عبث ہے اور کوئی سفرنامہ لکھتا بھی ہے تو حقیقی سفرنامے تک پہنچتا ہی نہیں۔ مستقل روزنامچے لکھنے کی عادت بھی ہمارے یہاں کم ہی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں خواجہ حسن نظامی کا نام نمایاں نظر آتا ہے ان کا روزنامچہ سالہا سال تک بڑی پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ اس میں شخصی اور خانگی عنصر غالب ہوتا ہے۔ لیکن حالات حاضرہ پہ بڑے اچھے اور دلچسپ تبصرے بھی ملتے ہیں۔ خواجہ صاحب موصوف بقول شخصے نئے فیشن کے مولوی بلکہ پیر رہا لیکن

Marfat.com

مذہبی مصروفیات اور پیری مریدی کے مشاغل کے علاوہ وہ اپنے وقت اور زمانے کی سیاست اور تغیرات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ان پر بڑی جدت اور تکلف سے خیال آرائی کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے علاوہ کوئی ایسا مستقل روزنامچہ لکھنے والا شخص بظاہر نظر ہی نہیں آتا

اب صرف خودنوشت سوانح عمریوں کا سوال رہ جاتا ہے۔ اس طرف بھی ہمارے اہل قلم حضرات نے بہت کم توجہ دی ہے اوّل تو یہ کہ ہمارے یہاں اپنی زندگی کو کچھ وقعت ہی نہیں دی جاتی۔ زندگی ہم تک ایک ناخواندہ مہمان کی طرح آتی ہے اور اسی طرح واپس چلی جاتی ہے۔ نہ ہم اس کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور نہ جاتے وقت اس کے لئے زاد راہ مہیا کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہم دوسروں کے عیب و ثواب کو متجسسانہ دیکھتے رہتے ہیں اور دوسروں کی زندگی کی تفصیلات و جزئیات کو زیادہ سے زیادہ پیش کر کے محظوظ ہوتے ہیں۔ لیکن خود اپنی زندگی کے ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر اور خفیف سے خفیف پیچ و خم سے ناواقف رہتے ہیں علاوہ اس کی نیرنگی اور تنوع کو اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں اور سکھ کے ان لمحات سے خیالات اور جذبات کے ان طوفانوں سے جن سے ہم اندر ہی اندر دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے قریب ترین عزیز اور دوست بھی ناآشنا اور بےخبر ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہوتا ہے کہ ہم خود اپنی حقیقت سے ناآشنا اور اپنی ہستی سے غافل رہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حقیقت نگاری بڑا مشکل کام ہے۔ بالخصوص

Marfat.com

انسان اپنی کہانی خود لکھنے بیٹھے۔ یہ سچائی صاف گوئی۔ دیانت داری اور جرأت اظہار کا زبردست امتحان ہے۔ ایک اچھے آپ بیتی لکھنے والے سے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان اعمال اور افعال کا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں اس کی ذات سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ وہ اس کے نام سے منسوب ہیں ورنہ اب وہ دوسروں کی امانت ہیں دوسرے ان سے خواہ سبق لیں یا لطف جیسا کہ پہلے باب میں ذکر آچکا ہے کہ ایک مخلص اور فنی نقطۂ نظر رکھنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ Jhon Dunton کی طرح بلا خوف وخطر اپنا نامۂ اعمال یہ کہہ کر پیش کر دے۔

"My very soul may naked here
be seen, both what I was and
What I should have been.
Dissected thus, I stand a living
martyr grown, come read my
errors and reform your own.

آپ بیتی اسی وقت دلکش اور حسین ہوتی ہے جب انسان سچائی اور دیانت داری سے پیش کرتے ورنہ سادہ اور سپاٹ زندگی کو تصنع کا خول چڑھا کر پیش کرنا تو فضول ہی ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک آپ بیتی ذکر میر کی صورت میں ملتی ہے

Marfat.com

اگرچہ میر صاحب نے یہ آپ بیتی فارسی زبان میں لکھی ہے۔ لیکن فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کا شمار اردو کی آپ بیتیوں میں نہیں کیا جا سکتا چونکہ میر صاحب ہی پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو قابل اعتنا سمجھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی ہمہ حسرت اور سراپا غم بربادی کی تعبیر زندگی بہت ہی عزیز تھی۔ جس کے اوراق پریشاں کو انھوں نے تمام حسرتوں اور ناکامیوں کے باوجود ذکر میر میں محفوظ کر لیا ہے اور میر صاحب کی یہ خود نوشت سوانح عمری اس لئے بھی اہم ہے کہ اسی کے سہارے ہم میر صاحب کی شخصیت کا اندازہ لگاتے ہیں اور ان کے رنگ طبیعت اور افتاد مزاج کو انہی حالات کی روشنی میں جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ میر صاحب کی اس فارسی زبان کی آپ بیتی کے علاوہ کوئی دوسری آپ بیتی نہیں ملتی جس کا ذکر کیا جا سکے۔ چنانچہ اس صنف ادب میں اردو تہی دامن نظر آتی ہے۔

سر سید رضا علی کا اعمال نامہ اردو کی پہلی مستقل اور قابل ذکر آپ بیتی ہے۔ سید رضا علی نے اپنی یہ آپ بیتی بڑی محنت اور کاوش سے لکھی ہے۔ یہ نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ ایک بڑے آدمی کی داستان حیات ہے جو خود اس کے قلم سے نکلتی ہے۔ بلکہ اس سے ہم گذشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ کے سیاسی تغیرات انقلابات خصوصاً مسلمانوں کی من حیث القوم سیاست سے مطلع ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کی سیاسی تاریخ کی آئینہ دار

Marfat.com

[illegible] میں ہندوستانی معاشرے کی زندگی کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہے۔ حقیقت وہ تانے اور بانے ہیں جو کردار صاحب سوانح کے حالات کے ضمن میں ابھرتے ہیں اور اپنے نقش دلوں پر چھوڑ جاتے ہیں۔ مصنف نے بڑی کوشش کی ہے کہ اپنے خود نوشت سوانح عمری میں مشرق و مغرب کے تصورات کا معتدل امتزاج و آہنگ پیدا کر سکیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> میرے گلدستہ میں دونوں قسم کے پھول ملیں گے میں نے حقیقت نگاری کو ملحوظ رکھا ہے۔ مغربی ممالک میں سوانح حیات لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ بیتی کے ساتھ ساتھ جگ بیتی بھی بیان کی جاتی ہے۔ دنیا میں واقعات کا سلسلہ ایسا مربوط ہوتا ہے کہ اپنی کہانی اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے۔ جب دوسروں کے حالات بھی درج کر دیئے جائیں۔ (دیباچہ اعمالنامہ)

اور اس جگ بیتی کو انھوں نے اس درجہ ملحوظ رکھا ہے کہ خود ان کی آپ بیتی پس پشت رہ جاتی ہے اور بعض دفعہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھتے لکھتے اچانک مصنف کو خیال آگیا ہے کہ در اصل اس کو اپنے بارے میں لکھنا تھا۔ بہرحال ان کے اس طریق کار نے ان کی سرگذشت کو مسلمانان ہند کی دلچسپ اور جامع سیاسی تاریخ بنا دیا ہے جس میں علی گڑھ کی اس سیاست اور کشمکش کا ذکر ہے

Marfat.com

مفصل ..... ملتا ہے جو اس زمانے میں یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کے درمیان جاری تھی۔ اس کے علاوہ اعمالنامہ میں ہم کو پچاس برس پہلے کے علی گڑھ کے اس مخصوص اور دلچسپ ماحول کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ جس کی یاد وہاں کے اولڈ بوائز کو ہمیشہ مضطرب اور بے چین رکھتی ہے۔ ساتھ ہی علی گڑھ کے ہم جماعت ساتھیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ حصہ تھا جہاں مصنف اپنے قلم کی تمامتر روانی اور دل کا انتہائی جذبہ صرف کر سکتا تھا۔ اپنے دوستوں کا ذکر اور وہ بھی کون سے ؟ طالب علمی کے زمانے کے ساتھی۔ یہ زمانہ انسان کی زندگی کا عہد زریں ہوتا ہے۔ وہ وقت جب انسان مادرِ درسگاہ کی آغوش میں دنیا کے تلخ و ترش سرد و گرم سے بیگانہ ہو کر زبان حال سے کہتا ہوتا ہے۔ ع۔

خندہ زن ہیں بے تکلف فکر سے آزاد ہیں

پھر اس کا ذکر کیوں نہ اس انداز سے کیا جائے کہ پڑھنے والا یوں محسوس کرنے لگے کہ مصنف پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں جا پہنچا ہے لیکن اس دلچسپ مقام سے سر سید رضا علی سربلند کئے ہوئے بڑے بے رخی اور بے نیازی سے گزر گئے۔ انھوں نے اپنے دوستوں اور علی گڑھ کی زندگی کے بارے میں خود اپنا ذکر کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ اس میں بوئے انانیت آنے لگی ہے۔ انھوں نے ایک جگہ دیباچہ میں ذکر کیا ہے کہ

Marfat.com

" میں نے یہ تہیہ کر کے قلم اٹھایا تھا کہ واقعات کو اصلی
صورت میں پیش کروں گا موجودہ فن تجدید شباب
Rejuvenation کے ماہروں کی طرح یہ ہرگز
جائز نہ رکھوں کہ آنکھیں ماتھے پہ پہنچ جائیں۔ نیچے کا ہونٹ
ٹھوڑی پہ پڑا ہو یا دونوں کان گلے کا ہار ہو جائیں۔
حقیقت نگاری بڑا مشکل کام ہے۔ بالخصوص جب..
انسان اپنی کہانی خود لکھتے بیٹھے میری تمام تر یہ..
کوشش رہی ہے کہ انصاف سے کام لوں کسی تصویر
کا رنگ پھیکا نہ پڑے نہ زیادہ گہرا ہونے پائے "

(دیباچہ اعمالنامہ)

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ رنگ کچھ پھیکا نظر آتا ہے۔ سر سید
رضا علی نے ایک متوسط الحال طالب علم کی حیثیت سے زندگی شروع
کی اور عروج و کمال کی انتہائی کامرانیوں تک پہنچے اور ان کے حصول
سے ان کو یقیناً مسرت بھی حاصل ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ اس مسرت و فخر میں
قاری کو شریک نہیں کرتے۔ زندگی نے انھیں جو کچھ دیا وہ انھوں نے
بہت ناز اور تمکنت سے قبول کر لیا کوئی اظہار مسرت نہیں کسی قسم کا
جذبہ یا تاثر نہیں۔

اعمالنامہ کو انھوں نے تیرہ ابواب پر تقسیم کیا ہے جس میں اپنے بچپن
کے حالات۔ خاندانی حالات مکتب اور اسکول پھر کالج کا زمانہ بیان کیا

Marfat.com

ہے اس کے علاوہ مختلف سیاسی واقعات کا ذکر اپنے عقاید و مذہب شعر و شاعری اور ادب کے متعلق اپنے خیالات اور نظریات کا اظہار بھی کیا ہے۔ گیارھواں باب ایک خاص اہمیت اور خصوصیت رکھتا ہے اس کے بیان کے لئے انھوں نے بڑے بلند بانگ دعوے کئے ہیں یہ بات ان کے بقول ان کی روداد محبت ہے اور اس کا عنوان ہی "حسن و محبت" رکھا ہے۔ اس باب ہی کے لئے شاید انھوں نے دیباچہ میں حقیقت نگاری کا وعدہ کیا تھا۔ اور شروع ہی سے قاری کو دھمکیاں دی تھیں کہ واقعات کو خواہ کسی نوعیت کے ہوں گے۔ اصلی خدوخال میں پیش کریں گے۔ چنانچہ اس باب کو شروع کرتے ہی قاری سنبھل کر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن اس باب کو شروع کرتے وقت سر سید رضا علی کا قلم کیسا شرمایا ہے۔ اس کا لطف کچھ پڑھنے والا ہی اٹھا سکتا ہے۔ کہ انھوں نے کس کس طرح سنبھل سنبھل کر حرف مطلب نوک قلم تک لانے کے لئے خود کو کس کس طرح آمادہ کیا ہے ان کی یہ لمبی چوڑی پیش بندیاں اور تمہیدیں قاری کو مشتاق سے مشتاق تر بناتی چلی جاتی ہیں۔ آخر ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم کہہ کر بات اس طرح شروع کرتے ہیں گو یا خدا جانے کون سی رنگین داستان بیان کر رہے ہیں اور کون سا دفتر معصیت کھول رہے ہیں۔

"اس باب کو گلستان کا باب پنجم سمجھنا چاہیے۔ میں عرصہ تک سوچتا رہا کہ دل کے معاملہ کا اعلانیہ ذکر کروں یا

Marfat.com

اس تمہید کے بعد بھی ان کا قلم کسی طرح اس راہ پر چلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کو دھوکے سے اس طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے محبت کے فطری جذبہ پر بحث شروع کر دیتے ہیں۔ ماں باپ اولاد۔ بھائی بہن۔ محبوب اور محب کی محبت کا فلسفہ بیان کرتے کرتے ایران کے غیر فطری محبوب، ہندی کی الٹی گنگا، اور ہندی گیتوں میں برہمن کا سہارا لیتے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور بات ٹلتی جاتی ہے کہ یکایک ان کو احساس ہوتا ہے کہ وہ بات میں بات گھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اس طرح قاری کو بہلایا تو نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اب وہ اس کو ایک کھلونا دے کر بہلانا چاہتے ہیں۔ اردو میں آپ بیتی کا قصہ نکال بیٹھتے ہیں۔

"اردو میں آپ بیتی لکھنے کا رواج نہیں ہے جو انگریزی داں حضرات سیاسی چسکے کے باعث اپنے حالات لکھتے ہیں وہ انگریزی میں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ اور جن نامور انگریزوں نے اپنے حالات خود اپنے قلم سے لکھتے ہیں ان کے لئے بہترین نمونہ سمجھتے ہیں۔ پہلے میرا بھی قصد تھا کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں لکھوں۔"

(اعمالنامہ صفحہ ۳۹)

لیکن ان کی تحریر سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا قلم سخت گھبرایا

Marfat.com

ہوا ہے کہ منیجے بٹھائے یہ کیا مصیبت مول لے لی۔ ایک طرف تو
فن کا تقاضا کہ جو کچھ حقیقت ہے اس کو بیان کر جاؤ اور دوسری
طرف شرم ہے کہ آگے چلنے نہیں دیتی۔ مگر بات ٹالے نہیں ٹلتی۔ چار
ونا چار بڑی نیچی نظر سے اپنے متعلق کچھ لکھنے پر آمادہ ہوتے ہی
ہیں کہ خیال آتا ہے لاؤ اپنی خطا کے جواز کے لئے کسی بڑے ہی ثقہ
انسان کو اپنی ہی کشتی میں سوار کر لیں اور اس کی آڑ میں بڑھیں
چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی کی آڑ میں چلنا شروع کرتے ہیں۔

"ملا عبدالقادر بدایونی کی جرأت کی داد دینی چاہیے کہ
ان کے تقدس نے اس آفت جان کے حالات قلم بند
کرنے سے باز نہ رکھا جس سے انھوں نے دل لگایا تھا
مگر اس زمانے میں چھاپے کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اور ملا
موصوف کو اطمینان تھا کہ ان کی کتاب ہر کس ناکس کے
ہاتھ میں نہ پہنچے گی اب یہ حالت ہے کہ منہ سے بات نکلی
اور پرائی ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ کسی کو الزام دینے کا مجھے
حق نہیں ہے میں تو خود یہ کتاب اس لئے لکھ رہا ہوں کہ
لوگ پڑھیں اور میری بابت جو رائے چاہیے قائم کریں"

(اعمالنامہ صفحہ ۳۹۴)

غنیمت ہے کہ ان کے خیال کو راستے ہی میں ملا عبدالقادر
بدایونی مل گئے ورنہ نہ جانے کس کس کو سند کے لئے پکڑ لاتے اور در

Marfat.com

اصل بات فقط اتنی تھی کہ

"جنوبی افریقہ دوسری مرتبہ میں ۱۹۳۲ء کے شروع میں گیا تھا تین سال وہاں رہا وہاں پہنچے دو مہینے گذرے تھے کہ مس بونو ویلوسامی کا بعد کو لیڈی رضا علی ہوئیں ، کمبرلی میں جہان ہوا اور میں نے شادی کا تہیہ کرلیا ۔

(صفحہ ۱۳۹۵ اعمالنامہ)

غرض یہ کہ اس مختصر سی بات بتانے کے لئے کہ ان کو افریقہ میں اپنی میزبان پسند آگئی تھیں اور انھوں نے بھی ان کو پسند کرلیا تھا ۔ اور نتیجۃً شادی بھی ہوگئی ۔ ایسی لمبی چوڑی تمہید اٹھاکر قاری کو بے وجہ الجھن میں ڈالا ۔ اور پھر اس کا ذکر کرکے اس قدر پچھتاتے ہیں کہ کوئی اقبال جرم کیا ہے ۔ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے انھوں نے شملہ کے یادگار مشاعرے کے عنوان کے تحت میں "حسن و محبت کی جیتی جاگتی آٹھ تصویریں" بھی پیش کی ہیں ۔ اور اس طرح آٹھ مقتدر اور بڑے آدمیوں کی داستان محبت سناکر قاری کے ذہن سے اپنے واقعہ کو بھلانا چاہا ہے ۔ دوسروں کی داستانیں سناتے وقت انھوں نے بڑا رنگین اور پر لطف طرز بیان اختیار کیا ہے ان کے نظم کی روانی قابل ذکر ہے اب نہ مشہور شعراء کے اشعار کی سند ہے اور نہ عشق و محبت کے بارے میں فلسفہ بگھارا ہے ۔ کاش اپنا قصہ بھی اسی طرح لکھ دیا ہوتا ۔

ان کی یہ بات کچھ قابل اعتراض سی معلوم ہوتی ہے اگر انھوں

Marfat.com

نے جرأت اظہار کو اپنا شیوہ بنایا تھا تو پھر بے باکی اور جرأت سے کام بھی لیا ہوتا۔

اپنی اولاد کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنی اولاد سے نہ صرف محبت ہے بلکہ اس کو قدر کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں۔ ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات قابل رشک حد تک خوشگوار ہیں یہاں تک کہ انھوں نے عقد ثانی بھی اپنے بیٹے اور بیٹی کی اجازت اور خوشی سے ہی کیا۔ اردو شاعری اور اردو ادب کے متعلق اظہار خیال اس طرح کیا ہے کہ وہ اپنی جگہ ایک مختصر مضمون کہا جا سکتا ہے تاہم اس سے ان کے خیالات اور نقطۂ نظر پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجموعی طور پر اعمالنامہ اردو کی قابل تعریف آپ بیتی ہے۔ جس میں ملک کی خصوصاً مسلمانوں کی سیاست کا بسیط جائزہ لیا گیا ہے۔ اور آپ بیتی کا بھی خاصا حصہ اسی میں آ گیا ہے۔ تذکرہ ابوالکلام آزاد کا تذکرہ کہنا محض خوش فہمی ہے۔ اور اس کا مولانا کی ذات سے تعلق فقط اسی قدر ہے کہ تذکرے کے مولف نے اسی ارادہ سے کہ مولانا کے خود نوشت سوانح حیات مرتب کریں مولانا کو مجبور کیا کہ وقتاً فوقتاً اپنے حالات اور سوانحات تحریر کر کے ان کو دیتے رہا کریں لیکن مولانا کے تجاہل عارفانہ کو تو دیکھئے کہ ان کے پیہم تقاضوں اور اصرار کے بعد لکھ کر دیتے تھے تو کیا اپنے اجداد کا تذکرہ علمار سوء کی افسوسناک حرکات پر تبصرہ عہد اکبری کے علمار کی چشمکیں رنجشیں حرص و مفسدہ پیدا کیا

Marfat.com

اور اپنے اجداد کی اس تمام ہنگامہ اور شور و شر سے دامن بچانا وغیرہ
آخر میں بدقت تمام تو د اپنے متعلق بھی چند صفحے تحریر کئے ہیں جن سے
زیادہ غبار خاطر کے صفحات ہیں ان کی شخصیت کی جھلک نظر آتی ہے
اس کو آپ بیتی کہنے کی بجائے اگر ہم یہ کہدیں کہ یہ آپ بیتی کے ایک
مختصر پہلو کا شاعرانہ بیان ہے تو شاید غلط نہ ہوگا ع

مختصر حال جسم و دل ہے   اس کو آرام نا اسکو خواہش نہیں

یا بقول حسرت موہانی :۔ عاشق ہوئے اور مر مٹے ہم اپنی تو یہ مختصر ہے روداد
بس تذکرہ میں آپ بیتی اسی قدر ہے ایک مختصر سی آپ بیتی تو کیا
چند واقعات زندگی حکیم احمد شجاع نے بھی لکھے ہیں ۔ "خون بہا" بظاہر
تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے لیکن آدھے حصہ میں اپنے افکار نظم و نثر
اور تخیلات درج کر دیئے اور اس کے بعد "پچھلے پچاس برس" کے
عنوان سے اپنے حالات زندگی ضبط تحریر میں لائے ہیں۔ اس کتاب کی
سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد انکساری اور محبت پر رکھی گئی
ہے ۔ مصنف محبت کا ایک ایسا ٹھنڈا میٹھا اور فرحت بخش چشمہ ہے
جس کی فیض رسانی ہر کس و ناکس کے لئے عام ہے وہ ایک محبت
کرنے والا باپ شفیق استاد گرم جوش دوست اور بڑا سعید شاگرد
ہے۔ انھوں نے اگر اپنی مشاہدات اور تصورات کی یہ دنیا جسے پچاس
برس کی محنت سے بسایا ہے اپنے بچوں کے ناموں سے منسوب کی ہے تو
وہ اپنے پہلے اور آخری شاگرد سردار محمد نواز خاں کو بھی نہیں بھولے

Marfat.com

اسی طرح وہ اپنے حالات اپنے لئے بیان نہیں کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس
میں خاص اپنے شخصی حالات بال بچوں اور متاہل زندگی اپنی ملازمت یا ادبی
خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنے حالات کے ساتھ اپنے بزرگوں
استادوں اور دوستوں کی یاد تازہ کرنا چاہی ہے تعارف میں لکھتے ہیں

"اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں بہت اجمال کے
ساتھ وہ حالات اور واقعات بیان کر دوں جن کی سیل
رواں کے ساتھ ساتھ میں اپنی عمر کے گزرے ہوئے زمانے
میں بہتا چلا آیا ہوں۔ ان حالات کے بیان سے یہ مقصود
نہیں کہ میں کسی ذاتی اہمیت یا شخصی توقیت کے اظہار کے
لئے بہانہ تلاش کروں۔ مدعا فقط یہ ہے کہ اس سلسلے میں
ان نامور بزرگوں کا بھی ذکر کیا جائے جن کے فیض صحبت
سے ازلی مناسبت کو اکتسابات دانش کی سعادت میسر آئی

(تعارف صفحہ ۱ - اخون بہام)

اس کے علاوہ ان کا مطمح نظر یہ بھی تھا کہ اپنے بعض دوستوں کی
زندگی کے بعض دلچسپ اور درخشاں پہلو بھی پیش کر دیں۔

"پچھلے پچاس برس کی یہ سرگزشت اس لحاظ سے ایک قیمتی یادداشت
ہے کہ اس میں ضمناً ان لوگوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا
تذکرہ ہے جن کے کارناموں کی درخشانی سے ہندوستان
کی قومی مجلس اور سیاسی تاریخ کے اوراق منور ہیں۔"

Marfat.com

(تعارف صفحہ ۔ اخوں بہا)

غرض یہ کہ ان کی نظر میں اپنی زندگی سے زیادہ دوسروں کی زندگی کی وقعت ہے اور ان کا محبت بھرا دل ان سب کی یاد سے معمور ہے در اصل مبارک ہے وہ زندگی جو دوسروں کو ہدیہ محبت دے سکے عجیب بات ہے کہ ان دو سو اڑسٹھ (۲۶۸) صفحات میں حکیم احمد شجاع کے قلم سے ایک لفظ بھی ایسا نہ نکل سکا جس میں کسی کی تحقیر یا تمسخر کا پہلو نکلتا ہو۔ انھوں نے اپنے اتنے وسیع حلقہ شناسائی میں کسی کے لئے بھی کوئی سخت یا بُرا الفاظ استعمال نہیں کیا۔ اپنے عزیزوں رشتہ داروں نوکروں دوستوں۔ استادوں یا شہروں فضاؤں اور اس ماحول تک کو جس میں سازگاریوں اور ناسازگاریوں سب ہی سے دو چار رہے ہوں گے نہ صرف ذکر خیر سے یاد کیا ہے۔ بلکہ اتنے پیار سے اور دلکش انداز میں ان کا ذکر کیا ہے کہ قاری کے دل میں بھی ان سب کے لئے محبت کا مخلص اور بے پناہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اپنے وطن اور عزیزوں کی محبت بھری آغوش سے نکل کر علی گڑھ پہنچتے ہیں تو وہاں کے ہر متنفس اور ہر ذرے سے محبت کرنے لگتے ہیں ڈاکٹر ضیاء الدین جن کی بعض کمزوریوں کا ذکر اکثر بہت مزے لے لے کر کیا جاتا ہے۔ ان کی بعض ناقابل فراموش خدمات اور تدبر کا ذکر بھی اس طرح کیا ہے کہ معترضین کے اعتراضات اور الزامات کے باوجود ان کی قدر دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کا ذکر قدر و محبت

Marfat.com

سے کرتے تو عجب نہیں لیکن وہ تو اسی محنت سے احمد بخش حجام اور سوہن لال پوسٹ مین کا بھی کرتے ہیں۔

"احمد بخش حجام جنہیں سرسید کے بال اور ناخن ترا شنے کا فخر حاصل تھا۔ اب بھی اپنے اصلاحی کام میں بڑی چابک دستی سے مصروف رہتے تھے۔ جب وہ میرا خط بنانے آتے تو خط بناتے بناتے ان اولڈ بوائز کی ساری داستان حیات سناتے جاتے تھے۔

(خون بہا صفحہ ۲۳۶)

اسی طرح سوہن لال پوسٹ مین کے جذبات کا ذکر کتنی اچھی طرح کھینچے ہیں۔

سوہن لال پوسٹ مین جب کبھی کسی اولڈ بوائے کو سرسید کورٹ میں دیکھ پاتا تو اسے اس کے نام ہی سے پکارتا۔ ظفر میاں احسان میاں آپ کا کوئی خط نہیں کل آئے گا۔ خدا جانے وہ ان اولڈ بوائز کو دیکھ کر پرانے زمانے میں زندگی بسر کرنے لگتا تھا یا اس کا ذکر ذہن اس حقیقت کو سمجھنے سے انکار کر دیتا تھا۔ کہ یہ اولڈ بوائز اب وہ لڑکے نہیں جنھیں سوہن لال جانتا تھا۔"

(خون بہا صفحہ ۲۴۰)

پھر اس محبت بھرے دل کی النیت اور لگاؤ کی حد تو دیکھئے

Marfat.com

کہ اب بھی ہم لوگ جب کالج میں جاتے ہیں تو سرسید کورٹ کے
برآمدے میں احمد بخش کے ریپر رنبز کرتے کی کھٹ کھٹ
اور سوہن لال کے کھڑی والے جوتے کی کھٹ کھٹ سنائی
دیتی ہے۔"

(خون بہا صفحہ ۲۲۷)

علی گڑھ ہو یا میرٹھ کالج اور وہاں کا اسٹاف لڑکے ہوں یا ملازم
ہر ایک کا ذکر محبت سے کرتے ہیں۔ کسی کے کیسے ہی نظریئے ہوں کچھ ہی
طریقے ہوں ان کو کوئی سروکار نہیں۔ وہ تو فرد اور اس کی ذات کے
متوالے ہیں۔ ان کی نظر میں نواب صاحب بھوپال۔ شفقت۔ امیر احمد
ظہیر زاہدی غرضیکہ ہر شخص یکساں طور پر عزیز ہے مسعود ٹامی کی دلچسپ
اور شہرہ آفاق شرارتوں کے مفصل ذکر کی وجہ بتاتے ہیں کہ

"مسعود کی روح جنت الفردوس کی آسودگی میں اس درد
سے تڑپ نہ اٹھے کہ ہم اسے اتنی جلدی بھول گئے"۔

(خون بہا صفحہ ۳۰۸)

ان سطور میں ایک بچھڑے ہوئے ساتھی کے لئے کتنا پیار ہے
اور اس کی جدائی کا کتنا شدید احساس۔

ظہیر زاہدی اور ان کے والد کی محبت کا ذکر اور پھر ان
کی موت پر لکھنا۔ آج نہ تو وہ خود زندہ ہیں نہ ظہیر زاہدی کا
ہی کوئی دنیا میں موجود ہے ورنہ وہ دیکھ لیتے کہ میں ان

Marfat.com

کی محبت اور مروت کو آج تک بھولا نہیں۔ پنڈت کا کوچہ
ہمارے لئے ان کے دم سے آباد تھا۔ وہ گئے تو اس
کوچہ میں ہمارا آنا جانا بھی گیا۔ ہر صبح و شام ٹرام میں
بیٹھ کر پنڈت کے کوچے کا ٹکٹ لینا اب ایک بھولی ہوئی
کہانی ہے"

(صفحہ ۱۸۱ خوں بہا)

اسی طرح آفتاب منزل کا جانا اور آنا پھر سہا صاحب اور خورشید
احمد خاں کے جانے کے بعد وہاں ان کے لئے دلکشی کا ختم ہو جانا یہ
سب ایک محبت بھرے دل کی داستان نہیں تو کیا ہے۔

یہ تمام ذکر محض ان لوگوں ہی کی ذات پاک تک محدود نہیں رہتے ہیں
بلکہ اس سے خود ان کی شخصیت اور مزاج پر روشنی پڑتی ہے۔

حکیم احمد شجاع کے انداز بیان میں ایک خاص معصومیت اور
بھولا پن پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں اور بعض بظاہر مضحکہ خیز
حرکات کو بڑی سادگی سے بیان کر جاتے ہیں اس بیان کا انداز یہ
نہیں ہے کہ یہ میری کمزوریاں ہیں اور مجھکو تمہارے سامنے چار و ناچار
پیش کرنا ہے۔ بلکہ ان کا انداز کچھ اس طرح کا ہوتا ہے ہاں کبھی ہم
نے یہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ افتدو دانی کا انداز ہے۔ مثلاً میرٹھ کالج کے
فلاسفی کے پروفیسر بابو نند لال کی صحبت اور نصیحتوں سے متاثر ہو کر
فرقہ ملنگیہ کا قائم کرنا اور عجیب و غریب حرکات کرنا مثلاً۔

Marfat.com

میرے کمرے کا فرش سیاہ ڈسمبر سے ہیبت پرستی تھی۔ کمرے کے شل بیس پر ایک کاسۂ سر رکھا تھا۔

(صفحہ ۳۶۱ خوں بہا)

اور پھر اس کاسۂ سر کی طرف گیان دھیان سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا اور اس میں کلو پیٹرا کا حسن وشوامتر کا جلال افلاطون ارسطو نبرد وغیرہ کی فراست ہیبت اور سخاوت دیکھنا غرض ان تمام دلچسپ اور مضحکہ خیز حرکات کا ذکر کرنا اور پھر اس کا بھی بڑی معصومیت سے اقرار کرنا کہ

"میں میرٹھ رہتا تو ممکن تھا کہ پیروؤں کا حلقہ بہت وسیع ہو جاتا اور فرقہ ملنگیہ بھی ہندوستان کے کئی خود رو اور باطل پرست فرقوں کی طرح خدا کے قائم کئے ہوئے نظام میں اختلال کا باعث ہوتا۔"

(صفحہ ۳۶۲)

ساتھ ہی یہ اقرار کیا ہے کہ میرے جاتے ہی وہ خانۂ باطل گر گیا مگر میرے پیرو مدت تک میری راہ دیکھتے رہے اس سے بھی زیادہ اپنی نیما ہیڑے کے سرکاری ریسٹ ہاؤس والی مضحکہ خیز حرکت کا ذکر یعنی بنے ہوئے شاہ صاحب کے جن اتارنے پر ایمان لانا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ان کا معتقد بنانا اور پھر ان کی شاگردی کرنا حتیٰ کہ

"شاہ صاحب نے باطل کا وہ طلسم خود ہی توڑنا شروع

کر دیا باریک بالوں کا لمبا تار بنا لو اس کے ایک
کنارے پہ ذراسی موم لگا لو وغیرہ وغیرہ

(صفحہ ۱۷۳ خوں بہا)

اور پھر وہی سادگی کہ

"میں سوچ رہا تھا کہ انسان سے زیادہ بے وقوف
کوئی حیوان نہیں اور سمجھ رہا تھا کہ شاہ صاحب اب
بھی مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

(صفحہ ۱۷۸ خوں بہا)

اپنے لڑکپن کے لاابالی پن دارفتگی اور جوش کا ذکر اس طرح
کرتے ہیں۔

"حاصل کلام یہ کہ اس زمانے میں بزرگوں کی خرد افروز
صحبتوں کے ساتھ ساتھ جوانی کے ناعاقبت اندیش ہنگامے
بھی برابر جاری رہے ممتاز حسن ظہیر فدا ہدی شمس الاسلام
حیدر حسن ضیاالحق اور میں دہلی اور میرٹھ کی گلیوں کو زندگی
کی دلفریب وادیاں سمجھ کر ان میں برسوں گرم سیر رہے
کبھی یہ وادیاں سرسبز اور شاداب میدانوں میں جا نکلیں
اور کبھی خم در خم دشوار گذار گھاٹیوں نے ہمارا خیر مقدم
کیا قدم قدم پہ پاؤں پھسلے اور سنبھلے"

(صفحہ ۳۰۹ خون بہا)

Marfat.com

سلیم احمد عباسی صاحب کی تحریر بڑی صاف شستہ اور دل نشین ہے۔ ساتھ ہی خلوص سادگی اور سب سے زیادہ اس کی روح محبت نے اسکو ایک خاص سادگی۔ دلکشی اور حسن دے دیا ہے۔ ان کی داستان حیات کے یہ چند پہلو بڑے دلچسپ ہیں۔ انھوں نے علی گڑھ کی زندگی اور وہاں کی مخصوص روایتوں کا ذکر بڑے شوق و محبت سے کیا ہے لیکن ان کا انداز رشید احمد صدیقی سے مختلف ہے وہ اپنی تحریر میں مقامی رنگ کچھ اس طرح دیتے ہیں کہ اس سے مقامی لوگ ہی محظوظ ہو سکتے ہیں اور جو علی گڑھ کے ماحول اور فضا سے ناواقف ہوں۔ وہ اس سے خاطر خواہ طور پر لطف اندوز نہیں ہو سکتے" لیکن انھوں نے کچھ ایسا سیدھا سادہ پیرایہ اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس زندگی کی جھلکیاں دیکھ سکتا ہے جو وہاں گزار چکے ہیں۔

تذکرہ آپ بیتیوں کے علاوہ اردو میں کوئی قابل ذکر آپ بیتی نظر نہیں آتی اور اردو زبان حیات انسانی کے اس دلچسپ اور اہم ترین موضوع سے تقریباً تہی دامن ہے بہ حقیقت میں کسی زبان کی بدقسمتی ہے کہ وہ انسان کے اپنے تجربات واردات جذبات اور سوانحات کی خود نوشت داستانوں سے خالی ہو۔

شکر کہ ایں نامہ بعنوان رشید
بیشتر از مرگ بپایاں رشید

الطاف فاطمہ

زیرِ طبع

پیامِ مشرق، مع شرح۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی جلد اوّل -/۳۵
جلد دوم -/۳۵

یادِ اقبال، پروفیسر یوسف سلیم چشتی -/۱۵

اگست ۱۹۷۴ء کے آخر میں آنے والی نئی کتاب

مومن اور مطالعہ مومن ڈاکٹر عبادت بریلوی
کلاں سائز پر اول دوم مجلّد

Marfat.com

ہماری معیاری کتب

کتاب	مصنف	قیمت
مقدماتِ عبدالحق	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۶۰/-
تعلیماتِ اقبال، کلاں سائز،	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۲۰/-
کلیاتِ اقبال، فارسی،		۱۲۵/-
کلیاتِ اقبال، اردو،		۹/-
جاوید نامہ، مع شرح، کلاں سائز۔	پروفیسر یوسف سلیم چشتی جلد اول	۶۰/-
" "	" " جلد دوم	۴۰/-
رموزِ بیخودی، مع شرح،	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۱۵/-
ارمغانِ حجاز	" " "	۸/-
شرح بانگ درا	" "	۱۴/-
شرح بال جبریل	" "	۱۴/-
شرح ضربِ کلیم	" "	۱۲/-
شرح دیوان غالب	" "	۳۰/-
انور	منشی فیاض علی	۲۰/-
خدا کی بستی	شوکت صدیقی	۱۵/-
زیور	اے۔ آر خاتون	۳۰/-

Marfat.com

اسلام منزل بہ منزل	ترجمہ رئیس احمد جعفری	۱۵/-
حقوق القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	۵/-
حضرت عمر فاروق	مولانا اعجاز اعظمی	۲/۵۰
تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات	ڈاکٹر عبدالوہاب ظہوری	۸/۵۰
منٹو کے ادبی مضامین	سعادت حسن منٹو	۸/۵۰
اردو میں ڈرامہ نگاری	بادشاہ حسین	۸/-
دستِ صبا	فیض احمد فیض	۳/-
صلیبیں مرے دریچے میں	" "	۱۵/-
غالب کے رومان	عارف بٹالوی	۷/-
اقبال ادیبوں کی نظر میں	ظفر اقبال	۵/-
جدید شاعری	عبادت بریلوی	۲۵/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
غزل اور مطالعۂ غزل	عبادت بریلوی	۲۵/-
آبِ حیات	محمد حسین آزاد	۱۲/-
زادِ راہ	منشی پریم چند	۶/۵۰
داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	۱۲/-
دشمنِ دامن	سلمیٰ کنول	۱۲/-
امانت	"	۷/۵۰

Marfat.com

[illegible]ے پے	حمیدہ جبیں	۱۱/-

مریم	رضیہ بٹ	۱۰/-
شمس و قمر	"	۵/۵۰
قواعدِ اردو	ڈاکٹر عبداللہ	۸/-
کلیاتِ جگر	جگر مراد آبادی	۱۲/-
کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی	۸/-
اندازِ بیان اور	راجہ مہدی علی	۶/-
تاریخ عرب	سر سید احمد خاں	۷/۵۰

عزیمت و دعوت	مولانا آزاد	۳/۷۵
غبارِ خاطر	"	۱۲/-
تاریخ زبانِ اردو	شمس انصاری	۶/۵۰
لکھنؤ کا دبستانِ شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۲۰/-
میر اور میریات	ڈاکٹر صفدر آہ	۱۵/-
شام و سحر	چندر موہن	۸/-
دو آتشہ	"	۸/-
شعر و لغات	فیاض احمد فیاض	۸/-
تاج الحقائق	ڈاکٹر نورالسعید	۱۰/-

Marfat.com

دل کا کیا رنگ کروں	ایم۔ اے جاوید	٢/٥٠
غم فرقت	ذکیہ بیگم	٨/-
درندہ	اظہار اثر	٢/٥٠
چار شیطان	"	٣/-
فریب ویمپائر	عظیم بیگ چغتائی	٢/٥٠
بھرم	عشرت کرتپوری	٢/-
ابو مسلم خراسانی	صادق سردھنوی	٨/-
صلیبی جہاد	"	٩/-
آخری چٹان	نسیم حجازی	١٠/-

مباحث	ڈاکٹر سید عبداللہ	٢٥/-
نقد میر	"	١٦/-
غالب	ڈاکٹر سید عبداللطیف	٩/٠٠
حیاتِ غالب	ڈاکٹر محمد اکرام	٥/-
تمدنِ ہند	سید سلیمان ندوی	١٢/-

تصوف کی کتابیں بھی ہمارے یہاں ملتی ہیں۔ فہرست کتب طلب فرما سکتے ہیں۔

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ١٢٩١ گلی کوتانہ سوئیوالان دہلی ٦

Marfat.com

ماری معیاری کتابیں

- اقبال — 12-00 روپے
- بانگ درا مع شرح — پروفیسر یوسف سلیم چشتی — 20-00 روپے
- شرح بال جبریل — پروفیسر یوسف سلیم چشتی — 18-00 روپے
- شرح ضرب کلیم — پروفیسر یوسف سلیم چشتی — 12-00 روپے
- ارمغان حجاز مع شرح — پروفیسر یوسف سلیم چشتی — 8-00 روپے

- ...ز بیخودی مع شرح — 15-00 روپے
- جاوید نامہ مع شرح مکمل دو جلدیں — 100-00 روپے
- شرح دیوان غالب — پروفیسر یوسف سلیم چشتی — 24-00 روپے
- دیوان حالی مع شرح — مجیب احمد — 20-00 روپے
- شرح دیوان غالب — حسرت موہانی — 6-00 روپے

- ...ہا اقبال — ...ر یوسف سلیم چشتی — 15-00 روپے
- یاد اقبال — ڈاکٹر عبدالحمید — 6-00 روپے
- مومن اور مطالعہ مومن — ڈاکٹر عبادت بریلوی — 36-50 روپے
- مقدمات عبدالحق مکمل — 60-00 روپے
- اردو میں ڈرامہ نگاری — سید بادشاہ حسین — 8-00 روپے

- ...یدی ...ش — ...بدالقیوم — 5-00 روپے
- میرے بہترین افسانے — منشی پریم چند — 5-00 روپے
- زاد راہ — منشی پریم چند — 6-50 روپے
- تاریخ اسلام کے لمحات — رئیس احمد جعفری — 9-50 روپے
- حقوق القرآن — مولانا تھانوی — 5-50 روپے

- ...حیات — محمد حسن آزاد — 12-... روپے
- الفاروق — شبلی نعمانی — 10-00 روپے
- خدا کی بستی — شوکت صدیقی — 15-00 روپے
- بت تراش — یاقوت رحمان — 20-00 روپے
- اطراف اقبال — ڈاکٹر ملک حسن اختر — 20-00 روپے

- ...م مشرق ...ی مکمل مع شرح — 50 روپے
- عکس اقبال — 10-00 روپے
- نقد میر سید عبداللہ 10/ ، مباحث سید عبداللہ — 15-00 روپے
- مجموعہ کلام فیض 8-00 ، کلیات شکیل — 8-00 روپے
- صلیبیں میرے دریچے میں — فیض احمد فیض — 15-00 روپے

ن کے علاوہ اور ہر قسم کی کتابیں ہم سے بارعایت طلب فرمائیے

عتقاد پبلشنگ ہاؤس ۱۴۹۱ گلی کوتانہ سوئیوالان دہلی

Marfat.com